افشاں آفریدی

بساطِ دل بھی عجیب ہے

"چچو پلیز، مما سے کہہ دیں نا پلیز چچو۔"
نشا اس کے پیروں کے پاس ہی کارپٹ پر بیٹھی ملتجیانہ کہے جا رہی تھی۔

"بیٹا! مگر کیوں؟ تم جانتی تو ہو کہ بھابھی انکار کر دیں گی۔"

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے صوفے کی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے نشا سے استفسار کیا تھا جس پر وہ جوش سے کہتی اس کے پاس ہی آ بیٹھی۔

"آپ کو منع نہیں کر سکتیں مما۔ آپ جانتے تو ہیں بہت مانتی ہیں آپ کو وہ.... آپ کہیں گے تو ہرگز منع نہیں کریں گی۔ پلیز چچو۔"

نشا اس کے کندھے سے سر ٹکاتے ہوئے خوشامد سے بولی۔

"دلوا دیں اجازت چچو! بے چاری کی آخری خواہش ہے۔" نشا نے جھٹ آنکھیں دکھائی تھیں موحد کو۔ اس پر وہ کھل کر ہنسی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"آخری نہیں اسٹوپڈ۔ اس گھر میں آخری خواہش ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ وہ جو تمہاری سسرال ہے نا وہاں جا کر بندہ مرحوم ہونے کی تو خواہش کر سکتا ہے جینے کی نہیں۔ جبکہ تمہیں سارے ہی شوق ہیں

مکمل ناول

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

سوائے راہِ عدم سدھارنے کے۔" عزمی جانے کب وہاں آگیا تھا' آتے ہی دل جلانے والے لہجے میں بولا۔

"کیا کیا... دیکھ رہے ہیں آپ ان دونوں کو چچو۔" نشا بالکل ہی روہانسی ہو کر تیمور کی طرف پلٹی تھی۔

"عزمی! سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ چھوٹی بہن ہے تمہاری۔"

"چھوٹی ہے تو چھوٹی ہی رہے دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا تو۔ محترمہ کو ٹریفک سینس نام کو نہیں۔ ایک ذرا سی سڑک کراس کرنا پڑ جائے تو پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ ڈرائیونگ کریں گی۔ اونہہ این ایل سی کا ٹرک دیکھ کر تو آخری بار کلمہ پڑھ ڈالتی ہیں اور چلی ہیں ڈرائیونگ سیکھنے۔"

"چچو پلیز۔ اسے چپ کرائیے۔ میں مہمان ہوں اس گھر میں چند دنوں کی اور یہاں کسی کو میرا خیال نہیں۔"

وہ دوبارہ اپنی سابقہ پوزیشن پر آتے ہوئے کچھ ایسے درد بھرے لہجے میں بولی کہ وہ تینوں ہی چپ ہو گئے۔ چند دن بعد اس کی شادی تھی اور سب ہی جانتے تھے کہ گھر کی رونق ہی نشا ہے پھر کہاں کا لڑنا' کہاں کا جھگڑنا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ بات کروں گا بھابھی سے۔ اب تم لوگ یہی چاہتی ہو کہ بڑھاپے میں مجھے ڈانٹ پڑوا دو تو یونہی سہی..." وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا کیا بڑھاپا' یہ کس اندھے نے کہا ہے آپ سے' ارے میرے چچو جیسا اسمارٹ' ڈیشنگ اور گریس فل بندہ بھی کہیں ملے گا۔"

عزمی یکدم چلا اٹھا۔ جس کی مونا اور نشا نے بھی صد فیصد حمایت کی۔

"بالکل۔ بھلا تیس سال کی عمر بھی کوئی بڑھاپے کی عمر ہے۔"

"تیس نہیں تینتیس..." نشا کی تصحیح کرتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

ان تینوں کی پرستائش چاہت بھری نظریں اس پر تھیں' جو عمرِ عزیز کی تینتیس بہاریں دیکھنے کے باوجود آج بھی ویسا ہی تھا۔ مضبوط' توانا' سنجیدہ اور کم گو' البتہ ان تینوں کے لیے تیمور کی ایک قطعاً علیحدہ شخصیت تھی اور وہ شخصیت تھی ایک دوست کی' ایک ساتھی' ایک رفیق اور رہنما کی۔

"خیریت بھئی۔ تینوں اتنا مکھن کیوں لگا رہے ہو۔ لگتا ہے نشا کے ساتھ ساتھ تم دونوں کو بھی کچھ منوانا ہے مجھ سے۔"

اس نے قصداً مصنوعی تشکیک سے انہیں دیکھا تو وہ تینوں ہی بیک وقت چلا اٹھے۔

"اتنا لالچی سمجھ رکھا ہے آپ نے ہمیں۔ اب ہر کوئی نشا کی طرح تھوڑی ہوتا ہے۔" عزمی نے پھر سے نشا کو چھیڑ دیا تھا۔ جس پر وہ ایک بار پھر لڑ پڑی۔

مونا ان کے درمیان ثالث بننے کی کوشش کرتے ہوئے مصالحت کرانے کی جدوجہد کرنے لگی تو فون کی گنگناتی بیل پر تیمور کو ہی اٹھنا پڑا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو تیمور بیٹا!"

"اوہ آغا جان! السلام علیکم۔ خیریت آغا جان کیسے فون کیا آپ نے۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟"

آغا جان کی آواز پہچانتے ہی وہ کچھ پریشان ہو اٹھا تھا۔ کیونکہ فون کرنا ان کی روٹین کے خلاف ہی تھا۔

"ہاں۔ میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم کہو کیسے ہو؟"

"اچھا ہوں آغا جان۔"

"وہ تو تم ہمیشہ سے ہو۔" آغا جان کی ضعیف آواز میں شفقت کا خون بڑھانے والا مسرت آمیز تاثر تھا۔

"کیوں میرا وزن بڑھانے کے درپے ہیں آپ کہیں خوشی سے پھول ہی نہ جاؤں۔"

"سچ کہنے سے عار کیا بیٹا۔ بہرحال تم سے کچھ ضروری کام تھا اگر چند روز کے لیے ناران آ سکتے ہو تو آجاؤ۔" یکدم ہی ان کے لہجے میں سنجیدگی اور تفکر در آیا تھا۔ تیمور کچھ چونک سا گیا۔

"سب کچھ ٹھیک تو ہے آغا جان۔"

UrduPhoto.com

"سب ٹھیک ہے بیٹا! تم فکر نہ کرو۔ بس کچھ ذاتی نوعیت کا کام ہے۔ یہ بتاؤ آ سکتے ہو۔"

ان کے انداز میں رازداری اور قدرے عجلت محسوس کر کے وہ ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اگلے ماہ نشا کی شادی تھی اور آج کل آفس کی مصروفیات نے بھی اسے چکرا رکھا تھا' اس پر مستزاد موسم۔ پہاڑوں پر تو بالخصوص یہ موسم خاصا زحمت آمیز ہوتا ہے۔

"کیا بات ہے آغا جان! پلیز مجھے کچھ بتائیں' میں پریشان ہو رہا ہوں۔"

لب بھینچتے ہوئے بہت تشویش سے پوچھا۔

"بس بیٹا! یوں سمجھو' ایک امانت ہے میرے پاس جسے خطرہ لاحق ہے جتنی جلدی اسے کسی کو سونپ دوں' سکون مل جائے گا مجھے۔ تمہارے سوا کوئی قابلِ اعتبار نظر نہیں آیا تو تمہیں پکار لیا۔ کہیں انکار تو نہیں کرو گے؟"

"اوہ کمال کرتے ہیں آغا جان! آپ نے تو مجھے اعزاز بخشا ہے۔ میں اگر آپ کے ہی کام نہ آ سکا تو کس کام کی یہ زندگی۔"

وہ بے ساختہ اپنائیت اور رواداری سے بولا۔ لہجے میں سچ کی کھنک اور خلوص کا جوہر تھا۔

"نہیں بیٹا! تمہارے ساتھ ایک بار بہت بڑی زیادتی کر چکا ہوں' اس خیال سے۔"

"پلیز آغا جان! گڑے مردے اکھاڑنے سے اب کچھ حاصل نہیں۔ جو میں بھول چکا ہوں اب آپ بھی ذہن سے مٹا ڈالیں پلیز۔" ان کی بات سرعت سے قطع کرتے ہوئے وہ یکدم ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ لفظ لفظ سے سنجیدگی اور چہرے سے ضبط کا اظہار ہو رہا تھا۔

آغا جان کو بھی غالباً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا جب ہی لمحے بھر کے لیے چپ سے ہو گئے۔

"تو بس ٹھیک ہے۔ آپ مطمئن رہیں اگلے ہفتے پہنچ رہا ہوں میں۔ دراصل آج کل سعادت بھائی بھی شہر سے باہر ہیں' اس لیے بھابھی اور اماں سے اجازت نہیں ملے گی۔"

گہری سانس بھر کر اس نے لہجے میں قصداً کوشش کر کے بشاشت بھری اور بولا تو نشا کی شادی وغیرہ کے متعلق ادھر ادھر کی باتیں کر کے آغا جان نے فون بند کر دیا۔

آغا جان جو اس کے اور سعادت بھائی کے دادا تھے۔ آج بھی ناران کے قریبی دیہات میں رہائش پذیر تھے جسے اس واقعے کے بعد بابا جان اور اماں چھوڑ آئے تھے' جس نے تیمور علی جاہ کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا۔

"کس کا فون تھا چچو؟" مونا کی تیز آواز نے یکدم اسے خیالات کی یورش سے باہر نکالا تو وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"آغا جان کا۔"

مختصر جواب دے کر وہ رکا نہیں اور مونا کو مزید سوال کرنے کا موقع دیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

بھابھی اور اماں جانے کس کی طرف گئے ہوئے تھے اور ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر نشا نے اپنی فرمائش اس تک پہنچا دی تھی جو کہ آغا جان سے بات کرنے کے بعد اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی اور فقط کیوں کا سوالیہ نشان اس کے خیال کے پردے پر آ بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

آفس پہنچتے ہی اس نے اگلے ہفتے کی چھٹی کنفرم کرائی اور ایک بار پھر اسی خیال میں ڈوب گیا کہ آخر آغا جان نے اسے کس لیے بلایا۔ ایسی کون سی امانت ہے جو وہ صرف اسے ہی سونپنا چاہتے ہیں۔

شام کو وہ گھر پہنچا تو نشا چائے اور اپنے ڈرائیونگ سیکھنے کے مطالبے کے ساتھ موجود تھی۔

"مطلبی لڑکی! تم چچو کو چائے نہ بھی دیتیں تب بھی سفارش ہو جانی تھی تمہاری۔" عزمی حسبِ معمول چھلاوے کی طرح آوارد ہوا تھا۔ نشا کی جان جل کر رہ

گئی۔

بھابھی اماں کے کمرے میں ہی موجود تھیں' وہ وہیں چلا آیا۔ جانے ان دونوں کے درمیان کیا موضوع زیر بحث تھا کہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ وہ سلام کر کے اماں کے پاس ہی تخت پر ٹک گیا۔

"خیریت تیمور! آج بڑی دیر لگا دی تم نے؟" بھابھی نے اس کے تھکے ہوئے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے تردد سے پوچھا۔

"ہاں بس آج فیلڈ پر چلا گیا تھا' وہیں دیر ہو گئی۔"

"تھک گئے ہو تو نہا لو جا کر' تازہ دم ہو جاؤ گے۔" اماں نے مشورہ دیا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"ہوں اور پھر ہماری باتوں کو ٹھیک سے سن اور سمجھ سکو گے۔"

بھابھی نے مسکرا کر معنی خیزی سے لقمہ دیا تو وہ الجھی ہوئی نظروں سے اماں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی متبسم سی پان کی گلوری بنا رہی تھیں۔

"خیریت۔ ایسا کیا کہنا ہے آپ کو کہ اس کے لیے اتنے تردد کی ضرورت ہے۔"

"لو بھلا ہم کون سا تردد کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ بلکہ ہم تو وہ بندوبست کر دیں گے کہ گھر میں آتے ہی فریش ہو جایا کرو گے بنا کسی کوشش کے۔"

بھابھی کی رکی ہوئی مسکراہٹ پھر لبوں پر پھسلنے لگی تو وہ اچنبھے میں پڑ گیا۔ ذرا سا ذہن پر زور دیا تو بات کا پس منظر خود بخود سمجھ میں آ گیا۔ مگر اس نے قصداً سر جھٹک دیا۔

"اچھا اس بات کو چھوڑیں۔ میں نشا کے لیے آیا تھا۔ اسے ڈرائیونگ کی اجازت دے دیں بھابھی! بہت سمجھ دار ہے وہ۔ کوئی پریشانی نہیں ہو گی آپ کو۔"

ان کی بات اس نے یوں نظر انداز کر دی تھی جیسے سنی ہی نہ ہو۔

"بہت سمجھ دار تو وہ بھی ہے بیٹا! تمہیں بھی کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

اماں نے بیچ میں سے ہی بات کا رخ موڑ دیا تھا' وہ سنجیدہ اور قدرے بیزار نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ جنہوں نے وہ پر بالخصوص زور دیا تھا۔

"کون سمجھ دار ہے۔ کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟"

"ارے وہی اظفر صاحب کی بیٹی۔ ارے بیٹا! بڑی سوہنی بچی ہے۔ پھر کئی جماعتیں بھی پڑھ رکھی ہیں اس نے۔ وہ اللہ جانے کیا کہتے ہیں اسے۔۔۔"

"ایم کام اماں!" اماں نے سر پر ہاتھ مارا تو بھابھی نے فوراً لقمہ دیا۔

وہ انتہائی سنجیدگی سے دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ چہرے پر لکھا انکار صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

"پھر اکلوتی اور کئی گنوں والی۔ تمہاری ہم عمر ہی ہو گی۔ سچ بیٹا! مجھے تو بے حد پسند ہے۔" اماں سرخوشی کے عالم میں اس کے اوصافِ حمیدہ گنوا رہی تھیں۔ وہ جھلانے لگا۔

"مجھے اپنے لیے اب کچھ نہیں سوچنا اماں! اب تو میرا بھتیجا جوان ہو گیا ہے۔ اب شادی کرتا میں خاک اچھا لگوں گا۔ کیوں مجھے شرمندہ کروانے پر تلی ہوئی ہیں آپ۔"

"اوئی ماں! دیکھ رہی ہو زاہدہ! یہ لڑکا مجھے کس طرح پریشان کر رہا ہے۔" اماں بدک کر بھابھی سے شکایت کرنے لگیں۔

"اُفوہ۔ بھئی میں نشاء کی بات کر رہا تھا۔"

"اور ہم ردا کی بات کر رہے تھے۔" بھابھی نے اسی تسلسل سے ٹکڑا لگایا۔

"اماں پلیز۔ سمجھائیے بھابھی کو۔"

"اسے تو رہنے دو بیٹا! تم پہلے خود تو سمجھو۔ حقائق سے نظر چرانے کا انجام صرف پچھتاوا ہوتا ہے۔ گزرے دنوں کی غلطیوں کو بھلا کر ہی آنے والے وقت کا استقبال کیا جاتا ہے۔ تمہارے آغا جان کا کیا آج تک ہم۔۔۔"

"اماں پلیز' آغا جان کو مت گھسیٹا کریں ہر بار۔ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

اماں کی بات پر اس کا لہجہ سخت ہو گیا تھا' ماتھے کی رگیں یکدم تن گئی تھیں۔

"کیوں نہیں تھا ان کا قصور' لے کر سب سے تک چڑھی اور سرکش لڑکی تمہارے سر تھوپ دی۔" اماں کے حرف حرف سے تنفر ہویدا تھا۔

"آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ ایسا نہیں تھا۔ آغا جان نے میرا رجحان دیکھا تھا۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔ کیونکہ حقیقت یہ تھی۔ انہوں نے تو اس کا بھلا ہی چاہا تھا۔

"تو پھر اس کا رجحان بھی دیکھ لیتے۔ وہ جہاں نظریں لگائے بیٹھی تھی کس کو معلوم نہیں تھا۔ سب جانتے تھے وہ بھی۔۔۔"

"وہ میرے بچپن کی منگ تھی اماں! اور آگے جا کر کون کس رنگ میں رنگ جائے گا' اس کا آغا جان کو کچھ پتا نہیں تھا۔ بعد میں بھی بس میری خاطر انہوں نے باقاعدہ فیصلہ کیا تھا۔ ورنہ پری چہرہ کی ناپسندیدگی کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا۔"

"پھر بھی انہوں نے تمہارا ماتھا اس سے پھوڑ دیا۔" اماں چیخیں۔

"صرف میری خاطر اماں۔"

"یہ تمہاری حماقت ہے بیٹا! درحقیقت انہوں نے تمہیں اپنا سگا پوتا مانا ہی نہیں۔ مانتے بھی کیسے۔ تمہارے بابا تمہارے آغا جان کے نہیں تمہاری دادی کے بیٹے تھے۔ وہ بیوہ تھیں جب تمہارے آغا جان نے ان سے بیاہ کیا تھا۔ تمہارے بابا کو انہوں نے چاہا تو تھا مگر جب ان کا اپنا بیٹا اس دنیا میں آیا تو دلوں میں بٹوارے ہو گئے تھے۔ پھر میں بھی غیر خاندان اور دوسرے شہر کی تھی۔"

اماں حسب عادت اپنی ہی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔ تیمور کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو گئیں۔ اماں کی ان ہی باتوں پر ہمیشہ اسے غصہ آ جاتا تھا۔

"اماں پلیز' جو بات کبھی بابا نے ۔۔۔ نہیں سوچی' وہ آپ بھی مت کیا کریں۔ بابا اور آغا جان کی محبت اچھی طرح جانتا ہوں میں۔ چاچا جی کے مقابلے میں انہوں نے ہمیشہ بابا کو اہمیت دی۔"

"مگر بہوؤں میں انہوں نے ہمیشہ تمہاری چاچی کو امتیازی حیثیت دی۔"

"اس کی وجہ ہے اماں! چاچی ان کی بھانجی بھی تھیں۔ فطری محبت کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

"بس یہی تقاضے پورے کیے انہوں نے۔ سگی بھانجی اور سگے بیٹے کی اولاد کی بھلائی میں ہمارے سروں پر خاک ڈلوا دی۔" اماں کے سینے سے آج بھی دھواں اٹھتا تھا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے چپ سا ہو گیا کہ بہرحال یہ موضوع تھا ہی اس قدر حساس۔ پری چہرہ کا وہ عمل آج بھی سینوں میں خنجر کی طرح گڑا تھا۔ تیمور کا سرخ ہوتا چہرہ جھک سا گیا جس پر اماں کا دل یکدم پسیجا تھا۔ بھابھی بالکل خاموش سامع تھیں اس وقت۔

"تم دل چھوٹا نہ کرو بیٹا! رات گئی بات گئی۔ اب تو اس بات کو بھی تیرہ برس گزر چکے ہیں۔ قسمت میں ہوتا تو

ماہنامہ
عمران ڈائجسٹ
کراچی
دنیا بھر کی
منتخب و دلچسپ
کہانیاں
پیش کرتا ہے
دلکش تحریروں کا مجموعہ
تھکے ذہنوں کا سامان
ہر ماہ کی
25 تاریخ
کو شائع ہوتا ہے
عمران ڈائجسٹ
اردو بازار • کراچی

UrduPhoto.com

اب تک بال بچوں والے ہوتے۔ تمہارے خاندان میں واحد تم ہو جو اس عمر تک کنوارے پھر رہے ہو۔ سعادت کی تو میں نے بیسویں برس میں ہی کروالی تھی شادی۔ آج دیکھو، بچے جوان ہو رہے ہیں اور وہ اب تک چاق و چوبند ہے۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے بیٹا! شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔"

"وہ عمر اب گزر چکی ہے اماں! آپ پلیز اس موضوع کو یہیں ختم کردیں۔" وہ بیزاری سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تو اماں اور بھابھی پریشان ہو گئیں۔

"کیسے ختم کردوں بیٹا! اظفر میاں سے بات کر چکی ہوں میں۔"

یکدم انہوں نے نیا بم بلاسٹ کیا تھا۔ تیمور کے باہر کی طرف اٹھتے قدم بری طرح رکے تھے۔ چہرے پر انتہائی غضب نمودار ہوا۔ اسے اماں سے یہ امید نہ تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں! آپ نے میری رضا جانے بغیر، میرے منع کرنے باوجود ایسا کر ڈالا؟" اس کا جلال لہجے سے مترشح تھا۔ بھابھی حد درجے خفیف نظر آرہی تھیں۔ تھیں تو اماں بھی قدرے ڈری ہوئی کیونکہ اس کے تیور انتہائی کشیدہ تھے۔

"میں تیری ماں ہوں میرے چاند! کیسے تجھے یوں بھٹکتا دیکھوں۔ آخر میرے بھی تو کچھ ارمان ہیں۔ کیا تیری اولاد کو گود میں کھلانے کے خواب دیکھتے دیکھتے ہی منوں مٹی تلے سو جاؤں گی میں۔"

اماں اب آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ ان کی جذباتیت پر تیمور حسب معمول قدرے نرم پڑ گیا۔

اپنی ماں سے بھی واقف تھا وہ اور ان کی محبت سے بھی۔ پری چہرہ کی شادی کے بعد سے اب تک انہوں نے ایک سے ایک لڑکی تلاش کی تھی اس کے لیے مگر اس کا دل راغب نہ ہو سکا۔ وجہ پری چہرہ کی محبت یا انسیت نہیں تھی بس اپنے ٹھکرائے جانے کا قلق تھا جو دھیرے دھیرے تنفر اور پھر خود اذیتی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

گزرے تیرہ برسوں میں اماں نے اس پر اپنا ہر داؤ آزمایا تھا۔ محبت، سختی، نرمی، عاجزی، غصہ، بلیک میلنگ مگر وہ ہر بار خود کو بچا جاتا۔

"پلیز اماں! ایسی بات مت کیا کریں۔ آپ کو تو ابھی کئی سو سال زندہ رہنا ہے۔"

اپنے مضبوط بازوؤں میں اماں کے کمزور، نحیف اور ضعیف وجود کو بھرتے ہوئے وہ قصداً" مسکرایا۔

"کس واسطے بیٹا؟ کیا دیکھنے کے لیے؟" اماں نے پھر اسے پکڑا تھا۔

"عزمی کے بچے کھلانے کے لیے اماں! سعادت بھائی کے پوتے پوتیاں کھیلیں گے ابھی آپ کی گود میں۔" وہ انہیں بہلا رہا تھا۔

تمہاری اولاد ہوتی تو پوچھتی بیٹا! تب ہی جانتے کہ یہ سب کہنا اور بات ہے۔ اولادیں اگر دس بھی ہوں تو سب کی اپنی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔"

اماں بہت دل گیری سے کہہ رہی تھیں۔

"میرے بھتیجے بھتیجیاں میری اولاد جیسے ہی ہیں اماں! مجھے کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ اب تو داماد بھی آنے والا ہے۔ مجھے تو آپ بخش ہی دیں۔"

"اور اظفر صاحب کو کیا جواب دیں ہم؟" بھابھی کافی دیر بعد بولی تھیں۔ اس کے ماتھے پر شکنیں در آئیں۔

"میں کسی کی بددعائیں نہیں چاہتا بھابھی! ان کی اکلوتی اولاد کا دکھ ان کا نصیب بنا دوں۔ یہ مجھے گوارا نہیں۔ ان سے معذرت کرلیں۔ ایک بار یہ تکلیف اٹھالیں۔ نہیں تو ساری زندگی معذرتیں کرتے ہی گزرے گی۔"

بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں اور کھلے دروازے سے تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

اماں کو دکھ دینے کا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا مگر صرف ان کی خوشی کی خاطر وہ ایک لڑکی کی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

خوشی جب اس کے اپنے پاس نہیں تھی تو وہ اسے بھلا کیا دیتا۔ محض تشنگی، تنہائی اور تاسف۔ اماں کو منایا جا سکتا ہے مگر روٹھی ہوئی تقدیر اور بگڑے ہوئے دل کو نہیں اور یہی سوچ کر وہ انہیں انکار کر آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماحول کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی پرسوں ناران جانے کا کسی سے نہ کہہ سکا۔ بالخصوص اماں آج کل اتنی حساس ہو رہی تھیں کہ آغا جان کا نام سنتے ہی بدک جاتیں۔ انہیں بمشکل اس نے سمجھایا تھا، دوبارہ شادی کے لیے بضد ہو جاتیں تو انہیں روکنا مشکل ہو جاتا للٰہذا بھابھی اور سعادت لالہ کو ہی بتا کر جانا چاہتا تھا وہ مگر فی الوقت موقع ہی نہ مل سکا۔

دوسری صبح ناشتے پر اتفاقاً" سعادت لالہ اکیلے ہی تھے۔ اس نے انہیں اور بھابھی کو مختصراً" یہی بتایا کہ اسے کسی کام سے اسلام آباد جانا ہے للٰہذا کل کے لیے پیکنگ کروادیں اور آفس چلا آیا۔ انہیں زیادہ سوال جواب کا موقع اس نے قصداً" نہیں دیا تھا۔ مگر کب تک ٹال سکتا تھا انہیں۔ واپسی پر اماں اس کی تفتیش پر آمادہ نظر آرہی تھیں۔

"کہاں جانا ہے؟"

"اسلام آباد اماں۔" وہ اپنا ضروری سامان مونا کو دے رہا تھا جو پیکنگ کر رہی تھی۔

"کیوں کیا کام ہے وہاں۔"

"میرے دوست نے بلایا ہے۔ اسے کچھ پرسنل کام ہے مجھ سے۔" وہ اماں سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

"کب تک لوٹو گے؟" انہیں فکر لگی تھی۔

"دو تین دن لگ سکتے ہیں۔ شاید زیادہ بھی ہو جائیں۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا اور اماں کی طرف پلٹا تو انہیں متفکر پایا۔

"کیا بات ہے۔ کیوں پریشان ہوتی ہیں اماں! اسلام آباد کوئی دور تو نہیں۔ چند گھنٹوں کی تو ڈرائیو ہے پنڈی سے۔" ان کے پاس آکر بیٹھتے ہوئے اس نے اماں کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا دیا۔ بابا کے انتقال کے بعد سے اماں بہت وہمی ہو گئی تھیں۔

"اپنا خیال رکھنا بیٹا۔ تم دن بدن لاپروا ہوتے جا رہے ہو خود سے۔ کھانا پینا ڈھنگ سے۔ مجھے فکر رہے گی۔" اماں اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں تو وہ ان کی ممتا بھری شفقت پر مسکرا دیا اور ان کا ہاتھ لبوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں اماں! انشاء اللہ میری طرف سے کوتاہی نہیں ہوگی۔ کھانا پینا اور سونا سب وقت پر ہوگا کہیں تو حلف اٹھالوں۔"

سنجیدہ چہرے پر گہری مسکراہٹ بہت سجتی تھی۔ اس پر اماں نے نظر اتارنے والی نظروں سے اسے دیکھا اور متبسم لبوں سے اس کا ماتھا ایک بار پھر چوم لیا۔

☆ ☆ ☆

پنڈی سے بالاکوٹ تک کا سفر تو جیسے اس نے غائب دماغی کی حالت میں ہی کیا تھا۔ جانے کیا کچھ تھا جو لاشعور کے پردے سے نکل کر حافظے کا حصہ بنتے جا رہا تھا۔

جیپ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا وہ ایک بار پھر خیالات کے ہجوم سے باہر نکلا۔ بالاکوٹ کا علاقہ بہت پیچھے رہ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی شاہ اسمٰعیل شہید کا مزار بھی۔ جس کے گرد پتھروں اور چٹانوں کا عجیب سا ہجوم ہے۔

جرید کی طرف جاتے ہوئے اخروٹوں کے تناور درختوں اور چیڑ کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ہر بار جب وہ لاہور سے واپس ناران چھٹیاں گزارنے جاتا تھا تو اس جگہ سے بابا جان اکثر کچھ نہ کچھ خریدتے تھے۔ یہاں کا اخروٹ کی لکڑی سے بنا فرنیچر اماں کو بہت پسند تھا۔

کاغان کی وادی شروع ہوئی تو جرید کا حسن پیچھے رہ گیا اور کاغان کی خوب صورتی راستے میں در آئی۔ دریائے کنہار پتھروں اور چٹانوں پر سر پٹخ رہا تھا اور وہ ہزاروں فٹ کی بلندی پر اپنی جیپ چلاتے ہوئے گم تھا۔

جوں جوں وہ کاغان کے دیہاتوں سے قریب ہوتا چلا گیا، گوجروں کے قافلے نظر آنے لگے۔ یہاں کے چھوٹے چھوٹے کچے پکے گھر چٹانوں کی اوٹ سے نظر

UrduPhoto.com

نہیں آ رہے تھے تاہم سیدوں اور جدونوں کی کوٹھیاں اپنی لہریا چھتوں اور رنگین دیواروں کے باعث نمایاں تھیں۔

گوجروں کے قافلے میدانوں سے واپس پہاڑوں کی طرف جا رہے تھے۔ سردیوں میں یہ گوجر پیادہ مانسہرہ، نوشہرہ، بالاکوٹ اور حویلیاں تک پہنچ جاتے تھے کچھ تو پنڈی تک بھی جاتے تھے۔ مگر جونہی گرمیاں دبے پاؤں میدانوں میں در آتیں یہ قافلے اپنے آبائی ٹھکانوں کی طرف بڑھنے لگتے تھے۔ کاغان میں کچھ دیر رک کر اس نے دوپہر کا کھانا کھایا اور دوبارہ عازمِ سفر ہوا۔

بقول اشفاق احمد پہاڑوں میں کھوئی ہوئی محبتیں اور بھولی ہوئی یادیں پھر لوٹ آتی ہیں۔ جس طرح بارش کے دنوں میں باہر بوندیں پڑتی ہیں تو انسان کے اندر بھی بارش ہونے لگتی ہے۔ اوپر سے تو ٹھیک رہتا ہے لیکن اندر سے بالکل بھیگ جاتا ہے اس قدر شرابور کہ آرام سے بیٹھنے کی کوئی جگہ خالی نہیں رہتی یہی کیفیت پہاڑوں میں جا کر ہوتی ہے۔ اداسی کی دھند انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ اندر آہستہ آہستہ اندھیرا چھانے لگتا ہے اور باہر کہیں بھی دھوپ کیوں نہ کھلی ہو کیسی ہی ٹھنڈی ہوائیں کیوں نہ چل رہی ہوں، اندر ٹاپ ٹاپ بوندیں گرنے لگتی ہیں اور شدید بارش ہو جاتی ہے۔

تیمور علی جاہ کے اندر بھی ایسی ہی بارش کی جھڑی لگ گئی تھی۔ ناران کا علاقہ جونہی نزدیک آیا۔ ساری یادیں سانپ کی مانند پٹاری سے باہر آ بیٹھیں۔

پری چہرہ سے اس نے واقعی محبت کی تھی، ایسی محبت جو پہلے انسیت پھر ملکیت کے احساس اور پھر چاہت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ گو کہ وہ اس سے چند ماہ بڑی تھی اور اکثر اس بات کا طعنہ بھی دے جاتی تھی مگر تیمور علی جاہ کا دل ہمہ وقت اس ایک زنجیر سے بندھا رہتا تھا جس سے آغا جان نے اسے اور پری چہرہ کو باندھ دیا تھا۔

”پری چہرہ تمہاری منگ ہے تیمور! ایک دن تمہیں اسے بیاہنا ہے۔“

یہ جملہ ہزاروں بار کہا گیا تھا اور ہر بار ہی اس کا نقش گہرا ہوتا گیا۔ جب لاہور میں بابا اسے ہاسٹل میں داخل کر آئے تو بھی وہ اداس ہوا تھا۔ اسے ناران کی گلیاں، اس کے پتھر، اس کا دریائے کنہار اور اس کی جھیل سیف الملوک یاد آتی جسے دیکھنے وہ کئی بار آغا جان اور بابا کے ساتھ جا چکا تھا۔ سعادت بھائی اس سے تیرہ سال بڑے تھے جب وہ سات سال کا ہوا تو زاہدہ بھابھی سے ان کی شادی کر دی گئی اور وہ ہمیشہ کے لیے پنڈی شفٹ ہو گئے جہاں بابا نے انہیں فرنیچر کا بزنس سیٹ کر دیا تھا یوں بھی زاہدہ بھابھی کا میکہ پنڈی میں تھا۔

چاچا شیر علی کی سب اولادیں اس سے بڑی تھیں حتیٰ کہ پری چہرہ بھی گو کہ یہ فرق صرف سات ماہ کا تھا مگر وہ تھی بڑی۔ آغا جان نے کبھی بھی بابا اور چاچا شیر علی کو ایک دوسرے سے کم نہیں جانا تھا۔ اسی لیے ان کی خواہش پر اماں اور بابا نے پری چہرہ سے اس کی نسبت ٹھہرائی تھی۔

انٹر پاس کر کے ابھی وہ انجینئرنگ میں داخلے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے خط ملا۔ بابا نے لکھا تھا کہ انہوں نے اس کی شادی اچانک طے کر دی ہے۔ حیرت کی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ یہ بات تو عرصے سے طے تھی تاہم وہ ابھی پڑھنا چاہتا تھا لیکن بابا کی بات سے اختلاف کی کوئی گنجائش بھی نہ تھی۔

پری چہرہ کا حسین چہرہ نگاہوں میں بسائے جس وقت وہ ناران پہنچا شادی کا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ پری چہرہ اپنے خالہ زاد شیر باز کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

”شیر باز۔“

وہ برآمدے میں ہی کھڑا رہ گیا تھا۔ شیر باز اس کا دوست، اس کی محبت اور جنون سے واقف اور پری چہرہ اس کی چاہت، اس کا اولین خواب۔

”مگر شیر باز تو شادی شدہ تھا آغا جان! اس کی تو ایک عدد بیٹی بھی...“

”ہاں سب کچھ تھا مگر اس کے پاس بہت دولت بھی تھی بیٹا۔ پری چہرہ تم سے شادی پر رضامند نہ تھی۔ اس

نے یہاں بہت شور مچایا تھا۔“ اماں نے اسے پھٹی پھٹی آنکھوں اور ڈوبتی ہوئی آواز میں آغا جان کی طرف متوجہ دیکھا تو بات کاٹتے ہوئے انتہائی دکھ اور تنفر سے بولیں۔

”کیا یہ سچ ہے آغا جان؟“ اس کی نظریں سوال کر رہی تھیں۔ آغا جان، چاچا شیر علی اور چاچی کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ بابا بہت آزردہ تھے۔

سب کے جھکے ہوئے چہرے اور جھکے ہوئے سر دیکھ کر وہ بھی جیسے نڈھال ہو گیا۔ ہاتھ سے تھیلا گرا تو چوڑیوں کے ساتھ ساتھ بہت کچھ ٹوٹ گیا۔ محبت کا ماتم جو کرنا تھا سو کرنا تھا اس کی غیرت پر بہت بڑا تازیانہ پڑا تھا۔ جسے وہ اب تک نہ بھلا سکا تھا۔

اس کے بعد بابا اور اماں وہاں نہ رہ سکے اور پنڈی چلے آئے۔ اس کا دل ہمہ وقت جلتا تھا، بدلے کی آگ میں بھسم ہوتا تھا مگر کہتے ہیں وقت بڑا مرہم ہے۔ سعادت بھائی اور بابا نے اسے بہت سہارا دیا۔ اس کے مارکس اچھے تھے۔ انجینئرنگ کالج میں ایڈمشن مل گیا تو زندگی کو جیسے ایک نیا رخ، ایک نیا موڑ مل گیا۔

پانچ سال پڑھائی میں مشغول رہنے کے باوجود پری چہرہ کی بے وفائی اور شیر باز کی دغا اس کے اندر گیلی لکڑی کی مانند چٹختی تھی۔ ایک ہوک سی کراتی رہتی اپنے اس نقصان کا دکھ وہ آج تک بھول نہیں سکا تھا۔

کچھ عرصے جاب کرنے کے بعد اس نے اماں کے تقاضوں سے گھبرا کر لندن میں ایم ایس کے لیے اپلائی کر دیا اور جوں ہی اسے وہاں ایڈمیشن ملا، وہ سب کے روکنے کے باوجود وہاں چلا آیا۔ تین سال کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ اسے یہاں اچھی جاب بھی مل گئی مگر بابا کے انتقال نے اسے واپس لوٹ آنے پر مجبور کر دیا۔

اس روز وہ بے اختیار رو دیا۔ بابا کے آخری وقت میں وہ صرف اس لیے ان کے پاس نہیں رہ سکا کہ اپنے ماضی کو بھول جانے کی خواہش میں وہ دیارِ غیر میں خاک چھان رہا تھا۔

شیر باز اور پری چہرہ کے لیے جو نفرت اس نے آٹھ سال پہلے محسوس کی تھی، وہ اس روز کئی گنا بڑھ گئی۔

محبت کی جگہ جب نفرت دل میں در آئے تو نرمی، حلاوت اور تحمل جذبوں کی نازک کونپلیں جڑ سے اکھڑ جاتی ہیں۔

محبت کی آگ سلگ کر بجھ گئی تھی اور اس پر کئی برسوں کے گزرتے لمحات نے ایک راکھ کی تہہ جما ڈالی تھی مگر آج کئی برس بعد یادوں کے ایک جھونکے سے وہ راکھ اڑ گئی تھی اور انگارے پھر سلگنے لگے تھے۔

وہ ساڑھے آٹھ سال بعد اس طرف آیا تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد اماں نے تو کبھی مڑ کر بھی یہاں کے باسیوں کو نہ پوچھا۔ ان کا اپنا میکہ صرف ایک بھائی سے آباد تھا جو خود کراچی چلے گئے تھے۔ سسرال میں سگا کون تھا۔ بابا کے انتقال کے بعد تو بس وہ ہی تھا جسے ناران اور آغا جان یاد تھے۔ جن سے وہ خط و کتابت کے ذریعے تعلق استوار رکھے ہوئے تھا۔ اماں گو کہ دل سے یہ بات پسند نہیں کرتی تھیں مگر محبت کے معاملے میں اس کی جنوں خیزی سے بھی واقف تھیں سو چپ ہی رہتیں، تاہم آغا جان کی طرف سے ان کے دل میں جو بال آ چکا تھا، اسے نکالنے کی انہوں نے چنداں کوشش کی نہ ضرورت سمجھی۔

بلند و بالا درختوں والا ناران اونچی اونچی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔ جھیل سیف الملوک سے منسلک جنتی پریوں کی کہانیاں تھیں بچپن میں اسے لگتا تھا سب سچ ہیں مگر جو خود اس پر بیتی تھی، وہ ان سب کہانیوں، داستانوں سے جدا تھی۔

آغا جان کا گھر وہ آج بھی آنکھ بند کر کے تلاش کر سکتا تھا۔ اونچے لکڑی کے مضبوط دروازے سے جس لمحے وہ اندر داخل ہوا، تھکن اور یادوں کی مسافت نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔ کئی سال بعد اتنی طویل اور مسلسل ڈرائیو کی تھی جس نے تھکان سے اسے شل کر ڈالا تھا۔

دالان سے اندر جانے والے محرابی ستونوں سے گھرے برآمدے تک پہنچتے پہنچتے وہ وہیں رک گیا جہاں آج سے تیرہ برس پہلے پری چہرہ کی بے وفائی کی خبر سن کر اس کے قدم ٹھٹھک گئے تھے۔

UrduPhoto.com

"کون ہے؟"

دروازہ کھلنے کی آواز نے غالباً" آغا جان کو متوجہ کیا تھا۔ بے انتہا نحیف آواز اور کمزور جسم والے وہ آغا جان تھے' وہ انہیں دیکھ کر کتنے ہی لمحے یقین نہ کر سکا۔ اندرونی دروازے سے باہر آتے ہوئے انھوں نے اپنی رعشہ زدہ انگلیوں سے اسٹک تھام رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ کا آنکھوں پر چھجا بنائے وہ اس کی طرف بڑھے۔

"میں ہوں تیمور' آغا جان۔"

اسے اپنی آواز خود ہی اجنبی لگی تھی اس لمحے مگر آغا جان کے خمیدہ جسم نے اس آواز پر یوں جھٹکا کھایا جیسے وہ ناامید ہو چکے تھے کہ اب کبھی تیمور سے مل سکیں گے۔

"تیمور۔۔۔!" خوشی اور بے یقینی سے ان کی آواز بھی مرتعش ہو گئی۔ انھوں نے اپنے نحیف بازو اس کے لیے وا کر دیے تھے اور وہ جو صدمے کی حالت میں انہیں دیکھ رہا تھا' بمشکل ان تک قدم اٹھا سکا۔

"تیمور! میرے بیٹے۔"

آغا جان اس کے اونچے' لانبے اور مضبوط جسم کو اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے بے ساختہ آبدیدہ ہو گئے تھے۔ نمی تو اس کے اندر بھی دور تک پھیلی تھی۔ آغا جان کو اس حالت میں دیکھنے کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ وہ بھی عمر اور وقت کا شکار ہوئے ہوں گے۔ گزرتے لمحوں نے ان پر بدترین نشانات چھوڑے تھے۔

"کیسے ہو تم؟" انھوں نے اس کے توانا وجود کو خود سے بمشکل علیحدہ کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ مگر آپ۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے آغا جان؟"

"بس بیٹا! بڑھاپا اور دکھ بری بلا میں ہیں۔ یوں بھی تمہیں دیکھ کر تو اپنے بڑھاپے کا یقین سا آنے لگا ہے مجھے۔" وہ بہت مدھم سا مسکرائے تھے۔ بجھی بجھی سی مسکراہٹ اسے حزن و ملال کا عکس لگی۔ البتہ اس کی طرف اٹھنے والی نظروں میں ستائش تھی۔

"چلو آؤ' اندر آجاؤ۔ تھک گئے ہو گے۔ مسافت بھی تو لمبی ہے۔"

وہ اسے ساتھ لیے اندر آنے لگے۔

"مسافت تو بہت لمبی ہے آغا جان! سالوں پر محیط' زمانوں پر پھیلی ہوئی۔"

اس کے لب بلا ارادہ جنبش کر گئے تھے۔ آغا جان نے ٹھٹک کر بے حد تردّد اور دکھ سے اسے دیکھا۔ ان کی نظریں کہہ رہی تھیں۔

"تو تم اب تک کچھ بھلا نہ سکے تیمور۔"

"کیا وہ سب کچھ بھلایا جا سکتا ہے آغا جان؟" اس کا جواب بھی آنکھوں میں ہی تحریر تھا۔

بیٹھک سے اندر آتے ہوئے وہ اسے اس کمرے میں لے آئے جہاں کبھی سعادت بھائی اور وہ رہا کرتے تھے۔ کمرے کی مجموعی حالت میں کوئی خاص فرق نہ تھا' وہی اخروٹ کی لکڑی سے بنا فرنیچر۔ بڑے بڑے پایوں والی مسہری اور مشرق کی طرف کھلنے والی بڑی بڑی لکڑی کی منقش کھڑکیاں۔

"ان کھڑکیوں سے اب بھی طلوع ہوتا آفتاب نظر آتا ہے آغا جان؟"

کتنی ہی دیر خاموشی ان کے درمیان بولتی رہی تو اس نے پوچھا۔ لہجے میں عجیب سی یاسیت اور دکھ تھا' آغا جان جواب دینے کے بجائے اس کے پاس ہی مسہری پر آبیٹھے۔

"ہاں بیٹا! آفتاب تو اب بھی طلوع ہوتا ہے نظر بھی آتا ہے۔ ہاں مگر وہ حسن نظر نہیں رہا۔ وہ عہد رفتہ نہیں رہا۔ کرنیں بھی مدھم لگتی ہیں اور اجالا بھی۔ یا شاید یہ سب بھی بڑھاپے کی مہربانیاں اور کرم فرمائیاں ہیں۔"

"چاچا شیر علی کی پوری فیملی شفٹ ہو گئی ہے یہاں سے؟"

ڈیوڑھی کے اس طرف والا پورشن سنسان نظر آ رہا تھا' وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"شیر علی اور اس کی بیوی تو تین سال ہوئے سڑک پر حادثے کا شکار ہو گئے۔ اب تو بس نازک پری ہی ادھر

UrduPhoto.com

رہتی ہے۔ زوار بھی لاہور چلا گیا اپنے بیوی بچوں کے ساتھ۔" انھوں نے پری چہرہ کے بہن بھائیوں کا ذکر کیا۔

"اوہ!" اس کے اندر ہوک سی اٹھی پھر لاہور کا سن کر ٹھٹک گیا۔

"پری چہرہ کے پاس؟"

باوجود کوشش اور ضبط کے تنفر اور بے گانگی کا کانٹے دار احساس اس کے لہجے کو چھو گیا تھا۔ آغا جان نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے سوال میں لاتعلقی تھی۔

"نہیں۔ کیونکہ شیر باز اور پری چہرہ بھی شیر علی کے ساتھ ہی جیپ میں سوار تھے۔" آغا جان کا مضمحل لہجہ درد سے چور تھا۔

"او مائی گاڈ!"

اسے لگا جیسے ساتوں آسمان یکدم گردش میں آ گئے ہوں۔ وہ دیرینہ دشمن' صبح و شام دل ہی دل میں جن کے لیے پلتی نفرت کا زہر وہ گھونٹ گھونٹ پیتا تھا' عرصہ ہوا اس جہانِ فانی سے کوچ کر چکے تھے۔

بے پناہ اذیت اور تکلیف کا اظہار اس کے چہرے سے ہو رہا تھا۔ ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں اور گھنی مونچھوں تلے لب بھنچ گئے تھے۔

دکھ ان کے مرنے کا نہیں بلکہ اس قدر تاخیر سے مرنے کا تھا۔

"کیا ہو جاتا پری چہرہ! اگر تم دس سال قبل ہی مر گئی ہوتیں۔ یوں اذیت کی دو دھاری تلوار پر تو نہ چلنا پڑتا مجھے۔"

"پنڈی اطلاع کرائی تھی مگر تمہاری ماں نے صاف انکار کر دیا تھا یہاں آنے سے۔"

آغا جان اب بے تاثر لہجے میں کہہ رہے تھے' غالباً" اس کے چہرے سے بہت کچھ پڑھ لیا تھا انھوں نے۔ اس کی نفرت اور اس کی عداوت کا کھلا ثبوت اس کی بڑی ہائل براؤن آنکھیں تھیں۔

اماں کی بابت سن کر اس نے کوئی تاثر نہ دیا۔

کمرے میں ایک بار پھر باہر جھومتے ہوئے چیڑ کے درختوں کی خوشبو پھیل گئی تھی۔ اور ساتھ ہی خاموشی بھی۔ وہ ایک بار پھر یادوں کے سفر پر نکل گیا۔ آغا جان نے کچھ دیر تک اسے ڈسٹرب نہ کیا جب خود ہی چونکا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم یہاں آرام سے بیٹھو۔ میں کھانا اور چائے بھجواتا ہوں۔"

"ارے نہیں۔ تردّد مت کریں۔ پھر یہاں کون ہے آپ کے پاس جو آپ کا کام کر دے۔" وہ پیروں کو پشاوری چپلوں سے آزاد کرتے ہوئے بمشکل چہرے پر مسکراہٹ لا سکا تھا۔ آغا جان کا کمزور وجود اس کی مسکراہٹ پر یکدم پُرسکون ہونے لگا۔ شفقت سے اس کے کندھے تھپکتے ہوئے وہ بھی مسکرا دیے۔

"تم فکر مت کرو جوان! یہاں تمہیں سب ملے گا بلا تردّد۔ میں ابھی آتا ہوں' چاہو تو غسل کر لو۔ ماضی اور مسافت کی گرد بہہ جائے گی اور اس کا بہہ جانا ہی اچھا ہے۔"

گمبھیر لہجے اور معنی خیز انداز میں کہتے وہ کھلے دروازے سے نکلتے چلے گئے تو وہ انہیں پکار بھی نہ سکا۔ اسے لگا" آغا جان نے قصداً" اسے کچھ جتایا ہے جانے کیا؟

اور جانے کیوں؟

ناران پتھروں کا شہر ہے۔ ہر طرف پتھر ہی پتھر' چٹانیں ہی چٹانیں اور پھر جھیل سیف الملوک۔ اس جگہ سے اس دیار سے اسے بھی پتھر ہی ملے تھے۔ دکھ کے پتھر' ٹھکرائے جانے کے پتھر' بے وفائی اور دغا کے پتھر۔ ان پتھروں نے اس بارشِ سنگ نے اسے بھی پتھر بنا دیا تھا۔ برف کا پتھر جو پگھلتا تو ہے مگر ہر سال پھر گلیشیر بنتا جاتا ہے۔

کھانا بہت لذیذ تھا۔ آغا جان اس کے ساتھ کھانے میں شامل تو ہو گئے مگر ان کا زیادہ تر وقت پنڈی کا حال احوال پوچھتے ہوئے گزرا اور تیمور منتظر ہی رہا کہ وہ اس سے کوئی بات کریں گے کہ آخر اسے یہاں کیوں بلایا ہے مگر رات گئے تک انھوں نے اسے ایسا کوئی موقع نہ دیا۔

لندن جانے سے پہلے وہ بس آخری بار آغا جان سے ملنے آیا تھا، وہ بھی گھنٹہ بھر کے لیے۔ پورے تیرہ برس کی باتیں تھیں جو اسے کہنی تھیں اور انہیں سننی تھیں مگر ان تمام باتوں میں اس نے قطعاً "پری چہرہ" شیر باز کا ذکر نہیں کیا اور آغا جان اس کی آنکھوں میں ہی تلاشتے رہے کہ آخر اس نفرت کی آگ میں کیا کیا جل چکا تھا اور کیا کیا بچ رہا تھا۔

"مجھے اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں آغا جان؟"

یکدم اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا جس پر وہ گہری سانس بھر کر رک گئے۔

"دیکھ رہا ہوں، جانچ رہا ہوں کہ تمہارے کندھوں میں کتنا دم، کتنی طاقت ہے۔ میرا دیا ہوا بوجھ اٹھانے کی سکت بھی ہے کہ نہیں۔"

کچھ لمحے اسے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے کہا تو تیمور کی تیز حسیات مزید چوکنی ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں قدرے مایوسی تھی۔ اس نے بے چین ہو کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"آغا جان! میری کس بات نے مایوس کیا ہے آپ کو؟"

وہ حقیقتاً "حیران ہو رہا تھا۔ اس کا یہاں آنا کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ ان کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ آغا جان بے قرار لہجے پر کھوئے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگے۔

"تمہاری آنکھوں میں محبت اور نرمی کی اک روشنی ہوا کرتی تھی تیمور! جسے میں نے آج بجھا ہوا دیکھا ہے۔ شاید اب تمہارے ظرف اور ضبط کی طنابیں ڈھیلی پڑ گئی ہیں۔"

"یہ بات آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں آغا جان؟"

"میں نے بڑا وقت گزارا ہے بیٹا! اس دنیا میں کئی چہرے پڑھے ہیں اور تم تو وہ کتاب ہو جسے میرے سامنے تصنیف کیا گیا۔ میں تمہیں جانتا ہوں کیونکہ تمہارے وجود کے اندر جلتے جگنوؤں کا جو اک شہر بسا تھا اسے میں نے ہی سجایا تھا۔ مگر اب لگتا ہے جیسے وقت کی گردش نے اس شہر کو پامال کر ڈالا ہے۔"

تیمور کی گہری نظریں آغا جان کی بات کا مطلب ان کے چہرے پر تلاش کر رہی تھیں اور جب کچھ نہ پا سکیں تو اس نے نگاہیں کسی اور طرف مرتکز کر دیں۔

"جو شہر پامال ہو جائیں، وہ دوبارہ نہیں بستے آغا جان! ہاں البتہ ان کے کھنڈرات کی دیکھ بھال کی جا سکتی ہے، سو وہ میں کر رہا ہوں۔"

"مت کرو ایسا۔ ایک نیا شہر بساؤ بیٹا۔"

"یہ میرے بس کا کام نہیں رہا آغا جان! میں وہ آذر ہوں جس کے تمام شیشے ٹوٹ چکے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہے میرے پاس۔" اس کا سپاٹ اور بے تاثر لہجہ آغا جان کے دل میں جیسے ترازو ہو گیا۔

"او تو کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" توقف کے بعد انہوں نے گہرے دکھ سے پوچھا تو تیمور علی جاہ جیسے چونک اٹھا۔ کچھ تھا ان کے انداز میں۔ گہری مایوسی مکمل ناامیدی۔ تیمور نے اب کے انہیں بہت غور سے دیکھا۔ کسی غیر معمولی بات کا پتا دے رہی تھیں ان کی آنکھیں۔

"آغا جان! آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

معاً" اس نے چٹانوں سے مضبوط لہجے میں سوال کیا تو آغا جان اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اور پھر مایوسی سے سر جھکا لیا۔

"کوئی فائدہ نہیں بیٹا! میں نے جس کام کے لیے تمہیں بلایا تھا، وہ شاید تم سے نہ ہو سکے پھر کہنے کا بھی کیا فائدہ۔"

"آپ مجھے بتائیے تو آغا جان پلیز۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔

"کیا کرو گے سن کر۔ انکار۔ سو وہ مجھے پہلے سے معلوم ہو گیا ہے۔"

آغا جان کے لہجے میں دکھ اور تاسف کا امتزاج تھا۔

"کسی انسان سے اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ اٹھوانا ایک ظلم ہے اور میں وہ ظلم تم پر نہیں کر سکتا۔" یکدم وہ فیصلہ کن لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو تیمور نے گہری نظروں سے انہیں

دیکھا۔ وہ اسے بلیک میل کر رہے تھے نہ چیلنج بلکہ خلوص اور شفقت ان کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ وہ ان کے دکھ ان کے مسائل شیئر کرنا چاہتا تھا۔

"ایک بار، صرف ایک بار کہہ کر تو دیکھیے آغا جان! بلاشبہ میں بہت بدل گیا ہوں مگر آپ کے لیے وہی ہوں تیمور علی جاہ جو تیرہ سال پہلے یہیں آپ کے گلے لگا تھا۔"

آغا جان کے مایوس چہرے پر یکدم امید کی کرن ٹمٹمائی۔

"سوچ لو بیٹا! پھر نہ کہنا، میں نے تمہارا بھرم نہیں رکھا۔"

"آپ کی امانت کا بوجھ اتنا بھی وزنی نہیں ہو گا آغا جان کہ تیمور علی جاہ اسے برداشت نہ کر سکے۔" وہ مضبوط اور متوازن لہجے میں بولا تو آغا جان نے اسے سینے سے بھینچ لیا اور پھر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازے تک لے آئے۔

"اگر انکار کرنا چاہو تو بالکل مت جھجکنا۔ یہ دروازہ ہمیشہ تمہارے لیے کھلا تھا سو کھلا رہے گا۔ ہاں البتہ جب میں اپنے ہی دکھوں کے ملبے تلے دب کر مر جاؤں تو ان پتھروں کی وادی میں میرے نام کا کتبہ لگانے ضرور آنا۔"

"آغا جان! حوصلہ رکھیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کہیں جو کہنا ہے۔"

ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو کہا ہے سو کرنا ہے، چاہے سر ہی کیوں نہ کٹوانا پڑے، وہ اپنے لفظوں سے پھرنے والا نہیں۔ آغا جان کی محبت اس سے سب کچھ کروا سکتی ہے۔

آغا جان نے اس کی چمکتی ہوئی سبزی مائل براؤن آنکھوں میں یقین کی شمع روشن دیکھی تو دھیرے دھیرے کہنے لگے۔

"زندگی کا کوئی پتا نہیں ہوتا بیٹا! سانسیں آ رہی ہیں تو زندہ۔ رک جائیں تو موت کا خنجر سینے میں دستے تک اتر جاتا ہے۔ میرے پاس بھی وقت بہت کم ہے۔ اللہ نے اولاد کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ پوتے پوتیوں کی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش کرا دیا تھا تو میں خوش تھا چلو اب زندگی بنا کسی مشکل کے گزر جائے گی مگر ایسا ہو نہ سکا اور ایک ایسی بچی کی ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر گردشِ وقت نے لا ڈالی کہ اسے اٹھاتے اٹھاتے میں تھک گیا۔"

کہتے کہتے وہ اک لمحے کو رکے۔ اسے جانچا اور جب اس کے انداز میں کوئی لچک محسوس نہ کی تو پھر کہنے لگے۔ "جوان بیٹی کا بوجھ ہے۔ مرنے والے کی سانسیں اس وقت تک اٹکی رہیں جب تک زرمینے کا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہ تھما دیا اور جانتے ہو، وہ مرنے والا کون تھا۔"

"کون۔۔۔؟"

"شیر باز۔۔۔"

ایک گہری گونج کے اختتام پر سناٹا چھا گیا۔ تیمور گہرے سکوت کی ردا تانے کھڑا تھا۔ آغا جان کا سر جھک گیا۔ غالباً" وہ اس کے تاثرات دیکھنا نہیں چاہتے تھے اسے آزمائش میں مبتلا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"بہت معصوم اور نازک ہے زرمینے، پری چہرہ سوتیلی ماں تھی اس کی مگر اسے بہت چاہا تھا اس نے۔ شاید اس لیے کہ قدرت نے اسے اولاد کی نعمت عطا نہیں کی تھی۔ شیر باز کی آنکھوں کا تارا تھی وہ۔ پھولوں کی طرح نازک اور کومل۔ مگر حالات نے یتیمی کے ساتھ ساتھ بے کسی میں بھی مبتلا کر ڈالا اسے۔ شیر باز اس کی ذمے داری مجھے سونپ کر مرا تھا مگر اس کی جائیداد کے لالچ نے اس کے بھائی کو اندھا کر دیا۔ پچھلے تین سالوں میں میں نے اسے کس طرح ان درندوں سے بچایا ہے، بس میں ہی جانتا ہوں۔ مگر اب میں تھک گیا ہوں۔۔۔"

گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لیے رک گئے۔ تیمور جیسے سانسیں روکے انہیں سن رہا تھا۔ یہاں آنے سے لے کر اب تک سوائے انکشافات کے اور کیا سننے کو ملا تھا۔

"بس وہی بچی امانت ہے میرے پاس۔" معاً" نظر اٹھا کر انہوں نے اسے بہت امید سے دیکھا جس کے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

چہرے پر لکھی کشیدگی، تنفر اور اذیت صاف پڑھی جا رہی تھی۔

”تمہیں اس امید پر بلایا تھا کہ تم اس بوجھ کو اٹھانے میں میری مدد کرو گے مگر تمہاری آنکھوں میں جلتی دشمنی، عداوت اور نفرت کی آگ نے مجھے اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن اب تم کہو کیا کہتے ہو۔ کرو گے اس سے نکاح؟“

آغا جان نے یکدم اسے تیز درانتی کے نوکیلے دانتوں تلے لا کھڑا کیا تھا۔ ذرا دیر پہلے اسے ذرہ برابر بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ اس سے دل کی دھڑکن، لہو کی گردش اور سانسوں کی آمد و رفت مانگ لیں گے۔ اس کے چہرے کے نقوش میں ضبط و برداشت سے سرخی چھلک آئی تھی۔ پیشانی کی رگیں پہلے سے زیادہ پھول گئی تھیں۔ شکنوں میں اضافہ اور بھنچی ہوئی مٹھیوں کے کھول بند کرنے کے معمول میں تیزی آ گئی تھی۔

”دھیرج رکھو۔ تمہارا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔ میں تمہارا بھرم ٹوٹنے نہیں دینا چاہتا تھا، تب ہی تم کو بتانے سے احتراز کر رہا تھا۔ مگر صرف تمہاری خاطر۔“

”پلیز آغا جان! فی الحال مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ بہت مشکل فیصلہ، بہت دشوار گھڑی ہے یہ۔ مجھے اپنے سے علیحدہ ہو کر فیصلہ کرنا ہو گا۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔“

اس کا دل چلا رہا تھا مگر اس نے خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے اور گویا ہوا۔

”کیا نکاح ضروری ہے؟ آئی مین اگر آپ کہیں تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ وہاں اماں اور بھابھی کوئی اچھا سا لڑکا تلاش کر کے اس کی شادی کروا دیں گی۔ یوں بھی جہاں تک مجھے یاد ہے شیریاز کی بیٹی عمر میں بھی مجھ سے کافی چھوٹی ہے۔ غالباً“۔۔۔

”سترہ سال عمر ہے اس کی مگر بہت سمجھ دار بچی ہے وہ۔“

”یعنی مجھ سے آدھی عمر کی لڑکی؟ نہیں آغا جان! یہ تو ایک اور ظلم ہو گا۔“ وہ بری طرح بدکا تھا۔ یہ سن کر قوت برداشت کا خول چٹختا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ آغا جان کیا کر رہے تھے۔

”میں اس کے لیے کسی طرح بھی موزوں نہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں کوئی رشتہ۔۔۔“

”صرف ہاں یا ناں میں جواب دو تیمور! اتنی رسائی تو میرا دماغ بھی رکھتا ہے مگر پرسوں زرمینے کا تایا آ رہا ہے اسے ساتھ لے جانے کے لیے کہتا تو ہے کہ اس کی شادی اپنے بیٹے سے کرے گا مگر میں اس ضمیر فروش انسان کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ دولت کا زرمینے کو بھی لالچ نہیں مگر وہ اپنے عم زاد جیسے درندے کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ صرف کل کا دن ہے بیچ میں۔ پرسوں رات کو وہ لوگ یہاں پہنچیں گے۔“

آغا جان کے چہرے پر اب واضح طور پر تفکر نظر آ رہا تھا۔ اس کی بات قطع کر دی تھی انہوں نے۔

”مگر نکاح۔۔۔“

”نکاح ہی وہ واحد ثبوت ہے، جس کے بل بوتے پر وہ زرمینے کو بخش دیں گے ورنہ کورٹ کچہری تک بات پہنچانا ان کے لیے مشکل نہیں اور میں اس بچی کو اس ظلم سے بچانا چاہتا ہوں۔“

اسے لگا، آغا جان نے ہر طرف سے اس کے لیے راستہ تنگ کر دیا ہے۔ غور کیا تو احساس ہوا کہ وہ خود کتنے پریشان اور متوحش تھے۔ شیریاز کی پوری فیملی کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ درحقیقت چاچی اور ان کی بہن دونوں نے ہی اولاد کی پرورش میں تربیت نام کی کوئی چیز شامل نہیں کی تھی۔ شیریاز اور پری چہرہ کے کردار اس کے گواہ تھے۔

”زرمینے بہت بدنصیب ہے کہ ماں پیدا کرتے ہی چھوڑ گئی۔ اس گوری میم نے نجانے کیوں بیاہ کر لیا تھا شیریاز سے اور اب۔۔۔“

آغا جان زرمینے کی بدنصیبی پر آنسو بہا رہے تھے اور تیمور کا ذہن بالکل چٹیل میدان کی طرح ہو رہا تھا۔ جو کہہ چکا تھا اس سے پھرنے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس نے ہر پہلو پر سوچنے کے بعد خاموشی سے سر جھکا دیا۔

”کل صبح نکاح خواں کا انتظام کر دیجیے گا آغا جان! میں تیار ہوں۔“

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اس کی آواز اور اس کا لہجہ اسے خود اجنبی لگا تھا۔ آغا جان نے فرطِ مسرت سے اسے لپٹا لیا۔ ان کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو رواں تھے اور اندر ہی اندر تیمور جیسے خود سے بچھڑتا جا رہا تھا۔

پوری رات آنکھوں میں کٹی۔ وہ شیریاز جس کے خون کا وہ کبھی پیاسا ہوا کرتا تھا۔ آج اس کی بیٹی، اس کا خون اس کی پناہ میں آ رہی تھی۔ پری چہرہ نے اسے چاہا تھا اور تیمور کو ٹھکرا دیا تھا۔

زرمینے اور شیریاز دونوں اس کی محبت اور غیرت کے مجرم تھے۔ بہت بڑے مجرم اور مجرموں کو معاف کرنا اس کا شیوہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح دس بجے سے پہلے نکاح کا انتظام ہو چکا تھا۔ آغا جان نے بہت رازداری کے ساتھ نازک پری کے شوہر اور دیور کو بلا لیا تھا۔ آج کئی سال بعد وہ نازک پری کے روبرو تھا۔ پری چہرہ کی بہت مشابہت تھی اس میں۔ تیمور نے بلا ارادہ منہ پھیر لیا۔

البتہ نازک پری کے چہرے سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے آغا جان کا اس کی فیملی کو اس طرح کی مشتبہ شادی میں بلانا قطعی پسند نہیں آیا تھا۔ اپنے خالہ زاد بھائی اور اس کے لفنگے بیٹوں کو وہ اچھی طرح جانتی تھی پورا ناران ہلا کر رکھ دیتا تھا انہوں نے۔ زرمینے سے اب تک سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کون ہے۔ کیسی ہے۔ کبھی جاننے کا خیال ہی نہیں آیا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بھول ہی چکا تھا کہ شیریاز کی کوئی بیٹی بھی تھی جو کہ پیدا تو ایک میم کے بطن سے ہوئی تھی مگر اس کو پالنے کے لیے پری چہرہ نے اسے اور اس کی غیرت کو ٹھکرا دیا تھا۔

شیریاز نے اپنی نو سالہ بچی کی پرورش کے لیے جب پری چہرہ کو چنا تو دولت کی پجارن نے بنا سوچے سمجھے ہی لبیک کہہ دیا تھا۔ زرمینے کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں سننے کو ملتی تھیں۔ کچھ کا کہنا تھا کہ وہ اطالوی ٹورسٹ جس سے بقول شیریاز اس نے شادی کر رکھی تھی درحقیقت صرف لمحوں کی ساتھی تھی اس کی اور زرمینے ان ہی لمحوں کا ثمر تھی۔ جبکہ کچھ کو اس بات سے اختلاف تھا۔

اطالوی میم یہاں ٹورازم کے ترقیاتی پروگرام کے تحت آئی تھی اور جانے شیریاز کو اس کی اور اسے شیریاز کی کون سی ادا بھائی کہ دونوں نے شادی کر لی۔ مگر ایک سال بعد ہی وہ میم واپس چلی گئی۔ شیریاز زیادہ دن اس کا غم سینے سے نہ لگا سکا اور ایبٹ آباد چلا گیا۔ تین سال بعد لوٹا تو پری چہرہ پر نظر انتخاب جا رکی اور وہی وقت تھا جب تیمور علی جاہ کی زندگی ایک طوفان سے دوچار ہوئی تھی۔

نکاح ہوتے ہی نازک پری کا شوہر اور دیور ہاتھ ملا کر مبارکباد دیتے رخصت ہو گئے تو آخر میں نازک پری جاتے جاتے پلٹی۔ اس کا نازک جسم اب بھدا ہو چکا تھا اور لہجے میں تنفر تھا۔

”بہت عرصے بعد اپنا انتقام پورا کرنے کا موقع ملا ہے تیمور علی جاہ! مگر یہ یاد رکھنا پری چہرہ اس کی سوتیلی ماں تھی۔ سگی نہیں۔“

تیمور کے لیے اس کا لہجہ ہی نہیں بات بھی غیر متوقع حد تک زہر میں ڈوبی تھی۔ یکدم اس کے چہرے پر تناؤ آ رکا تھا۔ یوں بھی وہ کل رات سے سخت اضطراب کا شکار تھا۔

”مگر شیریاز تو اس کا حقیقی باپ تھا نا۔“

آگ اگلتا انداز اس کا وصف نہیں تھا مگر اس وقت وہ بہت آتشیں مزاج ہو رہا تھا۔ نازک پری لمحے بھر کے لیے جیسے دہل سی گئی سراسیمہ نظروں سے اس کے مضبوط اور کھردرے تاثرات والے چہرے کو تکنے کے بعد وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گئی تھی۔

آغا جان اس دوران براؤن کلر کے سوٹ میں ملبوس زرمینے کو اپنی نحیف آغوش میں لیے چلے آئے۔ سرخ بڑے سے چادر نما دوپٹے میں اس کا پورا وجود چھپا ہوا تھا۔ دلہن کے روایتی روپ کا کوئی عکس اس میں نظر نہیں آ رہا تھا۔

باریک مگر نفیس سرخ کڑھائی والے سوتی سوٹ

کے ساتھ دوپٹہ بھی سوتی ہی تھا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں تھیں نہ مہندی کا اہتمام۔ یقیناً" چہرہ بھی میک اپ سے عاری ہوگا۔ گھونگھٹ کے باعث وہ دیکھ نہ سکا۔

"یہ لو اب یہ تمہاری امانت ہے۔ اس کا خیال رکھنا تیمور! بچی ہے۔ غلطی کرے تو درگزر کرنا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ظرف کے لیے آزمائش بنا کر بھیج رہا ہوں اسے۔ مگر یہ بھی یقین ہے کہ انسان تو بہت ہوں گے مگر انسانیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے اور تمہارا شمار میں آخر الذکر لوگوں میں کرتا ہوں۔" وہ بہت مان اور تفاخر سے کہہ رہے تھے۔

تیمور ابھی ہی نکل جانا چاہتا تھا۔ یہاں رہ کر کرتا بھی کیا تھا۔ آغا جان اس کے ساتھ جانے کو قطعی راضی نہ تھے۔ انہیں کوئی خوف نہ تھا۔ ان کے علاقے میں آکر وہ لوگ انہیں محض دھمکا سکتے تھے اور اب ان کی دھمکیوں کا انہیں قطعاً" خوف نہ تھا۔ امانت جو سونپ دی تھی حقدار کو۔

"مشکور ہوں میں آپ کا۔"

وہ قدرے سپاٹ مگر ہموار لہجے میں بولا تھا۔ زرمینے نے ایک بار پھر آغا جان کے شانے سے سر ٹکا دیا۔ غالباً" وہ رو رہی تھی اور سرنفی میں ہل رہا تھا۔ آغا جان بمشکل اپنی سسکیاں برداشت کرتے اسے ڈھیروں ہدایتوں اور دعاؤں تلے رخصت کرنے جیپ تک آئے۔

ایک بڑا سا سوٹ کیس انہوں نے زرمینے کے ساتھ کر دیا تھا۔ جسے پیچھے رکھ کر وہ آگے آ بیٹھا۔ زرمینے بادل ناخواستہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سکڑی سمٹی اور آنسوؤں میں ڈوبی۔ آخری بار اس نے آغا جان کی طرف دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ جیپ اس دوران فراٹے بھرنے لگی اور بہت تیزی سے سفر شروع ہوگیا۔

غیر متوقع حالات اور حادثاتی واقعات نے جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ ذہن پر جیسے برف سی جمی تھی اور اس کے پہلو میں بیٹھا وجود اپنے ہی آنسوؤں میں ڈوبا جا رہا تھا۔

"سوگ منانے کے لیے تین دن مقرر ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ یہ رونا دھونا تینوں دن منایا جائے۔" سفر شروع ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے مگر زرمینے کی سسکیاں رکنے میں ہی نہیں آرہی تھیں۔ تیمور بہت تڑخ کر خشونت سے بولا تو اس کے آنسو جیسے ٹھٹھر گئے۔

سرخ دوپٹے کی آڑ سے دیکھا تو اونچی ستواں ناک اور گھنی مونچھوں والے چہرے پر صرف اور صرف غصہ اور جلال دھرا نظر آیا۔ اس کا دل جیسے یکبارگی زور سے دھڑکا اور پھر دھڑکن تھمتی چلی گئی۔ اک نیا آزمائشی دور شروع ہو چکا تھا اور اس سے اسے نکالنے والا کوئی نہیں تھا۔

خطرناک موڑ اور اونچی نیچی ڈھلوان سڑک پر تیمور خطرناک اسپیڈ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ جو اس کے جنون اور وحشت کی غماز تھی۔ زرمینے کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ دل بری طرح خوف و دہشت کے شکنجے میں پھنسا ہوا تھا مگر کچھ کہنے کی مجال نہ تھی۔ کئی بار جیپ کے ٹائر بری طرح چرچرائے۔ ایک بار تو اس نے گھبراہٹ میں تیمور کا بازو ہی تھام لیا جسے اس نے بڑی بے دردی سے چھڑا لیا تھا۔

پشیمانی اور تاسف نے بہت اندر تک چیرا تھا اسے۔ اس ردعمل پر اور جب وہ برداشت کرتے کرتے تھک گئی تو کلمہ پڑھ کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ جانے یہ نیم غنودگی تھی یا نیم بیداری۔ اس کا سر ڈھلک کر دروازے سے لگ گیا۔

کاغان سے بالاکوٹ تک وہ غالباً" نیم بے ہوشی میں ہی رہی تھی۔ آبرو کے لٹ جانے کے خوف کی جگہ اب جان جانے کا ڈر اسے جکڑ چکا تھا اور وہ جو سوچتی تھی کہ اب زندگی کی مشکلات تمام ہوئیں اس نئی افتاد پر ڈھے سی گئی تھی۔

بالاکوٹ پہنچ کر وہ رک گیا تھا۔ خیال تھا کہ وہاں سے کچھ کھا پی لیا جائے گو کہ بھوک تو قطعاً" نہ تھی مگر سستانے کا ارادہ اسے رکنے پر مجبور کر گیا۔ مڑ کر دیکھا تو جیسے چونک سا گیا۔ ڈھلکے ہوئے سر سے سرخ دوپٹہ

UrduPhoto.com

سرک چکا تھا۔ اس کا چہرہ جو اس نے دوپٹے سے چھپا رکھا تھا اب بالکل سامنے تھا۔

اطالوی نقوش، سیاہ لہریا دار بال، اور گھنی سیاہ پلکوں والی بند آنکھیں اس کے سامنے تھیں۔ کم سنی اور دوشیزگی کی عجب سی چمک تھی چہرے پر۔ پہاڑی نقوش کا کوئی عکس اس کے خال و خد میں نہ تھا۔ جانے یہ شیرباز کی بیٹی تھی بھی کہ نہیں۔

لمحے بھر کے لیے یہ خیال اس کے ذہن میں کوندا تو وہ جہاں کا تہاں بیٹھا رہ گیا۔

البتہ اس کی شہابی رنگ میں گھلے ہوئے شہد کو دیکھ کر یہ یقین ہونے لگتا تھا کہ وہ ان پہاڑوں کی ہی بیٹی ہے۔ تیمور بلا ارادہ اسے غور سے دیکھے گیا۔ اسی اثناء میں وہ تھوڑا کسمسائی تو اس نے چونک کر یکدم جیپ اسٹارٹ کر دی۔ جس پر وہ باقاعدہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ سفر ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا اور اب راستے میں رکنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

سیٹلائٹ ٹاؤن کا علاقہ شروع ہوتے ہی یکدم اسے خیال آیا کہ گھر والوں کو وہ کیا جواب دے گا۔ آغا جان کی خاطر ایک بہت بڑا معرکہ سر تو وہ کر آیا تھا مگر یہاں کیا ہوگا۔ یہ سب سوچنے کا بالکل موقع نہیں مل سکا تھا۔ پورے رستے بھی ذہن ماضی اور مستقبل کے خیالات کی آماجگاہ بنا رہا تھا مگر اس وقت حال کے لیے سوچنا تھا۔ جیپ کے بریک لگتے ہی زرمینے چونکی۔

"چلو آؤ۔ اور ہاں جو میں کہوں، اسے ذہن نشین کر لینا اور جب تک میں نہ کہوں، کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ فی الوقت صرف اتنا جان لو کہ تم اسلام آباد سے آئی ہو اور میرے دوست کرامت کی کزن سسٹر ہو۔ آئی سمجھ۔"

اپنی جانب کا دروازہ کھولتے کھولتے رک کر وہ بولا تو اس نے جھکے چہرے سمیت سر ہلا دیا۔

شام ڈھل چکی تھی اور رات سر پر آ پہنچی تھی لہٰذا جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئے سب لاؤنج میں بیٹھے

ٹی وی سے شغل کر رہے تھے اماں اور سعادت لالہ بھی اتفاقاً" وہیں موجود تھے۔ ان دونوں کو آگے پیچھے اندر داخل ہوتے دیکھ کر یکدم سناٹا چھا گیا۔

زرمینے کا دل پوری قوت سے دھڑک رہا تھا۔ نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ البتہ تیز حسیات سے متوقع ردعمل کا احساس ہوگیا تھا۔

"اسلام علیکم۔ خیریت۔ مجھے دیکھ کر آپ لوگوں کو یہ سانپ کیوں سونگھ گیا۔"

سکوت کو توڑنے والا خود تیمور تھا، لہجہ قصداً" ہلکا پھلکا بناتے ہوئے وہ صوفے پر ڈھے سا گیا۔ جواباً" سب کی نظریں زرمینے پر جا رکی تھیں جو اب تک اپنی جگہ مجرموں کی مانند سر جھکائے کھڑی تھی۔

"یہ کون ہے چچو؟"

مونا نے سب سے پہلے سوال کیا اور نشا کے ساتھ اٹھ کر زرمینے تک چلی آئی۔ وہ دونوں اسے گھوم پھر کر اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کوئی ساکت مجسمہ ہو۔ سعادت لالہ، بھابھی اور اماں کے چہروں پر بھی یہی سوال مختلف تاثرات کے ساتھ درج تھا۔

"یہ کرامت کی کزن سسٹر ہے اماں! چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر اسے یہاں بھیجنا پڑا ہے۔ دراصل جائیداد کے جھگڑے کے باعث اس کی زندگی اور عزت کو خطرہ لاحق تھا۔ وہ بہت اچھا دوست ہے میرا۔ زرمینے کو آپ کی پناہ میں بھیجا ہے اس نے آپ چاہیں تو رکھ لیں، چاہیں تو نکال دیں۔"

اس نے براہ راست اماں کو مخاطب کر کے کچھ اس طرح کہانی بنائی کہ ان کے چہرے پر ہمدردی اور تاسف کے نرم نرم تاثرات ابھر آئے۔ کچھ یہی حال بھابھی اور لڑکیوں کا بھی تھا، البتہ سعادت اسے گہری نظروں سے جانچ رہے تھے جو بظاہر پشاوری چپل اتار کر آستینیں فولڈ کرتے ہوئے خود کو بے پرواہ ظاہر کر رہا تھا۔

"ارے بچی کو ادھر تو لا کر بٹھاؤ۔ کب سے کھڑی ہے۔ نشا! کچھ عقل ہے بچی تم میں کہ نہیں۔"

اماں کا محبت بھرا دل یکدم پانی ہو گیا تھا اس کے

لیے۔ زرمینے آدھا چہرہ چھپائے اگلے ہی لمحے ان کے روبرو حاضر کردی گئی تھی۔ ہر کوئی اسے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا اور وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔ تیمور کے جارحانہ انداز کے بعد یہ ہمدردانہ رویہ اس کی سمجھ اور توقع کے لیے امتحان ہی تھا۔

"کیا نام ہے بیٹا تمہارا؟" بھابھی نے قریب بٹھاتے ہوئے محبت اور دوستانہ لہجے میں پوچھا تھا۔

"زر... زرمینے۔" وہ تو باقاعدہ لرز رہی تھی۔

"بہت اچھا نام ہے۔ تم آرام سے بیٹھو بیٹا۔ نشا مونا ذرا کھانے کا انتظام کرو اور اچھی سی چائے بناؤ۔ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہے بچی۔" اماں نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو وہ اس مہربانی پر ششدر رہ گئی۔

نشا اور مونا بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ آج کل ایسی گھبرائی اور سہمی ہوئی لڑکیاں کہاں دیکھنے کو ملتی تھیں۔ بادل نخواستہ ہی اٹھ کر کچن کی طرف گئیں۔

"مگر اسلام آباد اتنا دور تو نہیں کہ بندہ یوں تھکن سے چور ہو جائے۔ کیوں برخوردار! کیا مرگلہ ہلز کا چکر لگا کر آ رہے ہو۔" سعادت لالہ نے اماں اور بھابھی کو اس طرف متوجہ دیکھ کر سوال داغا تو وہ بچ بچ سٹپٹا گیا۔ اس طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔

ان کے کپڑوں پہ جمی ہلکی سی مٹی کی تہہ گواہ تھی کہ مسافت طویل رہی ہے۔ اس سے کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔ تو ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"سچ کہو۔ کہاں سے آ رہے ہو؟" اب کے سعادت لالہ کچھ سنجیدہ ہو گئے تھے۔ تیمور نے گہری سانس بھر کر انہیں دیکھا اور پھر ناران اور آغا جان کا ذکر حذف کر کے پورا قصہ کہہ سنایا۔

"کرامت کے ساتھ مجھے بالاکوٹ تک جانا پڑا تھا۔ بس اسی لیے تھکن زیادہ ہو گئی ہے۔"

لہجہ سنجیدہ اور چہرے کی سچائی کچھ کچھ یقین دلا رہی تھی، سو سعادت لالہ قدرے مطمئن ہو گئے۔ اس دوران اس نے دیکھا۔ زرمینے ان چاروں کے نرغے میں گھری بری طرح پریشان ہو رہی تھی۔ گو کہ سب کا رویہ محبت اور تعاون سے بھرا تھا مگر وہ پے در پے کیے جانے والے سوالوں سے گھبرا گئی تھی۔

"میرا خیال ہے نشاء انہیں اندر لے جاؤ۔ آرام کرنے دو تاکہ تھکن اتر جائے۔" سعادت لالہ نے اس کی آنکھوں میں لکھا خیال پڑھ لیا تو نشا کو حکم سنا ڈالا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ مونا اور نشا فوراً اسے اپنے ساتھ لے گئیں۔ عزمی اس وقت گھر پر موجود نہ تھا اس لیے اس کے سوالوں سے بچت ہو گئی تھی مگر بھابھی کے کچن کی طرف جاتے ہی اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔ ان کی تفتیش بھی کافی دیر چلتی رہی مگر چند لمحوں میں وہ سب کچھ سوچ چکا تھا۔ لہٰذا سعادت لالہ کے بعد اماں کو شیشے میں اتارنے میں اسے زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ آخر میں اس نے انہیں تاکید کی۔

"اب اس سے دوبارہ کوئی بات مت کیجئے گا اماں! ناحق پریشان ہو گی۔ کرامت نے اسے یہاں بھیجا ہے ایک غیر معینہ مدت کے لیے۔ کچھ عرصے بعد میں اسے کسی ہاسٹل میں شفٹ کرا دوں گا، فی الحال خطرہ ہے۔ مجھے یقین ہے۔ آپ میرا بھرم رکھیں گی۔"

وہ اماں کو ہینڈل کرنا جانتا تھا۔ وہ لمحے بھر میں پسیج گئیں۔

"نہ بیٹا! جوان بچی ہے پھر حسن بھی توبہ شکن۔ ہوسٹل ووسٹل بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ خیال آتا ہے کہ بڑی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے لڑکی کی۔"

اماں کی بات پر اس کے اندر جیسے کوئی تار چھڑ گیا۔ یوں چونک کر انہیں دیکھا جیسے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو انہوں نے۔ اس طرف تو اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

"ماشاء اللہ بڑی خوب صورت بچی ہے۔ کیا عمر ہو گی؟ سولہ سترہ کا سن لگتا ہے۔" وہ ستائشی لہجے میں خود ہی پوچھ کر جواب دے رہی تھیں۔ تیمور نے نظر جھکا لی۔ "ہائے ہائے بس مولا اپنا کرم کرے۔ کسی کو دربدری کا دکھ نہ دے۔ بے سہارا اور لاوارث عورت کے لیے یہ دنیا جہنم سے بھی بدتر ہوتی ہے۔" گہرے لہجے میں تاسف سے کہتی وہ اٹھ گئیں مگر

تیمور کو ایک ایسی پاتال میں چھوڑ گئیں جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ نکاح جیسے مضبوط رشتے میں بندھنے کے باوجود بھی وہ لاوارث تھی، بے سہارا تھی۔

واقعی رشتہ وہی ہوتا ہے جو سماج کے سامنے قبول کیا جا سکے۔ ورنہ کسی بھی بندھن کی مضبوطی قطعی ناپائیدار ثابت ہوتی ہے۔

اس نے تھکے ہوئے کشیدہ اعصاب کو آرام دینے کی خاطر صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ صرف دو دنوں میں زندگی اتنا طویل سفر طے کر گئی تھی کہ وہ اندر سے جیسے اب تک ساکت تھا۔ آغا جان کے فون کو ریسیو کرنے کے بعد اس نے سوچا تک نہیں تھا کہ زندگی یوں کروٹ لے گی اور اسے اپنی انا، خودداری غیرت اور نفرت کے خلاف جا کر ایسا سنگین فیصلہ کرنا پڑے گا۔

ایک لمحے کو خیال آیا کہ کتنا اچھا ہوتا اگر اس نے اماں کے کہنے پر شادی کر لی ہوتی۔ کم از کم آج آغا جان اسے تو اس بار گراں کو اٹھانے کے لیے منتخب نہ کرتے۔ پھر خود کو ہی سرزنش کرتا سر جھٹک کر اٹھنے لگا۔ اس دوران بھابھی کچن سے برآمد ہوئیں۔

"بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو تیمور! نہا لو۔ بلکہ نشا اور مونا کو بھی کہہ دو کہ وہ زرمینے کا سر نہ کھائیں۔ بے چاری پہلے ہی اپنی ناسازگار حالات سے نبرد آزما ہو کر آئی ہے۔ اب یہ محاذ سر کرنا اس کے لیے یقیناً ممکن نہ ہو گا۔"

بھابھی نے اسے تردد سے مشورہ دے کر مونا وغیرہ کے لیے بھی ہدایات جاری کیں تو وہ اثبات میں ہلا کر آگے بڑھ گیا تاہم زرمینے کے لیے جس کے متعلق اب تک اس نے ایک لمحے کو بھی ہمدردانہ انداز میں نہ سوچا تھا بھابھی کی ہمدردی خاصی ناگوار گزری۔ بمشکل چہرے کے منفی تاثرات کو کنٹرول کرتا وہ نشا اور مونا کے مشترکہ بیڈ روم کی طرف آ گیا۔ جہاں بھابھی کی توقع کے عین مطابق وہ دونوں بہنوں کے سوالات کے نرغے میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔

"تو تمہارے پیرنٹس کی ایک کار ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی پھر تمہیں کس نے پالا؟ آئی مین تم اس کے بعد کہاں رہیں؟" مونا پیروں کے ناخن فائلر سے شیپ دیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"جی وہ میرے پرنانا نے۔" اس سوال پر وہ اٹک گئی تھی۔

"اوہ تو تم لوگ کیا اسلام آباد میں رہتے تھے۔" نشا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں ایبٹ آباد میں۔ کچھ عرصے رہے پھر لاہور چلے گئے۔ اس کے بعد میرے والدین کا انتقال ہو گیا تو پھر نانا اپنے ساتھ لے گئے۔"

بیڈ شیٹ کے ڈیزائن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے زرمینے اٹک اٹک کر بتا رہی تھی۔ گھنی پلکوں کی باڑ پر کچھ آبی جگنو چمک رہے تھے۔ نشا اور مونا آزردہ سی ہو کر چپ ہو رہیں۔ اسی دوران تیمور نے دروازے پر دستک دی۔

"آئیے چچو! اندر آئیے۔" نشا نے مڑ کر اسے دیکھا تو خوش دلی سے بولی۔ وہ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا اندر چلا آیا۔ زرمینے نے تیزی سے دوپٹہ درست کیا۔

"یہ اب ہمارے کمرے میں رہے گی چچو! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ان فیکٹ نشا کے جانے کے بعد تو یوں بھی مجھے کسی ساتھی کی ضرورت ہو گی۔"

اپنے ماسٹر بیڈ روم میں داہنی طرف رکھے دیوان نما تخت پر فوم لا کر ڈالتے ہوئے مونا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔ نشا کے مقابلے میں وہ زیادہ مستعد اور گھریلو امور میں دلچسپی رکھتی تھی۔

"تمہیں زیادہ عرصہ پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ شی از جسٹ آ گیسٹ۔"

مونا کی بات پر بے اختیار وہ کہہ اٹھا تھا۔ زرمینے کی نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھی تھیں جن میں تحیر خوف اور شکوے تھے۔ اس نے قصداً نظر چرا لی۔

"اوہ نو چچو! شی از ویری نائس۔ اسے تو ہم ساری زندگی بھی اپنے گھر رکھ سکتے ہیں۔" ہمیشہ کی بے تکلف نشا نے آگے بڑھ کر زرمینے کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔

UrduPhoto.com

جملہ ہی کچھ ایسا کہا تھا اس نے کہ بلا ارادہ زرمینے اور تیمور کی نظریں ٹکرائی تھیں جن سے زرمینے کے پورے وجود میں جیسے برقی لہریں سی دوڑ گئیں جبکہ تیمور نے رعونت سے چہرہ گھما لیا تھا۔

"مجھے اس وقت کافی کی شدید طلب ہے پلیز مونا! تم زحمت کرو اور نشا تم میرے کپڑے پریس کرو جا کر۔" واضح انداز میں نظر انداز کرتے ہوئے اس نے دونوں کو احکامات سنا کر باہر دوڑایا اور ابھی خود بھی پلٹنے کو تھا کہ موبائل فون بج اٹھا۔

اس نے جیب سے نکال کر دیکھا۔ اسکرین پر ناران کا نمبر نظر آ رہا تھا۔ یقیناً" آغا جان تھے دوسری طرف۔ آج کی نئی صورت حال کے باعث وہ انہیں موبائل پر ہی کال کرنے کی تلقین کر کے آیا تھا۔

اس نے گہری سانس بھر کر اپنے کشیدہ تیوروں کو درست کیا اور ہیلو کہا۔

"ہیلو بیٹا! خیریت سے گھر پہنچ چکے ہو یا ابھی راستے میں ہو۔"

"پتا نہیں یہ راستہ ہے یا منزل یا محض راہ کا ایک موڑ۔" اس نے سامنے نظریں جھکائے بیٹھی زرمینے پر نظر ڈال کر بے ساختہ سوچا اور پھر ذہن کو حاضر کیا۔ "گھر پہنچ چکے ہیں آغا جان۔" وہ بولا تو زرمینے نے چونک کر نظر اٹھائی۔

"خدا کا شکر ہے۔ تمہارے جانے کے بعد یہ فکر ستاتی رہی ہے کہ اپنی ماں کو تم نے بھلا کس طرح سمجھایا ہو گا۔ کیا میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں؟" وہ حد درجے تردد سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں آغا جان پلیز۔ آپ فکر مت کریں۔ یہ ذمے داری میں نے اٹھائی ہے سو مجھ پر بھروسا رکھیں۔ اماں کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

وہ بے اختیار ہی بعجلت بولا تھا کہ اماں کو جو کہانی اس نے سنائی تھی فی الحال اس میں کوئی ترمیم کی گنجائش نہ تھی۔

آغا جان اس کے مضبوط لہجے پر متاثر اور مطمئن سے ہو گئے۔

"مجھے تم پر صد فیصد بھروسا ہے میرے بچے! اپنے سے زیادہ تم پر اعتماد ہے مجھے۔ زرمینے بھی بہت پیاری بچی ہے۔ ایک بار تمہارے حق میں بہت غلط فیصلہ ہو گیا تھا مجھ سے مگر اس بار امید کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ زرمینہ کو دل سے قبول کر کے دیکھنا۔ وہ تمہاری بے رنگ زندگی کو خوشیوں کی دھنک سے سجانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ میرا یہ فیصلہ ایک طرح کا کفارہ ہے۔ اپنی غلطی کی تلافی ہے۔ انشاء اللہ وقت ثابت کرے گا۔"

یقین، امید اور بے حد محبت سے وہ کہہ رہے تھے، تیمور کے اندر باہر جیسے آگ کا الاؤ سا بھڑکنے لگا۔ زرمینے کو قبول کرنے کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تعلیم اور تہذیب نے اس کے اندر کے پہاڑی سفاک نوجوان کو تو سلا دیا تھا مگر غیرت اور عزت نفس کے اس قتل کے بعد وہ اپنے قاتلوں کی بیٹی کو اپنا کر انہیں اور ان کی روحوں کو ابدی سکون ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔

"آپ ہر طرح سے بے فکر رہیے آغا جان! میں امانت کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

زہریلی سوچوں کی یورش سے نکلتے ہوئے اس نے سرد لہجے میں کہا۔ چونکہ لائن بہت صاف نہیں تھی۔ اس لیے آغا جان نے اس کے لہجے کی تبدیلی محسوس نہ کی اور اس نے موبائل کان سے ہٹا کر یکدم زرمینے کی طرف بڑھا دیا۔

"لو بات کر لو۔ مگر یہاں میں نے کیا کہا ہے، یہ مت بتانا۔"

دھیمی مگر بے حد سخت اور بے لچک آواز میں کہہ کر اس نے زرمینے کے دل کو مزید سہما دیا۔ سراسیمہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے میکانکی انداز میں اس نے موبائل پکڑ لیا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ اپنی بے اختیار ہوتی سسکیوں پر کسی طور قابو نہ پا رہی تھی۔

تیمور نے ایک غصیلی اور جلتی ہوئی نظر اس پر ڈالی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اور ضبط کے کڑوے گھونٹ پیتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

نشا ذرا دیر بعد ہی پلٹ آئی تھی، اسے یوں بری طرح روتا دیکھا تو بے اختیار اسے خود سے لگا لیا۔

"پلیز جسٹ ریلیکس۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔ پھپھو کی پناہ میں آئی ہو۔ بہت لکی ہو تم۔ انہوں نے کرامت بھائی کو قول دیا ہے تمہاری حفاظت کا تو نباہ کر ہی رہیں گے۔ تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے رشتے دار ہرگز بھی یہاں نہیں پہنچ سکتے۔ ویسے بھی ہم لوگ اگلے پندرہ دنوں میں کراچی شفٹ ہو رہے ہیں۔ وہاں تو ان کے فرشتے بھی نہ آ سکیں گے۔"

تسلی دیتے ہوئے نشا بڑے مان سے تیمور کا ذکر کر رہی تھی تاہم جیسے ہی اس نے کراچی جانے کی خبر سنائی۔ زرمینے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔

"کک، کراچی۔" تو گویا وہ ناران سے اتنی دور چلی جائے گی۔

"ہوں ہمارا گھر بن رہا تھا وہاں۔ اب تو بس فرنشڈ ہونا باقی رہ گیا ہے۔ ان فیکٹ اسی لیے تو عزمی گیا ہوا ہے وہاں۔ پاپا نے اپنا بزنس تو تقریباً" شفٹ ہی کر دیا ہے کراچی جبکہ پھپھو کی بھی یہاں ایک ماہ کی جاب اور باقی ہے پھر اس کے بعد ان کا بھی ٹرانسفر ہو جائے گا۔"

وہ بڑے جذب سے بتا رہی تھی۔ خوشی اور تحفظ کا مان اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ زرمینے نے بڑے رشک سے اسے دیکھا۔

"بہت خوشی ہے تمہیں کراچی جانے کی؟" بے اختیار لبوں سے سسکتا ہوا سوال نکلا۔

"آف کورس۔" نشا کی آنکھیں اس بات پر چمک اٹھی تھیں۔ "میرے فیانسی (منگیتر) اور پوری سسرال کراچی ہی ہوتی ہے۔ میری ہی ضد پر پاپا کراچی موو کرنے پر تیار ہوئے ہیں بس مونا کے گریجویشن کرنے کا انتظار تھا سو اب سب ساتھ چل رہے ہیں۔ عزمی بھی بمشکل راضی ہوا ہے۔ خیر اب تو وہ کراچی آتے جاتے ہی وہاں کے ماحول سے مانوس ہو گیا ہے۔ ارے میں تو تمہیں عزمی کے بارے میں بتانا ہی بھول گئی۔ مجھ سے دو سال بڑا بھائی ہے اب یہ الگ بات کہ ہمارے جھگڑے بڑے ہوتے ہیں۔ میرے بعد مونا ہے۔ اور یہ جو ہمارے تیمور چچو ہیں نا ان سے پورے آٹھ سال چھوٹا ہے مگر ہے بڑی خبیث چیز، تم ساتھ رہو گی تو پتا لگ جائے گا۔"

بائیں آنکھ شرارت سے دباتے ہوئے اس نے دھیرے دھیرے سب کے متعلق اسے بتا ڈالا تھا۔ حتیٰ کہ تیمور کے شادی نہ کرنے کی وجہ بھی۔ زرمینے اس بات پر ہونٹ کاٹتی رہی۔

آغا جان سے پری چہرو اور شیر باز یعنی اپنی سوتیلی ماں اور بابا کے متعلق اس نے سن رکھا تھا، شرمندگی اور پشیمانی کے اس احساس نے اسے اس وقت بھی مغلوب کر دیا۔

"ارے زرمینہ! تم اب تک ایسے ہی بیٹھی ہو۔ چلو جا کر گرم گرم شاور لے لو۔ پھر کھانا کھا لیتے ہیں۔ چچو کو بہت بھوک لگ رہی ہے۔ یقیناً" تمہیں بھی فیل ہو رہی ہو گی۔"

کافی دیر بعد مونا نے اندر جھانک کر ہانک لگائی پھر اندر چلی آئی۔

"نہیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔" دوبارہ سے سب کا خصوصاً" تیمور کا سامنا کرنے کے خیال سے اس نے گھبرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ حالانکہ ان سے کب تک چھپا جا سکتا تھا۔

"تو دل کی سزا بے چارے معدے کو کیوں دے رہی ہو۔ چلو اٹھ جاؤ فوراً"۔"

نشا نے بے ساختہ ہی اس کا جملہ پکڑ کر کہا تو ان دونوں کے پیار بھرے اصرار پر اسے اٹھتے ہی بنی اور وہ سوٹ کیس سے جرسی ویلوٹ کا بائل گرین سوٹ نکال کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

"زندگی اب ایک نئی سمت کی طرف چلنے لگی ہے زرمینہ۔ اپنا دل مضبوط کر لو کہ تمہیں اب اس گھر کے مکینوں کے کہنے پر ہی چلنا ہے۔ نجانے کب تک۔ تیمور علی جاہ کبھی تمہیں دل سے قبول نہیں کرے گا۔

سو وقت کا انتظار کرو۔ ایسے وقت میں جب سایہ بھی ساتھ چھوڑ رہا تھا' تیمور نے تمہیں پناہ دی ہے۔ اس کا احسان یاد رکھو اور اپنے حقوق بھول جاؤ۔"

گرم شاور لیتے ہوئے اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ آنسو بند توڑ کر پھر سے بہہ نکلے تھے۔

کھانے کی ٹیبل پر سب موجود تھے۔ اسے بے حد جھجک محسوس ہو رہی تھی اگر تیمور اسے چند گھنٹے پہلے استوار ہوئے رشتے کی حقیقت سمیت قبول کرتا تو وہ بڑے استحقاق سے یہاں رہ سکتی تھی مگر اب جبکہ وہ حوالہ جس کے طفیل وہ یہاں آئی تھی' یوں انجان اور لاتعلق بن رہا تھا۔ اس کے اندر شدید غیرت جھجک اور حجاب بیدار ہوا۔

ذرا دیر پہلے جو چھاجوں برسات ہوئی تھی آنکھوں سے۔ اس کے بعد شفق سی پھیل گئی تھی پلکوں کے پیچھے گیلے لانبے بال پشت پر کھلے چھوڑ کر اس نے دوپٹہ سر پر ڈال لیا تھا۔ مونا اسے جھجکتا پا کر بڑی اپنائیت سے ساتھ لے آئی تھی' ورنہ وہ یونہی کمرے میں بیٹھی سوچوں میں الجھتی رہتی۔

اسے سامنے کرسی پہ بیٹھا دیکھ کر تیمور کی نظریں بلا ارادہ اٹھی تھیں۔ اس کے حوالے سے ایک وجود اس گھر میں آیا تھا اور وہ بھی نکاح جیسے پاکیزہ بندھن کے طفیل' اسے جھٹلانا یا نظر انداز کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ ابھی بھی نظر اٹھی تو اس کے چکا چوند حسن اور اپنے رشتے کی باریکی نے لاشعوری طور پر اسے جھنجھوڑا ضرور۔

سرخ آنکھیں گواہ تھیں کہ وہ مستقل روتی رہی ہے۔ ایک کسک اور بے چینی نے اس کے دل کو دھیرے سے چھوا تو وہ نظر جھکا کر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر پھر بھی حسیات کا ایک حصہ اس کی طرف متوجہ رہا تھا جو سب کے اصرار کے باوجود برائے نام ہی کھا سکی تھی۔

دل میں چور تھا' نفرت و عداوت تھی جب ہی وہ مونا" بھی اس سے کچھ نہ بولا اور یہ بات کسی نے محسوس کی ہو یا نہ کی ہو سعادت لالہ اس کی بے توجہی اور لاتعلقی بھانپ گئے تھے۔ وہ اس کے دوست کی امانت تھی۔ اس کے قول کے بھروسے ہی یہاں آئی تھی لیکن جس بے اعتنائی کا اظہار وہ کر رہا تھا وہ خاصا الجھن آمیز تھا۔

انہوں نے بغور بھائی کا چہرہ دیکھا۔ کشادہ پیشانی اور سبزی مائل بھوری آنکھیں کسی غیر معمولی واقعے کے وقوع پذیر ہونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ سب کھانا کھا چکے تو زرمینے نے سب سے پہلے کرسی چھوڑی۔

"ایک کپ چائے لے آنا مونا!" اس نے حسب عادت ہدایت کی۔ یوں بھی اس وقت ذہن بہت تھکان محسوس کر رہا تھا گوکہ گزرے سالوں کے مصائب اور حادثوں نے اسے بہت سخت جان بنا دیا تھا مگر آج کے واقعہ اور کل رات کی جگار نے اس کی ذات میں نئے سرے سے اذیت کے سر جگا دیے تھے۔

"لائی چچو۔" مونا کچن کی طرف بڑھی تو زرمینہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے ہولی مگر اماں نے آواز دے کر اپنے پاس بلا لیا تھا۔ محبت اور شفقت سے اس کی جھجک دور کرنے کے لیے وہ کتنی ہی دیر اس سے باتیں کرتی رہیں۔ نشا اور بھابھی ان کے پاس ہی جا بیٹھی تھیں۔

تیمور کی نظریں غیر محسوس انداز میں اس طرف گئیں تو پھر لوٹ نہ سکیں۔ پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔ کوئی چیز اسے تیزی سے ادھیڑ رہی تھی۔ جیسے نوکیلی درانتی سے اس کے جسم کو کچوکے لگائے جا رہے ہوں۔ ضبط کی شدت سے اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔

زرمینے کے بجائے اسے سامنے شیرباز بیٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ایسی تپش اور تنفر تھا اس کی نگاہوں میں کہ دور بیٹھی زرمینے نے خود کو جھلتے سلگتے اور پگھلتے محسوس کیا تھا۔

"بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ ہو تو امانت جیسی ذمہ داری اٹھانی بھی نہیں چاہیے تیمور۔"

سعادت لالہ نجانے کب اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔ کندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں بولے کہ وہ چونک سا گیا۔ چہرے کے تاثرات زائل کرنے کے لیے اس نے خاصی جدوجہد کی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" الجھ کر استفسار کیا۔

"یہی کہ اگر مہمان کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کی عادت نہ ہو تو انسان کو اپنے گھر کے دروازے بند کر لینے چاہئیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں جیسے کرامت نے اپنی یہ کزن زبردستی مسلط کر دی ہے تم پر۔" گہری نظروں سے اسے جانچتے ہوئے وہ بے حد متانت سے کہہ رہے تھے۔

تیمور علی جاہ لمحے بھر کے لیے چکرا سا گیا۔ سعادت بھائی کی تفتیشی نگاہ کی طرف قطعاً" دھیان نہ گیا تھا ورنہ وہ خود پر قابو رکھنے کی کوشش کرتا۔

"کم آن سعادت لالہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے کندھوں میں بہت طاقت ہے ذمے داریاں اٹھانے کی۔"

"جب ہی اماں کی شدید خواہش کے باوجود شادی کے لیے ہامی نہیں بھر رہے۔" اس کے مضبوط لہجے میں کہے گئے جملے کو انہوں نے سرعت سے پکڑا تھا۔ اس کی نظر بے ساختہ زرمینے کی طرف اٹھ گئی۔

تیرہ سالوں میں جو کام اماں اس سے نہ کروا سکیں' وہ آغا جان نے تیرہ گھنٹوں میں کرا لیا۔ کتنا عجیب اتفاق تھا اور کتنا سنگین حادثہ۔

سعادت لالہ کے جملے پر وہ محض لب بھینچ کر رہ گیا۔

"اینی وے اس موضوع پر ہم پھر کبھی بات کریں گے۔ فی الحال تو بس یہ ہی کہنا تھا کہ تم اپنا رویہ درست رکھو۔ یہ ٹھیک ہے کہ کرامت نے تم پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ مگر ایسا بھی کیا کہ تم اس لڑکی کو سیدھی آنکھ سے بھی نہ دیکھو۔ آخر اس سارے قصے میں اس بے چاری کا کیا قصور۔"

انہیں زرمینے سے فطری ہمدردی تھی۔ تیمور کا چہرہ ایک لمحے کے لیے غضب سے سرخ ہو گیا۔ اب انہیں کیا بتاتا کہ اس لڑکی کا سب سے بڑا قصور تو یہ ہی ہے کہ یہ شیرباز کی بیٹی ہے اور شیرباز اس کا ایسا مجرم ہے جسے اس کی ہلاکت کے بعد بھی وہ بھلا نہیں سکا۔

بلکہ زرمینے سے مجبوراً" نکاح کرنے کے بعد تو اس کے اندر وہ نفرت اور گہرائی تک اتر گئی ہے۔ کیونکہ زرمینے کے مستقبل کی خاطر شیرباز نے پری چہرہ کو چنا تھا اور پری چہرہ نے دولت کے حصول کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ مگر اپنے والدین کی عزت نیلام کر کے بھی اسے کوئی افسوس نہ ہوا تھا بلکہ چند سالوں بعد اسے قبول کر کے تو اس کے والدین نے اس کے غلط فیصلے پر اپنی رضا کی مہر بھی لگا دی۔

اس سارے قصے میں سراسر نقصان تو تیمور علی جاہ کا ہوا تھا' جس نے اپنی زندگی کے تیرہ قیمتی برس نفرت اور رد کیے جانے کے قلق کی آگ میں جلتے ہوئے گزار دیے تھے۔ اس کی خوشی' اس کی محبت اور جذبوں سے پُر ارمانوں سے لبریز دل سب کچھ اس آگ میں جل گیا تھا۔ اس کی فطری نرمی اور لطافت سب خاک ہو چکی تھی۔

اب تو وہ ایسا لاوا تھا جو سرد ہو کر چٹان بن گیا تھا۔ زرمینے اس چٹان سے سر ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش تو ہو سکتی تھی' اس میں گلزار نہیں کھلا سکتی تھی۔

غیض و غضب کی سرخی کو اس کے چہرے پر تیزی سے پھیلتا دیکھ کر سعادت لالہ نے اسے ٹوک دیا۔

"جاؤ تیمور! آرام کر لو جا کر۔ زیادہ سوچو نہیں' جتنا سوچو گے' اتنا ہی الجھو گے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ یہ لڑکی ہماری پناہ میں آئی ہے۔ اس کا تحفظ صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی فرض ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھو وہ تمہیں سرخرو رکھے گا۔" نجانے کیا محسوس کر کے وہ اس سے کہہ رہے تھے۔

غالباً" یہی خیال تھا کہ وہ اس لڑکی کے دشمنوں سے خائف ہے جب ہی اسے تسلی دی تھی مگر وہ تو جیسے کسی گہری نیند سے بیدار ہوا۔ اس طرف سوچنے کا تو اسے موقع تک نہ ملا تھا۔ کل تک شیرباز کے بھائی شہباز خان اور اس کے بیٹے زمان اور دلاور کو ناران پہنچ جانا تھا۔

آغا جان وہاں اکیلے رہ گئے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ فکر مند سا ہو گیا۔ سعادت لالہ کی طرف دیکھا تو وہ اسی کی جانب متوجہ تھے۔

"آپ کے ہوتے مجھے کوئی فکر نہیں سعادت لالہ! رہ گئی اس لڑکی سے برگشتہ ہونے کی بات تو میرا نہیں خیال کہ ایسا کچھ ہے۔ میں تو صرف کرامت کی طرف سے پریشان ہوں جو نجانے کہیں ان بھیڑیوں سے نبٹ رہا ہو گا۔" اس کی خون رنگ ہوتی آنکھیں اس کے شدت غضب کی گواہ تھیں۔

"میں سمجھ سکتا ہوں تیمور! پھر بھی یہی کہوں گا فی الحال جسم و ذہن کو آرام دو۔ بعد میں سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے اوکے۔"

محبت اور شفقت کے رنگ ان کے لہجے کا خاصا تھے تیمور بادل ناخواستہ مسکرا دیا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں کوئی شک ہو۔ سو خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا تاہم اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے موتا کو بلا کر زرمینے کو دودھ گرم کر کے دینے کی خاص ہدایت کی۔

سعادت لالہ جو اس دوران اس کی طرف متوجہ رہے تھے مبہم سا مسکرا کر ٹی وی آن کرنے لگے اور وہ جو یہ تلخ گھونٹ پینے کے بعد اندر تک کڑوا ہو رہا تھا۔ جلتی ہوئی خشمگیں نظروں سے اسے گھور کر آگے بڑھ گیا جو اس کی مہربانی کے بعد تیغ صفت نگاہوں کو محسوس کر کے متحیری بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن سے ہی اس نے آفس جوائن کر لیا۔ گھر میں کراچی ٹرانسفر ہونے کی جو تیاریاں ہو رہی تھیں، وہ ان سے بے خبر نہیں تھا مگر چونکہ اس کا قیام ابھی کچھ عرصے یہیں رہنا تھا سو سب سے الگ اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔

آفس پہنچ کر اس نے سب سے پہلے آغا جان کو فون کیا۔ فی الحال تو وہاں خیریت ہی تھی کیونکہ شہباز خان ابھی وہاں پہنچا نہیں تھا۔ اس لیے کچھ مطمئن ہو کر اس نے گھر فون کر کے اطلاع دی کہ رات گئے تک ہی گھر پہنچ سکے گا اور آفس سے فارغ ہوتے ہی سیدھا اسلام آباد چلا آیا۔

راستے بھر ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا رہا تھا۔ آگے کیا اور کیسے کرنا ہے یہی سوچ اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ دل سے زرمینے کو منکوحہ کی حیثیت سے قبول نہ کرنے کے باوجود اسے اس کے تحفظ اور بقا کے لیے لڑنا تھا کیونکہ یہ تو طے تھا کہ وہ اس کے ساتھ اسی بھروسے آئی تھی کہ اب اس کی آخری جائے پناہ تیمور علی ہی ہے اور یہ بھروسا، یہ یقین اسے آغا جان نے دلایا تھا۔

کرامت حسب توقع گھر پر ہی مل گیا۔ غالباً" وہ بھی ابھی ابھی آفس سے واپس آیا تھا۔ اسے اچانک سامنے پا کر اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ کھل اٹھے۔

"تیمور میرے یار تو۔ یقین کر اگر آج تو نہ آتا تو میں آ رہا تھا تیری طرف۔" اسے والہانہ انداز میں خود سے لگاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ حسب عادت اس نے اسے بڑی گرمجوشی سے بھینچا تھا۔ تیمور نے ایک لمحے کے لیے اپنے یہاں آنے کے فیصلے پر شکر ادا کیا۔ کیونکہ اگر یہ وہاں آجاتا تو زندگی کا مشکل ترین دور شروع ہو جاتا اور آسان تو خیر اب بھی نہ تھا مگر پھر بھی اس سے بہتر تھا کم از کم وہ اماں کو فی الحال کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا ورنہ جس لڑکی کو بے آسرا اور بے بس سمجھ کر وہ اپنی ہمدردیوں سے نواز رہی تھیں، اسے دھکے دینے سے بھی دریغ نہ کرتیں۔

"کیوں تمہیں کیا خواب میں کسی بزرگ نے ہدایت کی تھی میری طرف جانے کی۔" اس نے الگ ہوتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں دریافت کیا تو کرامت بے ساختہ ہنس پڑا اور پھر اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"تو بڑی خبیث شے ہے تیرے لیے خواب میں بزرگ نہیں کسی شیطان کا چیلا ہی آسکتا ہے۔"

"غور سے دیکھنا تھا۔ کہیں وہ تمہارا ہی کوئی شاگرد تو نہیں تھا۔" اس نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے اس پر ٹھنڈا میٹھا طنز کیا تو وہ دل کھول کر ہنس پڑا۔ کیونکہ کسی

زمانے میں وہ اسکول ٹیچر بھی رہا تھا، بعد میں سفارش کے طفیل اسے کسی بیوروکریٹ کا پی اے بننے کا شرف حاصل ہو گیا جسے وہ اب تک تاج کی طرح سر پہ سجائے ہوئے تھا۔

"ایسے کمینے جواب کی توقع صرف تیمور علی جاہ سے ہی کی جا سکتی ہے۔ بہرحال تو بتا، آج میرے غریب خانے کو رونق بخشنے کا خیال کیسے آگیا؟" اپنی بیوی کو آواز دیتے ہوئے اس نے چائے اور کھانے کا ایک ساتھ آرڈر دے دیا تھا۔

کرامت اس کا خاصا پرانا اور بے غرض دوست تھا جس سے یہاں سے جانے کے بعد بھی اس کا رابطہ رہا تھا، چنانچہ واپسی پر جو لوگ اسے اپنے منتظر ملے ان میں کرامت سرفہرست تھا۔ اس کے سوال پہ تیمور ایک لمحے کے لیے چپ سا ہو گیا۔ کیونکہ حقیقتاً" وہ اس کے پاس کام سے ہی آیا تھا اور جھوٹ کی ان کی دوستی میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سوچ کا سہارا لیا۔

"ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں تمہارے پاس ایک کام سے ہی آیا ہوں۔" کچھ دیر بعد جب وہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتا اندر داخل ہوا تو اس نے اس کے بیٹھتے ہی کہہ دیا۔

لہجے کی سنجیدگی اور آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے گواہ تھے کہ بات غیر معمولی نوعیت کی ہے سو کرامت کا متوجہ ہونا بے حد فطری تھا۔ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اور جواب میں اس نے اسے لفظ بہ لفظ ساری داستان سنا دی، جسے سن کر کرامت ایک لمحے کے لیے تو ششدر ہی رہ گیا۔ یہ وہی تیمور تھا جسے شادی اور عورت کے نام سے نفرت ہو چکی تھی۔ جس کی فطری لطافت کسی کی جفا کی آگ میں جل کر راکھ ہو چکی تھی۔

"اوہ۔" کتنی ہی دیر بعد کرامت کے لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا۔ "گھر میں کسی سے شیئر کیا؟"

"نہیں۔" بھنویں سکیڑتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک بار پھر متوقع صورتحال کا نقشہ گھوم گیا۔ اگر واقعی اماں کو پتا چل جاتا تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتیں۔ "تمہیں اماں کا تو پتا ہی ہے نا۔"

"ہوں سو تو ہے۔ ویسے یار! تیرے دادا کو میں سات سلیوٹ کرنے کو تیار ہوں جنوں نے تجھ جیسے کافر کو بیعت کرنے پر مجبور کر دیا۔" ماحول کی کشیدگی کو دور کرنے کے لیے کرامت اب ہنسنے لگا تھا۔ تیمور نے مبہم مسکراہٹ گھنی مونچھوں تلے لبوں میں دبائی پھر بولا۔

"تم سے خراج تحسین وصول کرنے نہیں آیا ہوں میں۔"

"تو اب کیا سلامی لینے کا ارادہ ہے۔ نہ بھائی! وہ تو میں بغیر بھابھی کا چہرہ دیکھے ہرگز دینے والا نہیں۔ پہلے۔"

"کرامت۔" کرامت کی فراٹے بھرتی زبان کو اس نے انتہائی درشتی سے پکار کر بریک لگوائے۔

"وہ تمہاری بھابھی والی نہیں ہے۔ مائنڈ اٹ۔" ایسا زہر تھا اس کے لہجے میں۔ کرامت چند ثانیے کے لیے یک ٹک اسے دیکھے گیا پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"کمال ہے۔ وہ بھلی لڑکی تمہاری منکوحہ تو ہو سکتی ہے مگر میری بھابھی نہیں۔ حیرت ہے کہ جس لڑکی سے خود نے اتنا گہرا رشتہ جوڑ لیا ہے، اس سے مجھے محض تخاطب کا تعلق بھی بنانے نہیں دے رہے۔" آنکھوں میں گہری شرارت اور قدرے سنجیدگی کا تاثر لیے وہ بولا تو تیمور بے چین ہو کر دریچے میں جا کھڑا ہوا۔

ٹرالی میں رکھا کھانا ٹھنڈا ہوا جا رہا تھا۔ تیمور کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطہ کو تک رہی تھیں۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کرامت! کہ وہ سب میں نے مجبوری میں صرف آغا جان کی خاطر کیا ہے۔ دل سے نہ میں نے اسے قبول کیا ہے نہ کروں گا۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔ قطعیت بھرا۔

"تو پھر کیا کرو گے۔ یہ بھی سوچا ہے؟" کرامت اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا، اس کے کندھے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھا تو وہ جیسے کسی خیال سے چونک کر

UrduPhoto.com

مڑا۔ آنکھوں میں بے چینی سی ہلکورے لے رہی تھی۔

"تم نے نکاح کیا ہے تیمور علی! اور نکاح کوئی بودا بندھن نہیں۔ ایک پاکیزہ اور شرعی رشتہ ہے۔ بنا کسی شرعی عذر کے اسے توڑنا گناہ ہے اور پھر تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ممکن ہے بھابھی آئی مین زرمینے نے ایسا نہ سوچا ہو۔ اس کے لیے تمہارا ساتھ محض نجات ہی نہیں آگے کی زندگی کی ابتدا بھی ہو۔"

کرامت بڑی بے دردی سے حقائق کا پردہ چاک کر رہا تھا اور تیمور علی، جس نے اس طرف قطعی دھیان نہیں دیا تھا، کچھ لمحوں کے لیے ساکت سا رہ گیا۔ درحقیقت نکاح کے وقت سے لے کر اب تک اس نے صحیح معنوں میں کسی بھی پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ سوائے اس اذیت بھرے احساس کے جو اس کے اعصاب پر سوار تھا کہ اس نے شیرباز کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لیا ہے جو اس کی غیرت کا مجرم تھا۔

"زرمینے بھلا ایسا کس طرح سوچ سکتی ہے۔ میں نے اسے ایسی کوئی آس نہیں دلائی۔" ذرا دیر بعد وہ بھی ڈھیلے ڈھالے انداز میں کرامت کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ ایک دوست کے سامنے ہی وہ دل کھول کر رکھ سکتا تھا ورنہ گھر میں ایک تو موضوع کی نزاکت دوسرے تمام افراد سے رازداری نہ ہونے کے باعث اسے خاموش ہی رہنا پڑا تھا۔

"تم نے نہیں دلائی مگر تمہارے آغا جان نے تو انہیں کچھ نہ کچھ بتایا ہی ہو گا تمہارے متعلق۔ تم نکاح سے چند گھنٹے پہلے اس حقیقت سے واقف ہوئے۔ ضروری تو نہیں کہ انہیں بھی شارٹ نوٹس پر مسز تیمور علی جاہ بننے کا حکم سنایا گیا ہو۔ یوں بھی یار! یہ لڑکیاں خاص طور پر کم عمر ٹین ایجرز بڑی نازک خیالات کی مالک ہوتی ہیں جن کے دل کچی مٹی کی طرح ہوتے ہیں۔ کسی کے خیال کا گزر بھی اس مٹی پر اپنا نقش بنا جاتا ہے۔ تم تو پھر باقاعدہ نکاح کے مضبوط بندھن میں بندھے ہو۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ۔۔۔"

"واٹس رَبش۔ میں نے کہا تو ہے کہ صرف آغا جان۔"

"آغا جان، آغا جان۔ آخر تم کب تک اس بودے بہانے کے پیچھے چھپے رہو گے تیمور! اگر واقعی تم نے آغا جان کی خاطر ایسا کیا تھا تو پھر اس رشتے کو دل سے بھی قبول کرتے۔ اس طرح ایک لڑکی کی زندگی برباد تو نہ ہوتی۔ کیا آغا جان کا مقصد صرف اور صرف زرمینے کے لیے پناہ تلاش کرنا تھا اگر ایسا تھا تو پھر انہوں نے نکاح پر زور کیوں دیا؟ کیونکہ وہ تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ سمجھتے ہوں گے کہ تم اسے دل سے قبول کرو گے۔ رشتے کا تقدس دو گے مگر تم تو شاید چند دن بعد طلاق۔۔۔"

"کرامت!۔۔۔ اسٹاپ اٹ۔" وہ بے اختیار دھاڑا تھا۔

کرامت سنجیدہ نظروں سے اسے گھورتے ہوئے چپ ہو گیا وہ بے اختیار انگلی سے پیشانی کو مسل رہا تھا۔

اس کے سامنے اصل حقائق کا پردہ چاک کرنے کی صرف کرامت ہی ہمت کر سکتا تھا اور اسے افسوس تھا کہ اس کا دوست اپنی نفرت کی آگ میں ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل کو بھی جلائے دے رہا ہے۔

"دیکھو دوست! میں تمہارے بچپن کا یار ہوں اور اچھے دوست کی پہچان یہی ہے کہ وہ ہمیں ہماری غلطیوں اور خرابیوں سے آگاہ کرے۔ تم نے جس طرح آغا جان کا مان رکھا، ایک بے سہارا بے بس لڑکی کی عزت مال اور جان کا تحفظ کرنے کی کوشش کی وہ قابل تحسین ہے۔ خدارا اپنی نیکی ضائع نہ کرو میری صلاح مانو تو آنٹی کو ساری صورت حال بتا دو اور زرمینے بھابھی کو اپنا لو۔ نئی زندگی شروع کرو۔ نفرت اور ماضی کو بھلا کر ایک نئے دور کا آغاز کرو جس میں خوشیاں اور اعلا ظرفی ہو۔ کیونکہ جو کچھ بری چہرہ اور شیرباز نے کیا اس میں بھابھی کا کوئی قصور نہیں۔ دوسرے میں نہیں سمجھتا کہ تیمور علی جاہ اپنی منکوحہ کو کسی اور کے حوالے کر سکتا ہے۔ جس نے اپنی منگ کا دکھ آج تک سینے سے لگا کر رکھا، وہ اپنی حقیقی نصف بہتر

کو کسی دوسرے کے حوالے کیسے کرے گا۔"

اس کی سبزی مائل براؤن آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے ضبط کے گواہ تھے۔ کرامت نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپکا تو وہ بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم نے بہت دور کی سوچی ہے کرامت!" کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ بے حد بھاری تھا۔ "مگر استدلال اور جذبات ایک ٹریک پر ایک ساتھ نہیں دوڑ سکتے۔ ان کے اپنے اپنے محدود اور مختلف راستے ہیں۔ تم مجھے منطقیں بتا رہے ہو اور میں جذبات کی بات کر رہا ہوں۔ بہت فرق ہے۔ بہرحال تمہاری ایڈوائز کا شکریہ مگر مجھے نہیں لگتا کہ یہ "ورک ایبل" بھی ہے۔ ایٹ لیسٹ میرے لیے تو تقریباً" ناممکن ہی ہے۔"

چاکلیٹی براؤن بالوں میں بے چینی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ بہت اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

کرامت کے بیان کردہ حقائق نے اسے اندر تک چیر کر رکھ دیا تھا۔ محض تین دستخطوں نے زندگی کو ایسے متضاد راستے پر لا ڈالا تھا کہ وہ ہر قدم پر نیا دھچکا کھا رہا تھا۔

"انی وے۔ تم سے صرف اتنا تعاون درکار ہے کہ اگر میرے گھر والوں میں سے کسی کا سامنا ہو تو بات سنبھالے رکھنا۔ تمہاری دوستی کے بھروسے گھر میں تمہارا ذکر کر دیا تھا۔ اب چلوں گا۔"

یکدم وہ اٹھ کھڑا ہوا تو کرامت نے بھی اس کی تقلید کی۔

"ایسے مت جاؤ۔ صائمہ نے تمہارے لیے بطور خاص کباب تلے ہیں اور یہ پلاؤ بھی ہے۔ تم نے کھایا نہیں تو اسے دکھ ہو گا۔" اسے جانے کے لیے پر تولتے دیکھ کر کرامت نے اپنی بیوی کا تذکرہ کیا تو وہ پھیکے پن سے مسکرا دیا۔

تیمور کو نیم دلی سے سہی رکنا ہی پڑا۔

تاہم رات کو واپسی پر اسے اپنے اردگرد کی طرح اندر بھی خاموشی ڈیرے جمائے محسوس ہو رہی تھی۔ کرامت کی باتیں گو کہ اب بھی ذہن میں اودھم مچا رہی تھیں مگر وہ شعوری طور پر انہیں جھٹکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ ماضی کا گزرا ہر ایک لمحہ جیسے اس کے دل پر سے گزرا تھا، اسے بھلانا ناممکن تھا۔

گیٹ پر ہارن دیتے ہی گیٹ کھل گیا تھا، وہ تیزی سے اندر چلا آیا۔ گاڑی لاک کر کے لاؤنج میں داخل ہوا تو سامنے ہی تخت پر اماں کے ساتھ بیٹھی زرمینے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے پُرسوچ نظر اس پر ٹھہر گئی وہ اماں کو سوئی میں دھاگہ پرو کر دے رہی تھی۔

میرون سادہ کاٹن کے سوٹ پر بلیک شال لیے خود سے لاپروا بیٹھی وہ اس کی آمد سے انجان تھی۔ کل شاور لینے کے بعد شاید بال بنا سلجھائے ہی چوٹی میں گوندھ لیے تھے جبھی ہر طرف سے لٹیں باہر نکلی ہوئی تھیں جن کے خم قیامت خیز تھے۔ گھنی پلکوں والی گہری سیاہ آنکھیں اور شہد رنگت والے اطالوی نقوش۔ وہ مکمل حسن رکھتی تھی، ایسا حسن جو بڑے سے بڑے زاہد کے زہد کو گھن لگا سکتا تھا۔

مگر نجانے کیوں اسے اپنے دل کی دھڑکن پہ معمولی سا بھی اثر محسوس نہ ہوا اور یہ شاید اس کی چبھتی ہوئی نظروں کا ارتکاز ہی تھا کہ اچانک زرمینہ نے نظر ترچھی کی تھی اور پھر جیسے اس کے چہرے پر تیزی سے رنگ بکھرے تھے۔ گھبراہٹ، حجاب اور سراسیمگی۔ ہر رنگ اسے مزید دو آتشہ کیے دے رہا تھا۔ تیمور نے بعجلت نظر پھیری۔

"السلام علیکم اماں۔" اس نے سلام کر کے کمرے کی طرف جانے کا قصد کیا۔

"وعلیکم السلام۔" اماں نے اپنی گوناگوں مصروفیت سے مہلت نکال کر سر اٹھایا۔ "جیتے رہو، کہاں رہے اتنی دیر؟"

"کچھ کام تھا۔ اپنے ایک دوست کی طرف چلا گیا تھا۔" اس نے کھڑے کھڑے ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ایک تو یہ کاموں کا تم نے الگ بکھیڑا پھیلا رکھا ہے۔ ارے میں کہتی ہوں، شادی کر لیتے تو یوں کٹی پتنگ کی طرح تو نہ ڈولتے پھرتے۔ جب دیکھو گھر سے

UrduPhoto.com

باہر۔ بیوی بچے ہوتے تو دیکھتی میں، کیسے گھر سے دور بھاگتے تم۔۔۔“ اماں کے ہاتھوں وہ خوب آیا تھا۔

زرمینے کا جھکا سر مزید کچھ ڈگری اور جھک گیا۔ لب کاٹتے ہوئے وہ بالکل گلابی پڑ گئی تھی۔ تیمور نے ایک سلگتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

”ضروری تو نہیں اماں! بعض لوگ ممکن ہے ”اسی“ وجہ سے گھر سے دور بھاگتے ہوں۔“ زہر میں بجھا تیر تھا گویا سید حا ہدف کے دل میں جا ترازو ہوا۔ اطالوی نقوش آزردگی کا تاثر چھپا نہ پا رہے تھے۔ اس نے ”اسی“ پر بطور خاص زور دیا تھا اور وہ نادان تو نہ تھی جو نہ سمجھتی۔

”ہاں بچے! اب تم ہمیں سکھاؤ گے۔ برسوں کے تجربے کو چند ڈگریوں کے بھروسے تیلی دکھاتے ہو۔ تم سے بھلا کون جیتا ہے۔ تمہاری وکالت سے میں باز آئی۔“ اماں نے نہایت کوفت سے اسے بے بھاؤ کی سنا کر بیزاری سے بات ہی ختم کر دی تو وہ زرمینے کے سامنے اماں کے نامناسب رویے پر جزبز ہوتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ آیا۔ گھر میں بے حد خاموشی تھی، اس لیے پلٹ کر واپس آنا پڑا۔

”سب لوگ کہاں ہیں؟“

”زاہدہ (بھابھی) کے چچا کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ دونوں میاں بیوی بچوں کے ساتھ وہیں گئے ہیں۔ میں تو اس بچی سے بھی کہہ رہی تھی گھوم پھر آئے مگر یہ مانی نہیں۔“ اماں نے تفصیل بتاتے بتاتے زرمینے کی طرف اشارہ کیا تو اس کے چہرے پر تناؤ آ رکا۔

”نہیں کہیں بھیجنے کی ضرورت نہیں اماں! پتا نہیں وہ لوگ کس قماش کے ہیں کہاں کہاں آنا جانا ہے ان کا، ان کے باہر جانے میں سخت خطرہ ہے۔“ اس کے لہجے کی سنگینی میں کچھ تھا، اماں نے دہل کر اسے دیکھا۔ جبکہ زرمینے کی پلکیں تحیر اور بے یقینی سے اس کی جانب اٹھی تھیں۔ سوال تھے ان میں۔

”وہ امانت ہیں میرے پاس۔ اس لیے پلیز آئندہ ایسے کسی پروگرام میں شریک کرنے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے دونوں کو ساتھ ساتھ سنایا تھا۔ ”جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔“

”ہائے ربا تو کیا موئے بندوق لیے گھومتے ہیں۔“ اماں سب چھوڑ چھاڑ فکرمندی سے تشویش پر اتر آئی تھیں، بحث سے بچنے کے لیے شانے اچکا کر اٹھ گیا پھر بولا۔

”عزی کب واپس آ رہا ہے کراچی سے؟“

”کل تک تو آنے کا ارادہ تھا۔ اب کہتا ہے، آپ سب لوگ وہاں آ جائیں۔ میں بار بار چکر نہیں لگا رہا۔ عجیب لڑکا ہے۔ اب اگلے پندرہ دن اکیلے رہے گا وہاں۔“

”اکیلے کیوں۔ نشا کی سسرال میں کتنے ہی لڑکوں سے دوستی ہے اس کی۔ ٹھیک کہہ رہا ہے وہ، آپ لوگ جلد از جلد چلے جائیں۔ یہی بہتر ہے۔“ کچھ سوچ کر اس نے کہا تو اماں خائف سی ہو گئیں۔

”کیا اس گھر پر دھاوا بولنے کا ارادہ ہے دشمنوں کا۔“ زرمینے کی طرف گھبرائے ہوئے انداز میں دیکھ کر انہوں نے ہراساں ہو کر پوچھا تو اس کا دل ان کی پریشانی سمجھ گیا۔

”کم آن اماں! ایسا کچھ نہیں۔ آپ فکر مت کریں۔ ہمارا ایڈریس فی الحال نہیں ہے ان کے پاس۔“ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ انہیں سمجھانے لگا تو وہ کچھ مطمئن سی ہو گئیں۔ سو اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔

”نشا مونا واپس آئیں تو مونا سے کافی بنوا کر بھجوا دیجیے گا۔“ جاتے جاتے ہدایت کی۔

”اونہہ! ایک تو اس موئی کافی سے اس کی جان نہیں چھوٹتی۔ مانو نشہ ہے اس کا۔“ اماں اونچی آواز میں بڑبڑائیں۔ زرمینہ چپ چاپ بیٹھی دونوں کو سنتی رہی تھی۔ اب بھی خاموش رہی تو اماں نے ہی اسے پکارا۔

”جاؤ بیٹا! ذرا کھانا پوچھ لو اس سے۔ بڑا لاپروا ہے اپنی جان سے۔ کھانے کے لیے ”ہاں“ کہے تو مجھے بتانا، میں گرم کر دوں گی۔ وہ لوگ تو نجانے کب آئیں ابھی ابھی تو نکلے ہیں۔“

اماں نے شفقت سے کہا۔ درحقیقت وہ چاہتی تھیں کہ جلد از جلد زرمینہ گھر میں بے تکلف ہو جائے۔ صبح سے بالکل خاموش بس ایک جگہ ہی بیٹھی تھی۔ گویا مٹی کی مورت ہو۔ اسے ہلانے جلانے کے لیے انہوں نے قصداً اس سے چھوٹے موٹے کام بھی کروائے مگر پھر وہی ڈھاک کے تین پات۔ تاہم اماں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ ان کا خیال تھا، مصروفیت ہر غم کا علاج ہے سو اس لیے بھی مصروف رکھنا چاہتی تھیں۔

”جج۔ جی۔ میں؟“ اماں کے حکم پر جیسے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اماں جہاندیدہ عورت تھیں۔ اس کی سراسیمگی محسوس کیے بنا نہ رہ سکیں مگر انجان بن کر بولیں۔

”ہاں تم ہی اور بھلا کس سے کہوں گی۔ دیکھو بیٹا! اس گھر میں تمہیں نجانے کتنے دن رہنا ہو، اس طرح سب سے خوفزدہ اور الگ تھلگ رہیں تو چند دن بھی بن باس لگنے لگیں گے۔“

کچھ تھا ان کے لہجے میں، زرمینہ اپنے روم روم پر غلبہ پاتی لرزش کو بمشکل کنٹرول کرتی اٹھی۔ اپنے بابا اور آغا جان کے علاوہ شاید ہی کبھی کسی مرد سے اس نے کلام کیا ہو۔ اس کی اطالوی ماں کے یوں بھاگ جانے کے بعد شیرباز نے بہت سختی میں پرورش کی تھی اس کی، حتیٰ کہ اسے اپنے تایا شہباز خان کے گھر جانے اور اس کے بچوں خصوصاً زمان اور دلاور سے میل جول بڑھانے کی قطعی اجازت نہ تھی۔

اسکول بھی صرف لڑکیوں کا تھا سو وہ اکلوتی ہونے کے باعث مردوں میں صرف بابا سے ہی متعارف تھی اور ان کے انتقال کے بعد آغا جان سے جنہوں نے اسے حقیقی شفقت کے معنی سمجھائے تھے، ان سے مل کر اسے احساس ہوا کہ سارے مرد اس کے بابا شیرباز کی طرح خود سر، سفاک اور بے رحم ہی نہیں ہوتے شفیق، ملنسار اور مربی بھی ہو سکتے ہیں۔

تاہم تیمور سے مل کر اس کے اندر مرد کی تعریف دوبارہ سے وہی ہو گئی تھی یعنی سفاک، بے رحم اور خود سر۔ خصوصاً ”کل کے سفر میں جس طرح اس نے درشتی کا مظاہرہ کیا تھا، اسے اب کوئی خوش فہمی نہ رہی تھی۔ سارے خواب جھلس گئے تھے۔

آغا جان نے جب اس سے ذکر کیا کہ وہ اسے اپنے پوتے سے بیاہ رہے ہیں تو اس کے دل میں لمحہ بھر کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ شخص فولاد کا بنا ہو گا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا، اس کی سرزمین دل کی کچی مٹی پر ایک نقش پا ابھر آیا تھا۔ اسے مٹانا ناممکن ہی تھا۔ سو اس نے کوشش بھی نہ کی۔

صبح ہی نشا اور مونا نے اسے پورا گھر دکھا دیا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ بہت خوب صورت تھی اسے یہ گھر دیکھ کر اپنا لاہور والا گھر شدت سے یاد آیا جہاں ہر شے اس کی منشاء اور خوشی سے لائی اور سجائی گئی تھی۔ جہاں بابا کی سخت گیر مگر بے تحاشا محبت کا حصار اس کے گرد کھنچا ہوا تھا۔

کچن میں آ کر اس نے پہلے کافی بنائی گو کہ اماں نے کہا نہیں تھا مگر تیمور تو ہدایت دے کر گیا تھا، یوں بھی خالی ہاتھ محض اس سے کھانے کا پوچھنے کے لیے جانا اسے ٹھیک نہیں لگا۔ آغا جان کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے ہر طرح کا شہری کام کرنا سیکھ لیا تھا۔ نجانے کب سے وہ اس کی ”ٹریننگ“ کر رہے تھے۔

سلیقے سے چھوٹی سی ٹرے میں کپ رکھ کر وہ اس کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دستک دینے کے بعد بھی جب جواب نہیں ملا تو اس نے کپکپاتی انگلیوں سے دروازہ دھکیلا جو کہ با آسانی کھلتا چلا گیا تھا۔ اندر جھانکا تو گھبرا سی گئی۔ تیمور شاید ابھی شاور لے رہا تھا۔ جب ہی کمرہ خالی تھا۔ اس نے قدرے سکون کا سانس لیا اور اندر چلی آئی۔

بہت سادگی سے سجا تھا اس کا بیڈ روم، نجانے کیوں اس کے اندر کوئی لہر تیزی سے سب کچھ اکھاڑتی پچھاڑتی گزر گئی تھی۔ ایک قطعی نئے اور انوکھے احساس نے اسے چھوا تھا۔ اگر تیمور نے اسے دل میں جگہ دی ہوتی تو آج وہ اس کمرے میں آ کر رکتی مگر۔۔۔

”بعض لوگ دوسروں کے ظرف کا ضرورت سے زیادہ امتحان لے ڈالتے ہیں جیسے آغا جان نے ہم دونوں

UrduPhoto.com

کے ساتھ کیا۔ تیمور ساری زندگی یہ نہ بھلا سکیں گے کہ میں شیرباز کی بیٹی ہوں اور اگر آج بابا زندہ ہوتے تو وہ مجھے گولی سے اڑا دیتے مگر تیمور علی جاہ کے نکاح میں ہرگز نہ دیتے۔ مگر شاید یہ سب یونہی ہونا تھا۔ مجھے تیمور علی کے نکاح میں آنا ہی تھا جب ہی میرے بابا اور بی بی مجھ سے جدا ہو گئے۔ تقدیر نے اسی سبیل سے ہمیں ملانا تھا اور اب جانے کس طرح جدا کرے۔" سامنے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اس کی تصویر دیکھتے ہوئے وہ بے اختیار سوچے گئی تھی۔

"ملے ہی کب ہیں، جو جدا ہوں گے۔" کوئی اس کے اندر گہرے طنز سے ہنسا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا' کوئی نہیں تھا مگر دوسرے ہی لمحے ذرا سی آواز کے ساتھ واش روم کا دروازہ کھلا اور تیمور باہر نکلا تو اسے اپنے سامنے پا کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے جو اپنے یہاں رکے رہنے کی بھول پر سٹپٹا گئی تھی۔

"تم سے کس نے کہا تھا یہاں آنے کے لیے۔" کھردرا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔ زرمینے کی جان فنا ہونے لگی۔

"وہ' وہ چھوٹی نانی نے۔" لفظ بمشکل اس کی زبان پر آئے تھے۔ تیمور جیسے غرا کر آگے بڑھا اور انتہائی درشتی سے اس کا بازو دبوچا۔

"شٹ اپ! تمہارا اماں سے کوئی رشتہ نہیں سمجھیں۔ خاص طور پر پری چہرہ کے حوالے سے تو ہرگز نہیں۔" انتہائی شدید تیور تھے اس کے۔ زرمینہ تو جیسے اس کی گرفت میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ کافی کا کپ انتہائی اطمینان سے قدم بوس ہو چکا تھا اور وہ خوف اور دہشت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جس کے چہرے سے جھلکتا جلال اس کی دھڑکنیں ست کیے دے رہا تھا۔

"خبردار جو آئندہ انہیں اس طرز تخاطب سے پکارا تو۔ سمجھیں۔ تمہیں آغا جان کے کہنے سے اس گھر میں لے آیا ہوں تو یہ مت سمجھنا کہ میری اور شیرباز کی نفرت ختم ہو گئی۔ وہ آگ اس کی موت نے سرد نہیں کی تو یہ چند کاغذ کیا کریں گے۔" اسے جھنجھوڑتے ہوئے وہ غیظ و غضب کی انتہا پر نظر آ رہا تھا۔

زرمینے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بابا نے بھی کبھی اتنے درشت لہجے میں اس سے بات نہیں کی تھی نہ ہی کبھی ان تیوروں کا اس نے سامنا کیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے کسی کی سفاکی اپنے وجود پر محسوس کی تھی۔ پورا وجود لرزیدہ تھا۔ تیمور نجانے اور کیا کہہ رہا تھا اس کے کان سننے سے قاصر تھے۔

اور یکدم اسے لگا جیسے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیلتا چلا گیا ہو اور پھر اس کا پورا وجود جیسے کٹے شہتیر کی طرح زمین پر آ رہا۔ تیمور علی جاہ نے اسے یوں ڈھیر ہوتے دیکھا تو جیسے خواب غفلت سے جاگا۔ اسے بازوؤں سے تھامنے کی کوشش کی مگر وہ حواس کھو چکی تھی۔

"زرمینے۔۔۔ زرمینے۔"

بے اختیار وہ اس پر جھکا تھا۔ اماں گھر میں تھیں اگر یہاں آ جاتیں تو وہ انہیں کیا جواب دیتا۔ اس نے زرمینے کے رخسار تھپتھپائے مگر بے سود' وہ سرسوں کی طرح پیلی پڑ گئی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہ تھا کہ شیرباز اور پری چہرہ جیسے مضبوط اعصاب اور دل گردے والے انسانوں کی پرورش کردہ لڑکی اتنی بے حوصلہ ہو گی۔

"زرمینے! زرمینے! اٹھو ہوش کرو۔" اس کے ریشم جیسے بالوں والے سر کو زانو پر رکھے وہ اسے بے اختیار پکار رہا تھا۔ لہجے میں تفکر تھا۔ اماں کا خوف الگ۔۔۔ مگر وہ بھی جیسے اٹھنے کے لیے قطعی راضی نہ لگ رہی تھی۔ تنگ آ کر اس نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تو وہ ذرا سا کسمسائی اور بالآخر اس نے خوابیدہ سی آنکھیں کھول دیں۔

تیمور پر نظر پڑتے ہی بے اختیار ایک ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ اسے اپنے اتنے قریب پا کر وہ جیسے تڑپ سی گئی۔ تیزی سے اس کے بازوؤں سے نکل کر پیچھے کی طرف سرکی اور دیوار سے ٹیک لگا کر گہری سانسیں لینے لگی۔

تیمور لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا جو اس سے بری

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

طرح خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل اپنے خوفناک اور ہیبت آمیز رویے پر شرمسار سا ہوا مگر دوسرے ہی لمحے اسے لرزتے وجود سمیت اٹھتا پا کر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔

"آئندہ میرے کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں نہ ہی میرا کوئی کام کرنے کی۔ انڈر اسٹینڈ۔ ایسا کوئی حق نہیں دیا ہے میں نے تمہیں۔ آئی سمجھ اب چلی جاؤ یہاں سے۔"

اس کی طرف سے رخ پھیر کر وہ انتہائی سخت اور سفاک لہجے میں بولا تو وہ بمشکل اپنی سسکیاں دباتی باہر نکل گئی تھی۔ تیمور نے بے چین ہو کر دونوں ہاتھوں میں سر کو تھام لیا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے تیمور علی جاہ! تم اپنے نفس کے آگے اتنے کمزور تو نہ تھے کہ بلا تقصیر ایک معصوم لڑکی کو سزائیں دینے پر مصر ہو گئے ہو۔ آخر تمہارے اندر کا وہ مہذب انسان کہاں گیا جو عدل پسند اور حق نواز تھا۔ آخر تم کسے دھوکا دے رہے ہو؟"

اس کے اندر کسی نے بڑی سختی سے عدالت لگائی تھی۔ وہ اپنے آپ سے گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ اماں اکیلی بیٹھی تھیں۔ زرمینے یقیناً اپنے کمرے میں رو رہی ہو گی۔ وہ اپنا بھٹکتا دھیان ہٹانے کی خاطر ان کے پاس آ بیٹھا۔

"کیا ہوا زری نے تم سے کھانے کا پوچھا؟" اس کے بیٹھتے ہی انہوں نے سوال کیا تھا۔

"زری!" وہ اماں کے اس طرح اسے زری کہنے پر کچھ چونکا۔

"ہاں وہی زرمینے' بڑی اچھی بچی ہے۔ نشا نے آج اسے زری کہہ کر پکارا تو رو پڑی۔ بتا رہی تھی اس کے ماں باپ اسے زری ہی پکارتے تھے۔ اس لیے اگر ہم بھی زری کہیں گے تو اسے خوشی ہو گی۔" اماں کی اپنی نرالی منطق تھی۔ اس نے کوفت زدہ ہو کر ٹی وی آن کر لیا۔

"کچھ پوچھا تھا میں نے 'کھانا کھاؤ گے۔"

"نہیں' دل نہیں چاہ رہا۔" وہ اس وقت سخت ذہنی خلجان کا شکار تھا۔

"اچھا تو کافی ہی پی لو میں بلاتی ہوں زری کو۔"

"رہنے دیں اماں پلیز' ویسے بھی مجھے غیروں سے کام کرانے کی عادت نہیں۔" وہ کچھ جھلا گیا تھا۔

"لو تو ہم کون سا پہاڑ کٹوا رہے ہیں۔ ارے بیٹا! مصروفیت ہزار غموں کا علاج ہے۔ بچی سارا دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی تو دو دن گزارنے مشکل ہو جائیں گے۔ اسے مصروفیت کی ضرورت ہے' بہل جائے گی اس طرح۔ یوں بھی لڑکیاں کام کاج کرتے ہی اچھی لگتی ہیں۔ خیر سے ہماری موٹا کو دیکھ لو۔ وہ تو نشا کو سعادت نے سر چڑھا رکھا ہے ورنہ اسے تو میں دو دن میں سدھار دیتی خیر۔" سوئی میں دھاگہ ڈالنے کا شغل چھوڑ کر وہ اس کی بات کے جواب میں بحث پر اتر آئی تھیں۔

تیمور نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ یوں بھی اماں کی باتوں میں صداقت تھی۔ خود اس نے پری چہرہ اور شیرباز کے دیے زخم بھلانے کے لیے پڑھائی میں خود کو مصروف کر لیا تھا۔

"ویسے بیٹا! آج مجھے خیال آ رہا تھا کہ آخر کرامت اس بچی کی شادی کیوں نہیں کر دیتا۔ آخر کو جوان ہے' خوب صورت ہے۔ پھر شادی کے لیے تو میری نظر میں یہی عمر اچھی ہوتی ہے۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اچانک اماں کسی سوچ سے ابھر کر بولی تھیں۔ تیمور نے بے انتہا چونک کر انہیں یوں دیکھا جیسے انہوں نے کوئی ماورائے عقل بات کہہ ڈالی ہو۔ پھر لاپروا انداز میں بولا۔

"یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے اماں! ہو سکتا ہے۔ کرامت کو فوری طور پر کوئی مطلوبہ معیار کا لڑکا نہ ملا ہو۔" دل میں کھٹک ہو رہی تھی مگر وہ بولے گیا۔

"تو کیا ہوا۔ اگر ایسا ہے تو کرامت سے پوچھنا میں دیکھوں گی لڑکا اس کے لیے۔ ماشاء اللہ صورت شکل تو لاکھوں میں ایک ہے۔ جیسے چاند کا ٹکڑا۔" اماں یکدم بڑے ارمان سے بولیں۔

وہ پرانے زمانے کی عورتوں کی طرح کم عمری میں ہی

شادی کی قائل تھیں۔ نشا اور مونا کے بھی مستقل پیچھے پڑی رہتی تھیں مگر انہیں اعلیٰ تعلیم کا خبط تھا۔ سو نشا نے بمشکل ایم اے کے بعد شادی کے لیے ہامی بھری۔ یہ الگ بات کہ اب اماں کے طے کیے ہوئے رشتے سے ازحد خوش تھی۔

یہی حال عزمی اور تیمور کا تھا۔ تیمور ہاتھ آتا نہ تھا اور عزمی کے پاس ایک ہی بہانہ تھا پہلے چچو کی کریں پھر میں کروں گا۔ سو اب انہیں زرمینے کو دیکھتے ہی یہ نیک خیال آگیا تھا۔

اماں کے عزائم سن کر اس کے اندر جیسے جنگ سی چھڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

برق رفتاری سے چلتی جیپ راستے میں آئے چھوٹے چھوٹے کنکر بڑی بے دردی سے اڑا رہی تھی اور اپنے پیچھے ایک غبار سا چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ ناران کی گلیاں جیسے دہل گئیں۔

شہباز خان اپنے دونوں بیٹوں اور چند اسلحہ بردار آدمیوں کے ساتھ تیزی سے آغاجان کے گھر کی طرف روانہ تھا۔

"آج زرمینے کا معاملہ ختم ہی کر دینا بابا جان! مجھے بار بار پھیرے لگانا اچھا نہیں لگتا۔ چاچی پری چہرے کا دادا بہت اکڑ دکھاتا ہے۔" زمان خان کا انتہائی تنفر اور بے زاری سے بھرا لہجہ خشونت کا مظہر تھا۔

"صبر لالہ! صبر۔ کچھ حاصل کرنے کے لیے محنت تو کرنی ہی پڑتی ہے نا۔" دلاور اپنی گھنی براؤن مونچھوں کو تاؤ دیتا اپنی سوچ کو لفظوں کا جامہ پہنا رہا تھا۔ زمان خان نے اسے خشمناک نظروں سے گھورا۔

شہباز خان نے اپنے دونوں بیٹوں پر نظر ڈالی اور غرور سے مسکرا دیا۔

"ہم جیسے اونچے شملے کے لوگ محنت کرنے کے لیے نہیں بلکہ حاصل کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ دلاور خان! زرمینے ہمارا خون ہے ہمارے بھائی کی امانت ہے۔ اسے ہم کسی اور کے ہاتھوں میں بھلا کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔" اس کے لہجے میں لالچ اور خود غرضی کے ساتھ ساتھ درندگی بھی جھلک رہی تھی۔ چہرے کے سن رسیدہ خدوخال میں اب بھی شعلوں کی سی تپش تھی۔ دو جوان بازو اس کے ساتھ تھے۔ اسے کسی کا خوف نہ تھا۔

"مگر وہ بہت نخرہ کرتی ہے بابا۔ اسے شادی کے لیے راضی کرنا شاید اتنا آسان نہ ہو۔" زمان خان نے کچھ دیر سر ہلا کر اتفاق کرتے ہوئے کہا تو شہباز خان کے چہرے پر تناؤ آرکا۔

"نخرہ کرتی ہے تو کرتی رہے۔ اس بوڑھے کو راہ سے ہٹا کر اپنی حویلی اٹھا لاؤں گا۔ یہی حل زیادہ بہتر رہے گا۔" شدید غیض اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگا تھا۔

"ایسا کچھ مت کرنا بابا! بہتر یہی ہے کہ پہلے اسے رام کر کے جائیداد کے کاغذات حاصل کر لیں۔ اس کے بعد کوئی مسئلہ نہیں۔ ہم دیکھ لیں گے اسے۔" دلاور نے پھر سے نئی راہ سجھائی۔ تو بیک وقت شہباز خان اور زمان خان نے اسے قہرآلود نظروں سے گھورا۔

"تو زنانیوں کی طرح بزدلانہ مشورے نہ دیا کر دلاور۔ شرم آتی ہے مجھے تجھ سے۔ مرد کو دو فولادی بازو چوڑیاں پہننے کے لیے نہیں دیے گئے۔" زمان خان نے شہباز کے لفظوں کو جامہ پہنایا تو دلاور منہ بگاڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

شہری تعلیم اور وہاں کے رہن سہن دلاور خان کے اندر کی بربریت اور سفاکی کو ختم تو نہ کر سکے تھے' تاہم اس میں اپنے باپ اور بھائی جتنا غیر ضروری غیرت کا اسٹاک بھی نہیں رہا تھا۔ فطرت اور ماحول نے اس کے اندر کسی حد تک لطیف جذبات بیدار کر رکھے تھے جن کا اظہار اس سے وقتاً "فوقتاً" ہو جاتا تھا اور یوں وہ باپ بھائی کے زیر عتاب آجاتا۔

موسم آج کل گو کہ خاصا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ پہاڑوں پر تو یوں بھی سردیاں جلد ڈیرا جما لیتی ہیں مگر وہ تینوں کھلی جیپ میں سفر کر رہے تھے۔ کچھ تو یہ اچھی غذاؤں کا ثمر تھا اور کچھ سرد مزاجی کا اثر۔

جس لمحے وہ لوگ آغاجان کی حویلی پہنچے' شام ڈھل

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

چکی تھی۔ اپنے آدمیوں کو باہر رکنے کا اشارہ کرتے وہ تینوں اندر آ گئے۔ آغاجان اپنی بیٹھک میں آتش جان کے سامنے آرام کرسی پر براجمان جلتی ہوئی لکڑیوں پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ زرمینے کی کمی اور اس کے مستقبل سے متعلق خدشات انہیں دو دن سے مسلسل بے آرام کیے ہوئے تھے۔

تین سال پہلے وہ ان کی سرپرستی میں اچانک ہی آگئی تھی۔ کچھ بھی تھا۔ پری چہرہ کی ناخلفی اور نافرمانی کے باوجود اس سے انہیں فطری محبت تھی۔ وہ ان کی بڑی لاڈلی پوتی تھی حتیٰ کہ نازک پری جو کہ پری چہرہ سے صرف دو سال بڑی تھی اور بہت فرمانبردار اور تابعدار بھی تھی انہیں نجانے کیوں اتنی عزیز نہ تھی۔

کچھ یہ ہی حال تیمور کا تھا۔ پوتوں میں وہ واحد تھا جسے وہ اپنا دست راست اور سایہ گردانتے تھے۔ اسی لیے ان دونوں کو رشتے کی ڈور میں باندھتے ہوئے وہ بے حد خوش تھے۔

مگر وقت کو کچھ اور منظور تھا۔ پری چہرہ تیمور علی جاہ کے لیے نہ بنی تھی اسی لیے شیرباز خان اسے بیاہ لے گیا اور تیمور نامراد رہ گیا۔ تاہم دس سال جس تیزی سے گزرے' آغاجان نے یہ ہی سمجھا کہ تیمور بھی حالات سے سمجھوتا کر چکا ہو گا مگر اس کا حال مختلف تھا۔

ادھر پری چہرہ اتنی جلدی اپنی عمر کی نقدی ختم کر گئی اور شیرباز زرمینے کو ان کے حوالے کر کے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اسے خود بھی اپنے بھائی اور بھتیجوں کی خصلت کا اندازہ تھا جب ہی ان کے سپرد نہ کیا بچی کو۔

تین سال کا یہ وقفہ خاصا طویل رہا۔ کچھ تو بڑھاپے میں وقت یوں بھی ٹھہرا ہوا لگتا ہے اور کچھ حالات کی سختی نے بھی لمحوں کو منجمد کر دیا تھا۔ ہر ماہ شہباز خان آ دھمکتا اور طریقے طریقے سے زرمینے کا ہاتھ مانگنے کی کوشش کرتا مگر اس ضمن میں آغاجان کا ایک ہی موقف تھا۔

"مرنے والے نے بچی کو تمہارے حوالے نہ کیا' یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ تم پر بھروسا نہ کرتا تھا۔ سو جب بھائی نے بھائی کو قابل اعتبار نہ جانا تو میں کیسے تمہارا اعتبار کر لوں شہباز خان۔" ان کا لہجہ دبنگ اور انداز قطعیت بھرا ہوتا تھا۔

"مرنے والے کو مہلت نہ ملی تھی ورنہ وہ میرا ماں جایا تھا۔ کیسے مجھے نظرانداز کرتا۔" شہباز خان اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے ہمیشہ ہی غلط بیانی سے کام لیتا۔

"تو پھر مجھے کیوں نہ ہدایت کی؟" وہ اسے شکوک بھری آنکھوں سے دیکھتے تو وہ جزبز ہو جاتا۔ تاہم اس کی آمدورفت سے زرمینے بری طرح سہم جاتی تھی۔ شہباز خاں کے جاتے ہی وہ انہیں بہت رحم طلب نظروں سے دیکھتی۔ تو ان کا دل پسیج جاتا۔

"فکر نہ کرو! بچے جب تک میں زندہ ہوں' آخری سانس تک تمہاری حفاظت کروں گا۔ انشاء اللہ۔" صدق دل سے وہ ہر بار اسے تسلی دیتے اور پھر گزرتے وقت نے یہ ثابت بھی کیا۔

شہباز خان اور اس کے بیٹے آہستہ آہستہ زبانی کلامی درخواستوں سے بے زار ہو گئے تو انہوں نے دوسرا طریقہ نکالا' ڈرانے اور دھمکانے کے علاوہ وہ حقیقتاً" بھی انہیں ضرر پہنچانے سے گریز نہ کرتے چنانچہ تنگ آ کر آغاجان نے زرمینے کو اسکول سے اٹھا لیا تاہم چونکہ اس کے مرتے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے ایک خوشگوار زندگی دیں گے سو گھر پر ہی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

مگر جونہی اس نے میٹرک کا امتحان دیا' شہباز خان نے صاف لفظوں میں کہلوا دیا کہ وہ فلاں تاریخ کو نکاح کے لیے قاضی صاحب کو لے کر پہنچ رہا ہے۔ گزرتے دنوں اور ضعیفی نے آغاجان کو کمزور اور نحیف کر دیا تھا شہباز خان کا یہ حکم نامہ انہیں صحیح معنوں میں دہشت زدہ کر گیا۔

پہلی بار انہیں محسوس ہوا کہ ان کے ضعیف' سن رسیدہ' مشفق بازو زرمینے کی ڈھال نہیں بن سکتے۔ اس کے لیے انہیں جوان خون کی ضرورت ہے اور ایسے میں اچانک ہی تیمور کا خیال ان کے لیے امید کا

چراغ بن کر جگمگایا سوانہوں نے اسے بلا بھیجا۔

لیکن اب جبکہ زرمینے جا چکی تھی' انہیں بار بار یہ خیال ستا رہا تھا کہ انہوں نے دونوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ تیمور کے ساتھ تو یہ دوسری زیادتی تھی۔ اس کے ظرف اور تحمل سے بڑھ کر انہوں نے اسے آزما ڈالا تھا اور گو کہ وہ اس آزمائش میں پورا اترا تھا' تاہم اس کی دلی کیفیت اس کی آنکھوں میں تیرتے ڈوروں اور بھنچے ہوئے لبوں سے ہویدا تھی۔

خاص طور پر جب سے زرمینے سے موبائل پر بات ہوئی تھی' انہیں یہ احساس ستا رہا تھا کہ زرمینے خوش نہیں۔ اس کی آواز کیسی روئی روئی سی تھی یقیناً وہ روتی رہی تھی۔ مگر عین ممکن ہے' یہ آنسو رخصتی کے فطری احساس کی وجہ سے بہے ہوں۔ نئی جگہ' نئے لوگ انسان یکدم سب قبول بھی تو نہیں کر پاتا۔" وہ خود ہی سوچتے اور پھر خود ہی تاویل دے کر خود کو مطمئن کرنے کی سعی کر رہے تھے کہ زلف خان نے آ کر شہباز خان کی آمد کی اطلاع دی۔

"بلاؤ اسے اندر۔" زلف خان کی بات پر وہ گہری سوچ سے نکلے تھے۔ بھاری آواز میں تحکم سے کہا تو ملازم سر ہلاتا باہر نکل گیا اور اگلے ہی لمحے شہباز خان اپنے بیٹوں سمیت انتہائی کشیدہ تیور اور غضب ناک انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔

اس دوران آغا جان نے فائل اپنے لاکر سے نکال لی تھی۔ سو جونہی ان کے اشارے پر وہ تینوں بڑے کروفر سے اخروٹ کی لکڑی سے بنے مضبوط منقش صوفوں پر بیٹھے' انہوں نے فائل ان کی طرف بڑھائی اور بولے تو ان کے لہجے میں بلا کا سکوت تھا۔

"اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کوئی سوال کرو' میں چاہتا ہوں تم یہ فائل پڑھو۔"

"کیا ہے اس میں۔" زمان خان نے اکھڑپن سے پوچھا۔

"تم اگر پڑھ سکتے ہو تو پڑھ لو۔" وہ ہنوز پرسکون تھے۔ شہباز خان نے اس دوران فائل تھام لی تھی۔ کھول کر پڑھنی شروع کی تو چہرے کا رنگ متغیر ہوتا چلا گیا۔ جس کے باعث دونوں بیٹے بھی متوجہ ہو گئے۔

"کیا لکھا ہے بابا جان۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔" شہباز یکدم بپھر کر کھڑا ہو گیا۔ ساتھ ہی ان دونوں نے بھی تقلید کی۔

"یہ بکواس نہیں نکاح نامہ ہے زرمینے شیرباز کا۔" جواباً آغا جان نہایت رسان سے گویا ہوئے تو زمان اور دلاور کے چہروں کے زاویے بھی بری طرح بگڑ گئے۔

"کیا بکتا ہے بڈھے! میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا۔" زمان خان ان پر لپکا تھا۔ اگر دلاور خان اسے روک نہ لیتا تو اس سے بعید نہ تھا کہ اپنی بندوق اتار کر نشانہ باندھ لیتا۔

"میں بک نہیں رہا بلکہ تمہیں حقائق سے آگاہ کر رہا ہوں میرے بچوں! یوں بھی اب تم میری ہڈیاں توڑو یا کچھ بھی کرو' زرمینہ اور اس کی جائیداد تو تمہارے ہاتھ لگنے والی نہیں۔"

ان کا لہجہ اب بھی شفیق اور متحمل تھا۔ زمان کی آنکھیں خون رنگ ہونے لگیں۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا چاچا! وہ میرے زمان کی منگ تھی۔" شہباز خان کے تیور انتہائی معاندانہ ہو رہے تھے۔ چہرے سے درشتی اور غیض و غضب نمایاں تھا۔ تاہم بیٹوں کو چپ رہنے کا اشارا کیا۔

"منگ اونہہ۔" آغا جان یکدم استہزائیہ ہنس پڑے۔ "تمہارے خاندان میں کسی دوسرے کی منگ کو ورغلایا جا سکتا ہے تو پھر یہ حق تم کسی اور کو کیوں نہیں دیتے۔"

"چاچا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ میں جرگہ بلاؤں گا۔ تم نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم نے۔"

"خاموش۔" انتہائی کھردرے لہجے میں انہوں نے یکدم گونج دار آواز میں کہا تو شہباز خان کو چپ ہونا پڑا۔ "جو کچھ میں نے کیا زرمینے کی بھلائی کی خاطر کیا۔ تیمور میرا پوتا ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اپنا عہد کس طرح نبھاتا ہے۔ وہ تمہاری طرح دولت کا لالچی اور زر پرست نہیں۔"

"مگر وہ ہمارا دشمن ہے۔ تم نے اس سے زرمینہ کو بیاہ کر اچھا نہیں کیا چاچا۔" دلاور خان کافی دیر بعد بولا تھا۔

"زرمینے جس کا نصیب تھی' اس تک پہنچ چکی ہے۔ تقدیر نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے بچے۔ اب عافیت اسی میں ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی رضا کے آگے سر جھکا دیا جائے۔"

ان کا رخ دلاور اور زمان خان کی طرف تھا جن کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

"بکواس بند کرو۔ میں نہ تمہیں زندہ چھوڑوں گا نہ تیمور علی جاہ کو۔ سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" زمان خان کے سر پر خون سوار ہو چکا تھا۔

"صبر۔ لالہ صبر۔" دلاور بمشکل اسے قابو کر رہا تھا۔

تاہم دوسری طرف آغا جان اسے نہایت ترحم سے دیکھ رہے تھے۔ جس کی بے بسی شدید غصے میں ڈھل رہی تھی۔ چہرے پر تنفر اور انتقام لکھا نظر آ رہا تھا۔

"میں جرگہ بلاؤں گا چاچا۔ تم نے ایک بڑی مصیبت کو آواز دی ہے۔" شہباز خان نے کھولتے ہوئے بیٹے کے کندھے پر بمشکل ہاتھ رکھ کر اسے روکا اور پھر بڑی بے رحمی سے بولا تو آغا جان ہولے سے مسکرا دیے۔

"چلو کسی طرح تو تم لوگوں نے خود کو پہچانا۔" ان کا اشارہ مصیبت کہنے کی طرف تھا۔ وہ تینوں بری طرح جھلے۔

"یوں ہے تو یوں ہی سہی چاچا! تم نے ہم سے دشمنی مول لی ہے۔ ہماری لڑکی لی ہے تم نے۔" شہباز خان بری طرح تاؤ کھا رہا تھا مگر یہ فیصلہ جرگے میں کر کے وہ آغا جان کو ذلیل کرنا چاہتا تھا۔

"یاد کرو۔ کبھی اسی طرح ایک لڑکی تمہارے خاندان والوں نے بھی چھینی تھی ہم سے۔ وہ بھی کسی کی منگ تھی۔ مگر ہم اس لیے چپ رہے کہ شیرباز کے ساتھ زندگی گزارنے میں اس کی رضا' اس کی خوشی تھی۔ سو اب اسی طرح تم بھی خاموش ہو رہو کہ جو کچھ ہوا اس میں صد فیصد زرمینے کی خوشی اور رضا شامل ہے اور اب چلے جاؤ یہاں سے۔ آج کے بعد اس طرف کا رخ مت کرنا۔ میرا تم سے کوئی واسطہ' کوئی رشتہ نہیں اور جس سے تمہارے مطلب کا تعلق جڑا تھا وہ یہاں سے جا چکی ہے۔ جرگے کی دھمکی سے میں ڈرنے والا نہیں۔ علاقے کا بندہ بندہ جانتا ہے کہ تم کیا چاہتے تھے۔ سو اب نکل جاؤ میرے گھر سے۔ یہ دہلیز اب کبھی پار نہ کرنا۔"

بالآخر وہ غصے اور غضب کی سرحد تک جا پہنچے تھے۔ زمان خان دلاور کے مضبوط بازوؤں میں پھڑپھڑا رہا تھا بس چلتا تو سامنے موجود ضعیف وجود کے پرخچے اڑا دیتا۔

"چلا جاتا ہوں بابا! مگر تم یاد رکھنا۔ تم نے شہباز خان سے ٹکر لی ہے۔" شہباز خان کچھ پست ہو گیا تھا تاہم ظاہر نہ کرتے ہوئے اپنی ازلی رعونت اور خشونت سے بولا۔

"میں اس بے غیرت لڑکی اور اس کے اغوا کرنے والے کو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔ دیکھتا ہوں' کہاں بچ کر جاتے ہیں۔" زمان خان غرایا۔ اس لمحے اس کی آنکھیں کسی ایسے بھیڑیے کی طرح چمکتی تھیں جس کے آگے کوئی تازہ اور صحت مند شکار ہو۔

"اللہ سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کی رضا رہی تو تم ان دونوں بچوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔ یہ میرا ایمان ہے اور یہی میری دعا اب جاؤ مجھے آرام کرنا ہے۔" اس کی دھمکیوں پر وہ بردباری سے بولے۔

"کر لو آرام بزرگوار۔ زیادہ دن اس سکون سے نہ سو سکو گے۔" جاتے جاتے وہ تلملا کر دھمکیاں دیتا رہا آغا جان جواباً محض دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے رہے مگر جونہی شہباز خان نے ان کی دہلیز پار کی' وہ بے اختیار سجدے میں جا گرے تھے۔

"یا اللہ العالمین! میرے بچوں کی حفاظت فرما۔"

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

UrduPhoto.com

جان کی محبت اور اصرار سے مجبور ہو کر وہ زرمینے سے شادی کرلیتا ہے' البتہ اپنے گھر والوں سے وہ اس کا تعارف اپنے ایک بے حد قریبی دوست کرامت کی کزن کی حیثیت سے کرواتا ہے. جس کی جان و عزت کو اس کے دشمنوں سے خطرہ ہے۔ گھر والے خوش دلی سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ زرمینے کی سادگی و سیرت نے سب کے دل جیت لیے تھے مگر تیمور ہنوز اسے دشمن کی بیٹی سمجھنے کے سوا کچھ ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وقت آنے پر وہ اس کو طلاق دے دے گا۔

پھر ایک دن شہباز خان اپنے بیٹے کے ساتھ آغا خان کے گھر پہنچا اور زرمینہ کا مطالبہ کیا اور اس کے نکاح کا سن کر برے انجام کی دھمکیاں دیتا ہوا واپس چلا گیا۔

دُوسری قسط

جس تیزی سے کراچی جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اسی شد و مد سے عزیز و احباب اور ملنے جلنے والوں سے الوداعی ملاقاتیں بھی کی جا رہی تھیں۔ زرمینے کو حیرت ہو رہی تھی کہ اتنے سال یہاں گزارنے کے باوجود وہ لوگ جاتے ہوئے خوش اور ایکسائیٹڈ تھے' شاید کئی سالوں سے پروگرام طے تھا اس لیے ذہنی طور پر سب تیار اور خوش تھے۔

اس شام بھی سعادت لالہ ان سب کو لے کر گئے ہوئے تھے۔ تیمور آفس سے واپس آ کر ٹی وی کے سامنے بیٹھا بظاہر تو نیوز سن رہا تھا مگر ذہن کی پرواز کہیں اور تھی۔ وہ ہمت مجتمع کرتی اس کے داہنے طرف رکھے صوفے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"کیا بات ہے۔ کچھ کہنا ہے کیا؟" سخت لہجہ ہمت پسپا کرنے کی ساری صلاحیتیں رکھتا تھا۔ زرمینے کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔

"جج.....جی۔"

"تو پھر کہو۔ کیا سوچ رہی ہو کھڑی۔" صوفے کی بیک سے پشت لگاتے ہوئے وہ کسی جابر مطلق العنان کی طرح نظر آ رہا تھا۔

"جی وہ میں کراچی نہیں جانا چاہتی۔" ذرا سا جملہ بولنے میں لگا اس کی تو جیسے جان نکل گئی تھی۔ تیمور کی بھنویں بری طرح تن گئی تھیں اس بات پر۔

"کراچی نہیں جانا تو کیا اپنے ابا کے پاس جانے کا ارادہ ہے۔" طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اسے سخت خشمگیں نظروں سے گھورا تو زرمینے کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔

"یہاں تمہارے لیے خطرہ ہے تمہارے تحفظ کے لیے میں یہ ہی درست سمجھتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے دور بھیج دیا جائے۔" کچھ دیر وہ ۔ نہ بول سکی تو اس نے خشونت سے کہا۔

"مم۔ مگر۔ آغا جان میں.....میں آغا جان سے اتنا دور نہیں جانا چاہتی۔" دل کی بات کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ تیمور قدرے نرم پڑ گیا اس کی حالت پر۔

"ہمیشہ وہ ہی نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں محترمہ۔ اگر ایسا ہوتا تو زندگی میں سمجھوتہ نام کی کوئی چیز نہ ہوتی۔ بہرحال آغا جان نے تمہیں میرے سپرد کیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے مجھے بحث مباحثہ پسند نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم بھی اپنا مائنڈ میک اپ کرلو' آگے وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ انڈر اسٹینڈ۔"

اس کا قدرے نرم لہجہ تلخی کی آنچ..... سے یکدم سلگنے لگا تو زرمینے نے بے اختیار اسے دیکھا تھا۔

"تو گویا تم مجھے باندھنا چاہتے ہو تیمور علی جان۔ مگر کس بنیاد پر؟ کس حق کے تحت؟" اس کی آنکھوں میں سوال رقم ہو رہے تھے۔ تیمور نے قصداً" نظر پھیری۔

"جاؤ اور جا کر اپنا سامان پیک کرلو۔ زندگی میں بعض موڑ ایسے بھی آتے ہیں جب انسان کو جذبات سے زیادہ حالات کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ آغا جان کو بھی تمہارا تحفظ عزیز ہے۔ اس لیے وہ بھی اس فیصلے سے خوش ہیں۔ تم چاہو تو ان سے فون پر بات کر سکتی ہو۔"

خشک اور سرد لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل

UrduPhoto.com

اس کی طرف بڑھا دیا تھا جسے مرتعش انگلیوں سے تھام کر وہ پلٹ آئی تھی۔ دل پر جیسے کسی نے منوں بوجھ لاد دیا تھا۔

چند سالوں میں وہ آغا جان سے اتنی اٹیچ ہو گئی ہے اسے ذرا اندازہ نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

تیز رفتار جیپ کو خطرناک انداز میں بریک لگائے گئے تھے کہ ٹائروں کے نیچے آئے کنکر اس ناگہانی افتاد پر احتجاج کرا ٹھے تھے۔

"لگتا ہے زمان واپس آگیا ہے۔" شہباز خان ہمہ تن گوش تھا' اس لمحے زمان کی جیپ کی مخصوص آواز پر وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خان جی زمان خان جی آگئے ہیں۔" اسی لمحے ملازم نے آ کر مودبانہ اطلاع دی تھی جس پر شہباز خان کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ مڑ کر ساتھ کھڑے دلاور کی طرف دیکھا۔

"یقیناً وہ کام کی اطلاع لے کر آیا ہے دلاور۔"

"ہاں بابا! مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" دلاور نے مدھم مسکراہٹ سمیت جواب دیا تھا۔

"آخر بیٹا کس کا ہے وہ۔ شہباز خان کا۔" شہباز خان کا لہجہ پر غرور تھا۔ دلاور خان خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا مگر اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل کر زمان خان کا استقبال کرتا وہ اندر داخل ہوا تھا۔

چہرے پر کامیابی کی خوشی سرخی بن کر دوڑ رہی تھی۔ باپ اور بھائی کے چہروں پر لکھے یقین کے تاثرات دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"اس بڈھے نے تو اپنی طرف سے کسی کو بھی تیمور کا پتا بتانے سے منع کر دیا تھا مگر مجھے بھی انگلی ٹیڑھی کرکے گھی نکالنا آتا ہے بابا....."

سیاہ واسکٹ کی اوپری جیب سے ایک صفحہ نکالتے ہوئے وہ خوشی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ ہے اس کا پنڈی والا پتا۔"

"شاباش زمان شاباش۔" شہباز خان کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی خوشی اور غرور کے ملے جلے انداز میں زمان خان کی پشت تھپتھپائی۔

"مگر تمہیں اتنی دیر کہاں ہو گئی؟" دلاور خان نے سوال کیا۔

"بس اس بڈھے کے وفاداروں کی زبانیں کھلوانے میں وقت لگ گیا بہت کم لوگوں کو اس کے اصل ٹھکانے کا پتا تھا کیونکہ یہاں سے جانے کے بعد تیمور کی ماں نے اپنے سارے تعلقات ختم کرلیے تھے ناران اور ناران والوں سے....." چادر کا ایک سرا مخصوص انداز میں جھاڑ کر اپنے کندھے پر ڈالتے ہوئے زمان نے دھیرے دھیرے تفصیل سنانا شروع کردی۔

"اب کہو بابا۔ آج شام کو نہ نکل چلیں پنڈی۔" بات کے اختتام پر زمان خان نے عجلت کا مظاہرہ کیا تو سنجیدگی سے سوچتا شہباز خان بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں۔ اتنی جلدی نہیں۔ آج موسم کے تیور کچھ اچھے نہیں۔ بارش یا ژالہ باری کے آثار لگ رہے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کھلی جیپ میں سفر کرنے کی عادت ہے۔"

"مگر بابا....."

"اگر مگر کچھ نہیں زمان خان۔ تمہیں معلوم ہے ناکہ میں ایک بار ہی فیصلہ کرتا ہوں اور میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔"

کچھ سوچتے ہوئے شہباز خان نے قطعیت سے اس کی بات کاٹ کر فیصلہ کن لہجہ میں کہا تو زمان خان اپنی جگہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"منشاء اور مونا اماں اور زاہدہ بھابھی کے ساتھ آج پھر کسی کے گھر ملنے گئی ہوئی تھیں۔ سعادت لالہ زرمینے کی وجہ سے رک گئے تھے۔ اسے ساتھ چلنے کے لیے سب نے بہتیرا کہا تھا مگر وہ اندر سے بہت خوفزدہ تھی اور شہباز خان کی سفاکی سے اچھی طرح واقف بھی۔ جب ہی لاکھ سب کے اصرار پر بھی اس نے ساتھ نہ جانے کے فیصلے میں ترمیم نہیں کی۔

دوسری طرف تیمور نے بھی اسے گھر سے نکلنے کے لیے منع کر رکھا تھا ان سب کے ساتھ جانا تیمور کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف تھا سو وہ گھر پر رکی رہی۔

آنے والی زندگی کے سارے راستے نہ صرف پیچیدہ اور گنجلک دکھائی دے رہے تھے بلکہ ان پر چلنے والے ہمراہی کی بے اعتنائی اور بے گانگی اسے اندر ہی اندر مایوس اور ہراساں کرگئی تھی۔

تیمور کے گھر والوں کا رویہ بہت مہربانہ اور دوستانہ تھا مگر وہ جانتی تھی کہ جس دن اس کے "اصل" سے وہ سب واقف ہوئے یہ محبت بھری چھاؤں چلچلاتی دھوپ بننے میں ذرا وقت نہ لے گی لیکن فی الوقت اس کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ آغاجان نے جس کی پناہ میں اسے دے دیا ہے وہاں خاموشی اور صبر سے وقت گزارتی رہے۔

نجانے کن کن سوچوں نے اس کا حصار کر رکھا تھا کہ تیمور کی گاڑی کے ہارن پر وہ خود میں واپس لوٹی عجیب سی بات تھی' وہ تیمور سے جتنی خوفزدہ تھی اتنی ہی اس کے گھر آجانے سے تقویت کا بھی احساس ہوتا تھا۔ شاید اس لیے کہ کمزور سہی رشتہ اسی سے تھا۔

لاؤنج سے دونوں بھائیوں کی آوازیں آرہی تھیں وہ باہر نکلی تو سعادت لالہ کہیں جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

"میں ذرا اپنے ایک دوست سے ملنے جارہا ہوں واپسی پر ان چاروں کو بھی پک کرنا ہے بیٹا! آپ کو زحمت نہ ہو تو اس سے کھانے کا پوچھ لینا۔" تیمور سے بات کرکے وہ اس کی طرف پلٹے تو اس نے بات سن کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

سعادت تیمور سے مزید کچھ کہہ کر چلے گئے تو وہ کچن کی طرف جانے کا سوچنے لگی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے لیے کچھ گرم کرکے لائے یا نہیں کیونکہ پچھلی بار کی عزت افزائی اسے بھولی نہیں تھی۔ ابھی اسی ادھیڑبن میں تھی کہ تیمور خود کچن کی طرف جاتا نظر آیا۔

کیا کرتی جی کڑا کرکے خود بھی پیچھے چلی آئی۔ وہ اس وقت فریج میں جھانک رہا تھا جسے نظر انداز کرکے اس نے آگے بڑھ کر اوون کھولا اور ہاٹ کیس میں رکھا کھانا نکال کر مائیکرو ویو اوون میں گرم کرنے کو رکھ دیا۔

تیمور نے کچھ چونک کر خفگی سے اسے دیکھا تھا۔ جس پر وہ کچھ سٹپٹا سی گئی تھی۔

"یہ میں نے نہیں بنایا صرف گرم کررہی ہوں' پلیز کھالیجئے گا۔ مونا کی دادی کہہ کر گئی تھیں مجھ سے۔" اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس نے جھکے سر سمیت کہا تو تیمور اس کے "مونا کی دادی" کہنے پر بھنویں سکیڑتا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ٹرے میں کھانا رکھے باہر آئی تو تیمور صوفے پر بیٹھا نجانے کس سوچ میں گم تھا۔ چہرے پر سوچوں کی تلخی تاثرات بن کے بکھری ہوئی تھی۔ زرمینے کے قدم کچھ سست سے پڑنے لگے کیونکہ آہٹ پر چونک کر اس نے جن معاندانہ نظروں سے اسے دیکھا تھا یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ سوچوں کا مرکز کون ہے۔

وہ خاموشی سے کھانا رکھ کر پلٹ رہی تھی کہ دروازے کی بیل بج گئی۔ مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جسے نظر انداز کرتا تیمور لاؤنج کے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ جو بھی تھا بہت عجلت میں تھا جب ہی بیل پر ہاتھ رکھ کر ہٹا نہیں رہا تھا۔

زرمینے کا دل کسی ناگہانی کے احساس سے دھڑک اٹھا۔ بے اختیار قدم دروازے کی طرف بڑھے تھے مگر اگلے ہی لمحے وہ جیسے اپنی جگہ منجمد ہوگئی تھی۔ سامنے سے آتے تینوں اشخاص اس کی زندگی کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

شہباز خان' دلاور خان اور زمان خان کے ساتھ تیمور علی جاہ بھی تھا۔ جس کے چہرے پر پتھریلے تاثرات ماضی کی تلخیوں کے گواہ تھے اور جس کے ماتھے پر شکنوں کا جال آج کی نفرتوں اور عداوتوں کا گواہ اور جس کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہورہی تھیں۔

"بیٹھنے کو نہیں کہو گے تیمور علی جاہ۔ آخر کو ایک پٹھان میزبان ہو تم۔"

شہباز خان نے اندر داخل ہوتے ہی سفید پڑتی زرمینے کو فاتحانہ نظروں سے دیکھ کر تیمور کو مخاطب کیا تو وہ شدید غیظ و غضب سے بھرا دو قدم بڑھ کر اس کے سامنے آگیا۔

"میری دہلیز پر زندہ کھڑے ہو شہباز خان! کیا یہ کافی نہیں۔" لہجہ تھا یا انگارے اگلتا تیر۔ سیدھا مخاطب کے دل میں پیوست ہوا تھا۔

"میں یہاں جھگڑا کرنے نہیں آیا تیمور جاہ! مجھے میری بھتیجی واپس کردو بس۔" شہباز خان نے یکدم رعونت بھرے لہجے میں دو ٹوک کہا تو تیمور کی سرخ انگارہ آنکھوں سے جلال ٹپکنے لگا۔

"تمہاری بھتیجی میری منکوحہ ہے شہباز خان اور اب اس کی زندگی میرے اختیار میں ہے۔ یہ وہیں رہے گی جہاں میں چاہوں گا۔" وہ بولا تو لہجے میں جیسے شرارے برس رہے تھے۔

شہباز خان کو جیسے کسی نے للکارا تھا اس لمحے زمان خان کی اٹھتی بندوق کی نالی کو ایک ہاتھ سے نیچے کرتے ہوئے وہ یک دم خشمگیں ہوگیا تھا۔

"یہ میرے بیٹے کی منگ تھی۔ اس سے تم کیسے نکاح کرسکتے ہو؟"

"جیسے تمہارے بھائی نے میری منگ سے کیا تھا۔ مت بھولو شہباز خان! اس جھگڑے کی ابتدا تمہارے گھر سے ہوئی تھی۔ دوسرے کی منگ پر تسلط جمانے کی روایت تم لوگوں کی ہی ڈالی ہوئی ہے۔" تیمور کا لہجہ آہنی تھا۔ پیچھے کھڑی زرمینے کے دل کی رفتار تو دونوں فریقین کے انداز گفتگو سے ہی تھمتی جارہی تھی۔

"مگر پری چہرہ نے اپنی خوشی سے شیر باز ساتھ نکاح کیا تھا۔" شہباز خان تلملا کر بولا۔

"تو جبر میں نے بھی نہیں کیا ہے تمہاری بھتیجی پر' چاہو تو پوچھ لو۔"

"بکواس بند کرو تیمور علی جاہ! میں تمہارے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔" زمان خان سے اب برداشت نہ ہوسکا۔ دلاور نے سرعت سے اسے پیچھے کھینچ نہ لیا ہوتا تو اس کی بندوق کا پچھلا سرا تیمور کو زخم پہنچا چکا ہوتا۔

"جواب میں تمہیں بھی یہی سب سہنا ہوگا زمان خان۔" اس کا سرد لہجہ انتہائی سفاکی لیے ہوئے تھا کچھ تھا' اس کے انداز میں کہ وہ تینوں ٹھٹھک سے گئے تھے۔

"تمہارے کہنے کا مطلب؟"

"مطلب تو صاف واضح ہے۔ میں نے ایک بار تو تمہارے خاندان کو معاف کردیا تھا۔ مگر اب نہیں۔ کوئی میری غیرت کو للکارے میں خاموش نہیں رہوں گا شہباز خان! تمہیں اپنے دونوں بیٹے پیارے ہیں تو انہیں سمجھاؤ۔ سوئے ہوئے شیر کو نہ جگائیں "اسی میں بھلائی ہے ان کی۔" اس کا لہجہ سخت' سرد اور تلخ تھا۔ "یوں بھی کسی کی منکوحہ پر حق جتانے کا اب تم لوگوں کو کوئی اختیار نہیں رہا۔"

"منکوحہ... اونہہ....." زمان خان زیر خند ہوگیا۔ "تم نے محض انتقام لینے کے لیے نکاح کیا ہے زرمینے سے...."

"اور تمہیں دولت چاہیے اس کی۔ کوئی خاص فرق تو نہیں تم میں اور مجھ میں۔" اس کی بات کی نفی نہ کرکے اس نے عقب میں کھڑی زرمینے کے دل کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بے اختیار اسے ان چاروں سے خوف محسوس ہوا تھا۔ کوئی بھی تو اس کا حامی نہیں تھا۔ کسی کو بھی تو اس سے ہمدردی نہیں تھی۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ اس نے آغاجان کے کہنے سے نکاح کیا ہے اس سے مگر آج اندازہ ہوا' وہ اس سے بابا اور ماں کی غلطیوں کا کفارہ لینا چاہتا ہے۔

"مگر ہم اپنی چچازاد کو دشمنوں کے حوالے نہیں کرسکتے۔" دلاور خان کافی دیر بعد بولا تھا۔

"اور میں اپنی منکوحہ کو....." تیمور سنجیدہ تیوروں سے اس کی طرف مڑا۔ "میرا خیال ہے دلاور خان کہ تم ان دونوں سے بہتر سوچ سکتے ہو۔ قانون اور جرگے ہر ایک کی رو سے میں ہی حق پر ہوں۔ تم چاہو تو مجھے کہیں بھی چیلنج کرسکتے ہو۔ اپنے باپ اور بھائی کو سمجھاؤ۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ تم لوگ وقت گنوا چکے ہو' اب عزت نہ گنواؤ تو بہتر ہے۔ پہلے تو میں نے آغاجان کی خاطر خاموشی اختیار کرلی تھی مگر اب نہیں۔"

اس کا بے لچک انداز سخت بے خوفی کا مظہر تھا۔ شہباز خان کا ذہن تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

"تو گویا تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو۔" زمان خان تو یوں بھی باپ اور بھائی کی غیر معمولی خاموشی سے بپھرا ہوا تھا تیمور کا لفظ لفظ اس کی سفاکیت کو جگا رہا تھا۔

"دھمکی وہ دیتے ہیں جو کچھ کر نہیں سکتے زمان خان اور میں کیا کرسکتا ہوں' اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ میرا پچھلا ادھار ہی ابھی باقی ہے۔ نیا کھاتہ نہ کھلے تو اچھا ہے۔" اس کی آنکھوں میں نفرت کی جو گہری چمک تھی اس نے لمحہ بھر کے لیے زمان خان کو لب بھینچنے پر مجبور کردیا۔

"تو چلو پھر ایک سمجھوتا کرلیتے ہیں۔ تمہیں اپنا انتقام لینا ہے تو لڑکی تم رکھ لو اور جائداد ہمیں دے دو۔" دلاور

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ
ائیر ہوسٹس
اب دو حصوں میں شائع ہوگئی ہے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۷، اردو بازار کراچی

UrduPhoto.com

خان اچانک ہی کہہ اٹھا۔ تیمور نے بھنویں سکیڑ کر اسے تلخ نظروں سے دیکھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو دلاور....." زمان خان بری طرح بھڑکا جس پر دلاور نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پیسہ جائیداد کے علاوہ زمان کی نظر زرمینے کے بے داغ حسن پر بھی تھی۔ سالوں سے شہباز خان نے اسے بتا رکھا تھا کہ وہ اس کی منگ ہے۔ وہ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔

"نہیں۔ میں کسی سودے بازی کے لیے تیار نہیں۔"

زرمینے کے دھڑکتے دل نے یہ الفاظ سنے تو جیسے دل پر لگنے والے زخموں پر کسی نے نمک چھڑک دیا۔ تیمور علی جاہ ایک نہایت خود سر، جری اور منتقم المزاج شخص کی صورت سامنے آیا تھا۔ اسے بیک وقت ان چاروں سے ہی خوف آ رہا تھا جب ہی دیوار کے سہارے کھڑی وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ نجانے یہ سب اس کی قسمت کا کیا فیصلہ کرنے والے تھے۔

"تو میں بھی کسی مصالحت اور دوستانہ طرز عمل کے لیے تیار نہیں۔" زمان خان نے خونخوار لہجے میں کہتے ہوئے بندوق اچانک اس پر تان لی تو سب ہی گھبرا گئے۔ زرمینے ایک دل دوز چیخ مار کر بے اختیار تیمور کی پشت سے آ لگی تھی۔

کچھ دیر کے لیے تو وہ جیسے اس کی موجودگی سے غافل ہی ہو گیا تھا اب جو اس نے عقب سے آ کر اس کی شرٹ کو دونوں ہاتھوں میں دبوچا تو اسے احساس ہوا۔

"تم حد سے گزر رہے ہو زمان خان۔" وہ غصیلے لہجے میں بھڑکا۔

"حد سے تم بھی گزرے ہو تیمور علی جاہ۔ جب تمہیں پتا تھا کہ زرمینے میرے بیٹے کی منگ ہے تو تم نے اس سے نکاح کیوں کیا؟"

"تیمور علی جاہ اپنے کسی فیصلے کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ سترہ سال بعد سہی شہباز کے خاندان سے میں نے اپنا انتقام لے لیا ہے۔ اب تم اپنے انجام کی فکر کرو۔" شہباز خان کی بات پر اس نے گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے یک دم پر سکون لہجے میں کہا تو وہ تینوں کچھ حیران سے رہ گئے۔ جب ہی یک دم اس نے مڑ کر زرمینے کی طرف دیکھا۔

"جاؤ زرمینے! جا کر گیٹ کھول دو۔ کچھ مہمان اور آ گئے ہیں۔"

"ج.....جی....." زرمینے نے نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی وضاحت کرتا، دھڑ دھڑ کرتے کتنے ہی پولیس آفیسرز اندر چلے آئے۔

"ہینڈز اپ یو آل....." ایس ایچ او فیروز بٹ کی گونج دار آواز سے ان تینوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ زرمینے ان چند منٹوں میں اس بری طرح بوکھلا چکی تھی کہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔

"ٹیک اٹ ایزی۔ تم اندر جاؤ۔" تیمور نے مڑ کر قدرے تحکم سے کہا۔ پھر آفیسر کی طرف مڑا۔ "تھینک فیروز! تم وقت پر آ گئے۔"

"یہ..... یہ سب کیا ہے تیمور علی؟" شہباز خان سمیت دونوں بیٹے جیسے شاک میں تھے۔ تینوں کو ایس ایچ او کے اشارے پر ہتھکڑیاں لگا دی گئی تھیں۔

"یہ سب تمہاری کرنی کا پھل ہے شہباز خان! جس لمحے تمہیں میرا ایڈریس ملا اس سے پہلے ہی مجھے زمان خان کی بربریت کی داستان سننے کو مل گئی تھی۔ صرف ہمارے وفادار بکاؤ نہیں ہوتے۔ شہباز خان تمہارے بھی کچھ دوست ہمارے ساتھی بن گئے ہیں۔ بہر حال جب تم گھر سے نکلے مجھے اطلاع مل چکی تھی اسی لیے گھر واپسی پر میں فیروز بٹ کو انفارم کرتا آیا تھا۔" اپنے مخصوص پر سکون انداز میں وہ اسے ساری تفصیل سنا رہا تھا۔

"اب اپنے جتنے کانٹیکٹس چاہو الرٹ کر دینا۔ تم اس بار بچ کر نہیں نکلو گے شہباز خان۔" فیروز بٹ نے سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اسلحے اور منشیات کے غیر قانونی دھندے کے خلاف بہت ثبوت اور شواہد جمع ہو چکے ہیں۔ تمہیں اس جال سے نکلنا بہت مشکل ہو گا۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔ ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" زمان خان چلا اٹھا۔

"اب اپنی صفائی تم کورٹ میں پیش کرنا خان! فی الحال تو سرکاری مہمان بننے چلو۔"

ایس ایچ او فیروز نے سنجیدگی سے کہہ کر ان تینوں کو لے جانے کا اشارہ کیا پھر تیمور کی طرف متوجہ ہوا جو اب کسی گمبھیر سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس بار میں ان تینوں میں سے کسی کی ضمانت نہیں ہونے دوں گا مگر پھر بھی احتیاط کرنا۔ یہ

UrduPhoto.com

لوگ بہت منتقم المزاج ہیں گو کہ پہلے جیسی پاور تو اب نہیں رہی ہے ان میں پھر کوئی نہ کوئی تو ان کی پشت پناہی کرتا ہی ہے۔" فیروز بٹ کا مشورہ مخلصانہ تھا۔

"آئی نو اٹ یار! میں اس کے لیے ذہنی طور پر تیار بھی ہوں۔ اپنی مجھے فکر نہیں مگر میری فیملی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔" وہ قدرے تردد سے کہہ رہا تھا۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ میں نے معلوم کیا ہے، کراچی میں ان لوگوں کا کوئی کانٹیکٹ نہیں۔ بنیادی طور پر ان کا کاروبار سرحد اور پنجاب کے بالائی علاقوں میں ہے۔ اسی نسبت سے ان کا اثر و رسوخ بھی ادھر ہی ہے۔ مجھے امید ہے۔ کراچی میں تمہیں امان ملے گا ویسے وہاں کا اے سی پی میرا کزن ہے اس کو میں نے ان لوگوں کا کیس بھجوا دیا ہے۔ اگر خدانخواستہ وہاں کچھ ہوا تو وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔" ایس ایچ او فیروز بہت پر یقین تھا تیمور متانت سے مسکرا دیا۔

"تھینکس آلاٹ یار! یہ تمہارا احسان رہے گا مجھ پر۔" گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے کہا تو فیروز بٹ نہیں لے کر باہر نکل گیا۔

ان تینوں کو پولیس جیپ میں بٹھایا جا رہا تھا جس کے لیے وہ تینوں ہی تیار نہیں تھے لہٰذا پولیس کو زبردستی کرنی پڑ رہی تھی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں اتنی جلدی ہار مان لوں گا تیمور علی جاہ! تم مجھے جانتے نہیں۔ خیال رکھنا، میں بہت جلد واپس آؤں گا۔" زمان خان بری طرح بپھرا ہوا تھا۔

اس کے دھمکی آمیز انداز پر فیروز بٹ نے اسے بندوق کے پچھلے سرے سے ضرب لگائی تھی۔ تیمور نے لب بھینچ کر اسے سنا جو اب بھی مستقل غصے سے چلا رہا تھا ساتھ ہی شہباز خان بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

اگلے چند منٹ بعد پولیس جیپ اپنے اہلکاروں اور مجرموں سمیت علاقہ چھوڑ چکی تھی۔ تیمور نے گہری سانس بھر کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ سعادت لالہ کو نکلے صرف چوالیس منٹ ہوئے تھے اور اس میں کیا کیا ہو گیا تھا۔

ذہن کافی پر سکون تھا لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے زرمینے کا خیال آیا۔ وہ یقیناً کمرے میں بیٹھی رو رہی ہو گی حسب سابق اس بار بھی اس کا خیال آتے ہی اس کی شریانوں میں دوڑتا بھاگتا خون جیسے لاوا بن کے دوڑنے لگا تھا۔ مگر اسے ضبط تو کرنا ہی تھا۔ جو ذمے داری اس نے اپنے کندھوں پر لے لی تھی اسے نبھانا تو تھا ہی۔

جس لمحے اس نے کمرے میں جھانکا، زرمینے کارپٹ پر بیٹھی گھٹنوں پر سر رکھے یقیناً رو رہی تھی جو کچھ ہوا وہ اس کے حواس مختل کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کا مرتعش وجود گواہ تھا کہ وہ سخت متوحش اور خوفزدہ ہے۔

"سنو.....!" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کس طرح مخاطب کرے تو اسی طرح پکار لیا۔ تاہم لہجہ ابھی بھی سرد اور اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

"ج.....جی....." وہ چونک پڑی تھی۔ بوکھلا کر سر اٹھایا تو پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"دیکھو۔ گھر میں کسی سے اس واقعے کا تذکرہ مت کرنا۔ تین دن بعد تو سب لوگ جا ہی رہے ہیں۔ خوامخواہ اماں وغیرہ پریشان ہوں گی۔ سمجھیں۔" تنے تنے چہرے اور شکن آلود پیشانی والے تیمور علی جاہ کے انداز و گفتار میں کسی طرح کی نرمی اور حلاوت نہیں تھی۔ نہ ہی اپنی ذرا دیر پہلے والی گفتگو پر کوئی ندامت تھی۔

گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے سر ہلا دیا۔ تیمور نے دیکھا اس واقعہ نے اس کا خون نچوڑ ڈالا تھا۔ چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑا ہوا تھا۔ وہ فطرتاً جابر یا بے حس نہیں تھا مگر اس معاملے میں جانے کیسے اتنا پتھر دل بن گیا تھا کہ دل سے اٹھتی ہلکی ہلکی ہمدردی کی لہریں تک دباتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"سترہ سال بعد سہی شیر باز خان کے خاندان سے میں نے اپنا انتقام لے لیا ہے۔"

یہ الفاظ جیسے میخوں کی صورت گڑے ہوئے تھے۔ اسے اس ایک جملے کی سفاکیت سے اندازہ ہو گیا تھا کہ تیمور علی جاہ اسے بسائے گا نہیں تو چھوڑے گا بھی۔

گویا آگے اس کی زندگی صرف اور صرف تاریک سرنگوں کا سفر ہے۔ جس سے چاہے بھی تو وہ پلٹ نہیں سکتی۔

"اف آغا جان۔ یہ آپ نے کیا کر دیا۔ مجھے کھاؤ سے بچاتے بچاتے اندھے کنویں میں دھکیل دیا۔ کاش آپ جان سکتے کہ آپ نے شیر کو بکری کی رکھوالی کے لیے چن لیا ہے۔"

گھٹے گھٹے انداز میں وہ ایک بار پھر رو پڑی تھی اور باہر لاؤنج میں بیٹھے تیمور کے دل کو لاشعوری طور پر سکون محسوس ہو رہا تھا۔ یہ دھیمی دھیمی سسکیاں زرمینے کی

نہیں شیر خان اور پری چہرہ کی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کے جلتے سلگتے دل پر جیسے نرم پھوار پڑ رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

جب صبح نشاء نے اسے اطلاع دی کہ زرمینے کل رات سے سخت بخار میں جل رہی ہے تو وہ کچھ سنجیدہ ہو گیا مگر کیا کرتا اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کر کے وہ سعادت لالہ کے پاس چلا آیا۔

"میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ ممکن ہے آدھے گھنٹے میں وہ آجائے نہیں تو آپ ہی زحمت کیجئے گا۔ مجھے فی الحال جلدی ہے میں چلوں گا۔" آستینیں فولڈ کرتا وہ بہت عجلت میں لگ رہا تھا۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔ ابھی تو صرف ساڑھے چھ ہی بجے ہیں برخوردار۔ ذرا جا کر اس لڑکی کا حال بھی پوچھ لو۔ تم اسے اس گھر میں اپنی پناہ میں لے کر آئے ہو۔ تمہارا اس طرح اس سے کنی کترانا اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دے گا کہ شاید تم اسے یہاں لا کر پچھتا رہے ہو۔" سعادت لالہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"ایسا ہے بھی تو......" اس نے دل ہی دل میں سوچا پھر چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ لا کر بولا۔

"اچھا میں اس سے مل لیتا ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے میرا انداز ہمیشہ سے لیے دیے رہنے والا ہی ہے 'اس لڑکی سے کوئی خاص پرخاش نہیں۔ میں اجنبی اور انجان لوگوں سے ذرا فاصلے پر رہنا ہی پسند کرتا ہوں سعادت لالہ۔"

اس کا انداز کچھ جتانے والا تھا۔ سعادت لالہ نے محض سر اثبات میں ہلانے پر ہی اکتفا کیا تاہم آج ایک بار پھر وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تیمور لاکھ چھپاتا اس کی آنکھوں سے نکلتی نفرت کی چنگاریاں کبھی نہ کبھی جھلک دکھا ہی دیتی تھیں۔ بقول شاعر

میں کھلی ہوئی اک سچائی' مجھے جاننے والے جانتے ہیں
میں نے کن لوگوں سے نفرت کی اور کن لوگوں کو پیار دیا

کے مصداق تیمور بھی ایک کھلی کتاب کی طرح تھا ان کے لیے مگر اب اس کتاب کا متن کچھ دقیق ہوتا جا رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

تیمور نے جس وقت اندر جھانکا اماں اس پر نجانے کون سی سورتوں کا دم کر رہی تھیں اور وہ نقاہت سے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ چہرے ہی سے طبیعت کی ناسازی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اماں نے اسے دیکھ لیا تھا اس لیے اندر آنا ہی پڑا۔

"اب کیسی طبیعت ہے اماں۔" اکھڑ لہجے میں وہ اماں سے ہی مخاطب تھا۔

زرمینے نے ذرا کی ذرا اس کی آواز پر چونک کر آنکھ کھولی ۔ سرخ متورم آنکھیں بہت سے شکوے کر رہی تھیں۔ تیمور نے نظر پھیری تو اس نے بھی پلکیں جھکا دیں۔

"اب تو کچھ بہتر ہے۔ رات کو چار بجے مونا نے آکر جگایا تھا مجھے۔ مگر ٹھیک یہ ہی ہو گا کہ اب ڈاکٹر کو دکھا لیا جائے۔" اماں متفکر تھیں۔ آخر کو پرائی امانت تھی۔

"ہوں۔" اماں کے متفکر انداز پر اس نے محض "ہوں" کہنے پر اکتفا کیا ۔ کمرہ چھوڑتے ہوئے اس نے بستر پر دراز زرمینے پر نظر ڈالی جس کے چہرے پر بخار کی حدت سے سرخی چھائی ہوئی تھی آنکھیں سوجی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اس بھلی لڑکی کا خیال رکھنا بیٹا۔ یہ یتیم ہے اور تمہاری پناہ میں آئی ہے۔ پھر منکوحہ ہے تمہاری۔" آغا جان کے الفاظ اس کے اندر ادھم مچانے لگے تو وہ نظر چراتا تیزی سے باہر نکل آیا۔

پھر کچھ سعادت لالہ کی کھوجتی گہری نظروں' اماں کی تشویش اور آغا جان سے کیے گئے وعدے کا مان رکھنے کی خاطر اس نے آفس جانے کا ارادہ ترک کیا اور خود جا کر ڈاکٹر کو گھر لے کر آیا۔ کیونکہ زرمینے میں دو قدم چلنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

اور اگلے دو دن جب تک وہ سب ٹیک آف نہیں کر گئے اس نے ایک لمحے کے لیے پلک نہیں جھپکائی۔ جاتے ہوئے زرمینے بہت زیادہ اداس تھی گھر والے اس کے چہرے پر کھنڈی زردی کو بیماری کا اثر سمجھ رہے تھے مگر وہ جانتا تھا کہ وہ آغا جان کے لیے اداس ہے۔ جب ہی اس کے پاس چلا آیا جو بھیگے بھیگے چہرے کو جھکائے اپنے کپڑے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

"آغا جان سے بات کرنا چاہتی ہو؟" باوجود کوشش کے لہجے میں نرمی تو نہیں آسکی تھی تاہم انداز گزرے دنوں جیسا سرد بھی نہیں تھا۔ بس عجیب سی بے گانگی تھی اس کے رویے میں۔ زرمینے نے محض نظر جھکالی۔

"اسے رکھ لو اگر مجھ سے یا آغا جان سے کانٹیکٹ کرنا ہو تو اسے استعمال کرنا۔ میرا اور ان کا نمبر اس میں فیڈ ہے مگر

دیکھو احتیاط سے۔" سلور گرے کلر کا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ اس عنایت پر زرمینے نے بے اختیار اسے دیکھا۔ "خیال رہے اگر اماں یا گھر والوں کو تمہاری اصلیت کا پتا چل گیا تو اس کے نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔ پناہ کی جس جنت میں تم رہ رہی ہو' وہ جہنم بھی بن سکتی ہے۔ اس پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا۔" خشک اور سرد لہجے میں وہ گویا اسے وارننگ دے رہا تھا۔

زرمینے نے زخمی نظروں سے اسے دیکھ کر موبائل تھام لیا۔ اس بے درد شخص سے تو وہ کیا بات کرتی ہاں بس آغا جان کی خیریت کے لیے ایک رابطے کا سہارا کافی تھا۔

✡ ✡ ✡

نیا شہر' نیا ماحول اور نئے لوگ تھے۔ اس نے جس لمحے کراچی کی زمین پہ پہلا قدم رکھا۔ دل جیسے کسی اتھاہ میں جا ڈوبا تھا۔ عزمی ان لوگوں کو لینے آیا تھا۔ دونوں بہنیں کمان سے نکلے تیر کی طرح اس کی طرف بڑھی تھیں۔ بھابھی' سعادت لالہ اور اماں بھی بے قراری سے اسے گلے لگا کر چوم رہی تھیں جیسے وہ کسی محاذ پر تھا پچھلے دنوں۔

وہ ان سب سے دس قدم پیچھے جھجک کر رک گئی تھی۔ تاہم جب اماں کو اس کا خیال آیا تو اسے آواز دے کر پاس بلا کر عزمی سے تعارف کرایا۔

"چاچو لائے ہیں انہیں۔" اس نے بھنویں سکیڑ کر حیرت کا اظہار کیا۔ اسے یہ بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ تاہم اسے نروس ہوتا دیکھ کر نظر ہٹالی۔

سب لوگ آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد گلشن اقبال کے وی آئی پی بلاک میں بنے اس بنگلے پر موجود تھے جو اب ان کا نیا مسکن تھا۔ مونا اور نشاء تو نہال تھیں۔ ادھر ادھر خوب گھوم رہی تھیں۔ ساتھ اسے بھی گھسیٹ رہی تھیں مگر وہ تھکن کا بہانہ بنا کر لاؤنج میں اماں کے پاس ہی آبیٹھی تھی۔

رات تک سب نے ہی اپنا اپنا سامان ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ نشاء نے یہاں الگ کمرہ لیا تھا۔ اس لیے اس بار مونا کے کمرے میں وہ آسانی سے سیٹ ہو گئی۔ یوں بھی اس کا کون سا ڈھیروں سامان تھا۔

کچن زاہدہ بھابھی نے جلدی جلدی سیٹ کر لیا تھا جس میں اس نے ہاتھ بٹایا تھا۔ کچن کے باہر مستقل عزمی سے سامنا ہو رہا تھا جس سے وہ نروس ہو رہی تھی۔

UrduPhoto.com

اس کے بعد کھانا بھی اسے ہی بنانا پڑا کہ بار بار بھابی کو کون سی چیز کہاں رکھنی ہے' پوچھنے کے لیے بلایا جا رہا تھا یوں بھی کچن ایک اچھی پناہ گاہ تھی پھر کام کرنے میں وقت بھی گزر رہا تھا اور اسے تو وقت ہی گزارنا تھا کیونکہ اس موڑ پر جہاں وہ آ گئی تھی وہاں زندگی جینے کی نہیں صرف وقت بتانے کی خواہش تھی۔

رات کو کھانا کھا کر سب جیسے فارغ ہو گئے تھے' وہ بھی خاموشی سے مونا کے کمرے میں آ گئی جہاں بستر کی زمانہتیں اس کی منتظر تھیں۔ پورے دن کی تھکان کے بعد سب کو ابھی فرصت ملی تھی۔ وہ بھی سونے کے لیے لیٹنے والی تھی کہ مونا کو بلانے عزی چلا آیا۔

"ابھی سے سو رہی ہو۔ ابھی تو صرف ساڑھے دس بجے ہیں۔ ارے بھائی شہر میں لوگ ایک ایک بجے رات تک جاگتے ہیں۔" وہ اندر چلا آیا تو زرمینے لیٹتے لیٹتے اٹھ بیٹھی۔

"کارڈ کھیلو گی؟ نشاء کو بھی لاؤنج میں گھسٹ لایا ہوں میں۔ تم بھی چلو اور آپ بھی....." مونا سے بات کرتے کرتے اس کو بھی آفر کی۔ کارڈز کا نام سننا تھا۔ مونا تو چھلانگ لگا کر بستر سے نکلی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔ اچھا ہے کچھ تھکن ہی اتر جائے گی۔" زرمینے کو اندازہ ہوا۔ وہ کارڈز کھیلنے کی کافی شوقین تھی۔ اسے آمادہ پا کر عزی نے جب اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ کندھے سکیڑ کر نفی میں سر ہلا گئی۔

"معاف کیجیے گا۔ مجھے کارڈز کھیلنے نہیں آتے۔" صاف جھوٹ بولا۔

"نہیں آتے تو کیا ہوا۔ سیکھا تو جا سکتا ہے۔ ہاں چلو میں سکھاتی ہوں گی۔" مونا نے تیزی سے اس کا عذر رد کیا تو عزی نے بھی۔ "سو تو ہے" والے انداز میں سر ہلایا۔

مونا اسے زبردستی باہر کھینچ لائی جہاں نشاء خاصے بیزار موڈ میں ان کی منتظر بیٹھی تھی۔

کارڈ کھیلنا اسے آتا تھا بس ذرا بھول سی گئی تھی۔ ان لوگوں نے یاد دلایا تو وہ بے دلی سے ہی کھیلنے لگی تاہم عزی کی موجودگی اس کے ذہن پر بار بنی ہوئی تھی۔

کافی دنوں بعد گھر والے آئے تھے۔ عزی کا موڈ بہت اچھا تھا۔ مونا کے مطابق وہ خاصا ہنس مکھ ملنسار اور کبھی کبھی غصے میں آ جانے والا لڑکا تھا اس سے مل کر اسے مونا کی بتائی ہوئی اول الذکر دو خوبیاں تو نظر آ گئی تھیں۔

دوسرے دن شام میں نشاء کے سسرال وہ سب ڈنر پر انوائیٹ تھے البتہ صبح ناشتے اور دوپہر لنچ کا سارا کام اس نے ہی کیا۔ زاہدہ بھابی نے اسے منع بھی کیا۔ مگر جیسے کل کا دن مصروفیت میں اور رات تھکان سے اچھی نیند آنے سے گزر گئی تھی' اس نے آج بھی وہی روٹین اپنائے رکھی تاہم آج مونا اس کے ساتھ لگی رہی تھی۔

ناشتہ ہو یا لنچ سب اپنے اپنے موڈ کے حساب سے جب اور جو جی چاہتا وہ ہی کھاتے تھے اس لیے لوازمات خاصے ہوتے تھے۔ وہ ہمیشہ سے سادہ کھانا کھانے کی عادی تھی۔ وہ تو آغا جان نے اسے سب سکھا دیا تھا ورنہ یہاں آ کر وہ کافی مشکل میں پھنس جاتی۔

رات کو سب جا رہے تھے' اسے بھی آفر کی مگر اس نے منع کر دیا۔ اماں اسے اکیلے چھوڑ کے جانے کے حق میں نہیں تھیں نہ ہی وہ رکنا چاہتی تھی۔ تیمور نے آتے ہوئے اسے سمجھا دیا تھا کہ گھر سے باہر نکلنے کا خیال دل میں لانا چھوڑ دے۔ اسے تو خود بھی رغبت نہیں رہی تھی۔ عزی دوستوں کے ساتھ پکنک پر گیا ہوا تھا۔

تاہم پھر یہ فیصلہ ہوا کہ گھر کو باہر سے تالا لگا کر وہ سب چلے جائیں گے کیونکہ سسرال کا معاملہ ہے۔ اماں کا جانا بھی ضروری ہے۔

"فکر نہ کرو۔ ہم جلدی آ جائیں گے۔" اماں نے جاتے جاتے اسے تسلی دی تھی وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

پہلی بار اکیلے رہنے کا تجربہ ہو رہا تھا۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی تھی پھر گھر کے کاموں میں دل لگانے لگی۔ نشاء اور مونا کے کپڑے الماریوں میں سیٹ کرنے میں اسے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ فون کی بیل بجی تو چونکی۔ خالی گھر میں آواز بہت گونج رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ریسیو کرے کہ نہیں۔ دل ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ فون شہباز خان کا تو نہیں۔

مگر جو بھی تھا اسے فون ریسیو کرنا ہی پڑا دوسری طرف تیمور تھا۔ اس کی آواز سن کر ایک لمحے کو وہ جیسے ہل سی گئی۔ جبکہ وہ سخت غصے میں لگ رہا تھا۔ شاید اس کی آواز سننے کی امید نہیں تھی۔

"کیا ہو گیا؟ سب گھر والے کہاں ہیں جو تم نے فون اٹھایا ہے۔" آواز پہچانتے ہی اس نے ڈانٹا۔ زرمینے کے دل پر جیسے ضرب سی پڑی۔

"سب نشاء جی کی سسرال گئے ہیں۔" آہستگی سے کہا۔

UrduPhoto.com

"نشاء بھی....." حیرت اور بے یقینی سے وہ کہہ اٹھا۔

"جی....."

"یہ پورے گھر کو ہو کیا گیا ہے۔ اماں نے بھی منع نہیں کیا اسے' لے گئیں۔ اور سعادت لالہ بھی۔" وہ کچھ زیادہ ہی غصے میں آ گیا تھا۔

"ان کی ہونے والی ساس نے بطور خاص کہا تھا۔ اس لیے گھر والوں کو ماننا ہی پڑا۔" اس کے انداز میں حسرت پنہاں تھی۔ شادیاں اتنے مان سے بھی ہوتی ہیں' رشتے اتنی چاہ سے بھی نبھائے جاتے ہیں۔ اسے یہاں آ کر ہی پتا چلا تھا۔

"عزی بھی گیا ہے۔ تم اکیلی ہو گھر پر.....؟" اس کے لہجے سے کچھ پا کر اس نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں پوچھا اس نے "ہوں" میں جواب دیا تو اچھا کہہ کر تیمور نے فون بند کر دیا۔

ایک لمحہ کو جیسے پورا وجود خاموشی کے حصار میں آ گیا تھا۔ تیمور اس کی سوچوں سے زیادہ غصیلا ثابت ہوا تھا۔ نرمی تو جیسے اس کے وجود کو چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ہر بار وہ خود کو سمجھاتی تھی مگر دل تو پھر دل ہے بھر ہی آتا تھا۔ تیمور کے ناروا سلوک سے زیادہ اسے اپنی بے بسی پر دکھ ہوتا لیکن روتی بھی کب تک اس وقت بھی وہ خود کو بہلانے کے لیے اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ صبح سے اماں نے کشن کے کور نکال کر رکھے ہوئے تھے۔ نشاء مونا میں سے کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اس نے سوچا' وہ ہی چڑھا دے' کم از کم کچھ وقت تو گزرے گا۔ ابھی شروع کیا ہی تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونک ہی اٹھی اتنی جلدی ہی سب آ گئے تھے۔ اسے حیرانی سی ہوئی۔

"السلام علیکم....." عزی نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کی حیرت کو ختم کیا۔ وہ خود میں سمٹ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"سلام کا جواب دینے میں بندے کا اپنا فائدہ ہوتا ہے میڈم ثواب بھی ملتا ہے اور تعلقات بھی بہتر ہوتے ہیں۔" اس نے جوگرز کے لیسز کھولتے ہوئے ایک نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی وہ شرمندگی کے باعث مزید سر جھکا گئی۔

وہ جھینپ سی گئی۔

"کھانا کھایا کہ نہیں؟" پھر سوال ہوا۔

"نہیں۔"

"تو چلو ساتھ ہی کھا لیتے ہیں۔ بہت زور کی بھوک لگی ہے۔" گھر میں تو دوپہر کا آلو گوشت اور پلاؤ بچا ہوا تھا۔ اس نے گرم کر کے روٹیاں ڈال لیں۔

"پڑھتی ہو یا پڑھ چکی ہو؟" کھانا میز پر رکھتے ہی عزی بھی آ بیٹھا تھا وہ اس کی جھجک محسوس تو کر رہا تھا مگر نظر انداز کرتے ہوئے بے تکلفی سے سوال کر ڈالا تو وہ بھی بیٹھ گئی۔

"جی انٹر کیا ہے۔"

"اوہ تو گویا میٹرک کر لیا تم نے۔ میں تو سمجھا تھا' ابھی مڈل تک ہی پہنچی ہو گی تم....." ہاتھ روک کر بے اختیارانہ تبصرہ کیا گیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں کہ مذاق کر رہا ہے یا سنجیدہ ہے۔ سو خاموش ہی رہی۔

"آگے پڑھنے کا ارادہ ہے؟" کچھ دیر بعد پھر سوال ہوا تھا وہ سوچ میں پڑ گئی۔

اس کے ارادے' اس کی مرضی اور اس کی خواہشیں تو تین بولوں کی بدولت تیمور علی جاہ کی رضا سے بندھ گئی تھیں۔ اسے اب اپنے بارے میں سوچنے کا اختیار ہی کہاں رہا تھا۔

"غالباً" تم اپنے حالات کی وجہ سے کچھ سوچنا نہیں چاہ رہیں۔" اس کی پرسوچ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عزی نے تجزیہ کیا تو وہ محض سر ہلا گئی۔ "چلو ریگولر نہ سہی پرائیویٹ ہی پڑھ لو۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے تو تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا لڑکی! بائی دا وے تمہارا نام کیا ہے۔ سوری بھول گیا۔"

"زرمینے۔ زری....."

"ہوں۔ تو زرمینے! کبھی سوچا بھی ہے اپنے فیوچر کے بارے میں یا نہیں۔ اگر نہیں تو اب سوچو۔ زندگی انسان کو صرف ایک بار ملتی ہے۔ مانا کہ جائیداد تمہارے پاس بہت ہے مگر اتنے ہی دشمن بھی پھر تم ہو بھی کم عمر اور ناتجربہ کار۔ تعلیم حاصل کرو۔ علم انسان میں اچھے برے کی تمیز اور اعتماد پیدا کرتا ہے۔ اپنے لیے دنیا سے لڑنے کا حوصلہ اور نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کی جرات بھی انسان کو علم سے حاصل ہوتی ہے۔ جب انسان دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض پہچان لے تو سمجھو یہی اس کی کامیابی ہے۔ اپنی وے لیکچر ذرا لمبا ہو گیا۔ چلو کھانا شروع کرو۔ باتیں کھانا کھانے کے دوران بھی کی جا سکتی ہیں یا پھر تم ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کر سکتی ہو۔"

قدرے سنجیدگی سے کہتے کہتے وہ ہلکے پھلکے لہجے میں

پوچھنے لگا تو بے اختیار اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"تمہیں ضرور پڑھنا چاہیے کیونکہ بولنے کے لیے خیالات اور الفاظ دونوں ضروری ہوتے ہیں اور لگتا ہے کہ تمہارے پاس دونوں ہی کی قلت ہے۔ علم الفاظ اور خیالات دونوں کی کھیتی اگاتا ہے دماغ میں ویسے دماغ تو ہے نا تمہارے پاس۔" کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑا تھا۔ وہ شرمندگی سے نظر جھکا گئی۔

"مذاق اڑانے اور مذاق کرنے کے فرق کو سمجھا کرو۔ اس سے تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔" گھوم پھر کر وہ پھر تعلقات پر آگیا۔ اس نے جلدی جلدی چند نوالے لے کر کھانے کا اختتام کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی تو عزمی کو احساس ہوا' اس نے آج کچھ زیادہ ہی سنا ڈالی تھیں اسے۔ سو خود بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ زرمینے برتن سمیٹنے لگی۔

عزمی نے بغور دیکھا۔ وہ جتنی خوبصورت تھی۔ اتنی ہی سادہ اور معصوم بھی لگ رہی تھی مگر جو چیز اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھی۔ وہ تھا بے تحاشا خوف اور ہراس۔ سراسیمگی اس کی نظروں سے چھلکتی تھی۔

"دشمنوں کے خوف نے اسے عدم اعتماد اور عدم تحفظ کا شکار بنا دیا ہے۔" عزمی نے دل ہی دل میں تجزیہ کیا اور باہر نکل گیا۔

کتنی دیر بعد اسے سکون کی سانس آئی تھی۔ عزمی کے جاتے ہی اس نے دیوار سے کمر ٹکا کر کئی گہرے گہرے سانس لے ڈالے۔ تیمور کے کڑوے اور قہرمانی رویے کے برعکس گھر میں سب کا سلوک اس کے ساتھ بہت ہی مہربان تھا۔ حتیٰ کہ عزمی کے لہجے کی نرمی اور دوستانہ نظروں نے اس کے دل میں ایک جگہ سی بنالی تھی پھر بھی وہ خوفزدہ تھی۔

تیمور علی کا رویہ سچائیوں سے واقفیت کی بنا پر اپنی اصل شکل میں سامنے آیا تھا جبکہ یہاں سب لوگ حقیقت کی اس برہنہ تلوار سے ناواقف اور انجان تھے جو ہر لمحہ اس کے سر پر لٹکتی رہتی تھی۔

محبت بھرے چہروں کو نفرت کے انگاروں سے سلگتے دیکھنے کا خوف اسے زیادہ سہمائے ہوئے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کھل کر کسی سے بات بھی نہیں کر پاتی تھی۔

پھر ان سب کی واپسی تک وہ قصداً" کچن میں مصروف رہی۔ عزمی کے کہنے پر اسے ایک کپ چائے بنا کر دی اور پھر کچن میں آکر چیزیں ترتیب سے رکھنے لگی۔ اگلے دو گھنٹوں میں وہ لوگ بھی واپس آگئے تھے۔

مونا سے اسے پتا چلا' تیمور اسے اس طرح اکیلے چھوڑ جانے پر خاصا ناراض ہوا تھا۔ خاص طور سے نشاء کو اس نے فون پر ہی خوب سنائی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا موڈ کچھ آف سا تھا۔ زرمینے کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ پھر اس سے بات کرتی۔ خاموشی سے کمرے میں آکر سو گئی۔

"ان فیکٹ چاچو نے کبھی مجھ سے اتنے سخت لہجے میں بات نہیں کی مگر پتا نہیں کل ان کو کیا ہو گیا تھا۔ ویسے ان کے غصے سے اندازہ ہو رہا تھا' ان کو تمہاری بہت فکر ہے۔" صبح ناشتے کی ٹیبل پر نشاء خود ہی اسے بتا رہی تھی۔ اس کے حلق میں جیسے کچھ اٹکنے لگا تھا۔ بات بدلنے کو بولی۔

"ویسے آپ کو کل مزہ تو آیا نا وہاں؟۔"

سوال ہی ایسا تھا۔ نشاء کے چہرے پر سرخی اور مسرت جھلکنے لگی۔

"آف کورس یار.....! فراز بھی تو تھے نا گھر میں۔ اصل میں میری سسرال کافی ماڈرن ہے۔ ان کے یہاں منگنی کے بعد ملنا ملانا اتنا برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ ہماری طرح پرانی فضول روایتوں کی زنجیریں نہیں ڈال رکھیں ان لوگوں نے پیروں میں۔ مجھے تو چاچو پر حیرت ہوتی ہے اتنے عرصے فارن رہ کر آنے کے باوجود بھی ان کی سوچ ابھی تک ٹیپکل ہے۔ اب دیکھو نا' کل کتنا خفا ہوئے وہ میرے اپنے سسرال جانے پر۔ جس بے چاری کی ان سے شادی ہوگی نا' اسے وہ سیل بند پیکنگ میں رکھا کریں گے دیکھنا۔" اپنے خاص انداز میں کہتے کہتے اس نے تبصرہ کیا تھا۔

زرمینے کی پلکیں آپ ہی آپ بوجھل ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

دھیرے دھیرے وہ سیٹ ہونے لگی تھی کہ اس ویک اینڈ پر تیمور اچانک چلا آیا تھا۔ ابھی تک اس کا غصہ اترا نہیں تھا۔

"اماں! میں نے آپ لوگوں کے بھروسے اسے یہاں چھوڑا تھا۔ اگر آپ لوگوں سے ذمے داری نہیں اٹھ سکتی تو مجھے بتا دیں۔"

سب کا حیرت بھرا اظہار اور محبت بھرا رویہ نظر انداز کے وہ سیدھا اماں کے پاس آکر چلایا تھا۔ نظر میں شکوے اور ناراضی تھی۔

"اے ہائے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟۔"

UrduPhoto.com

"کیا مطلب آپ کا؟ کیا ہو گیا ہے مجھے۔ آپ سے میں نے کہا تھا نا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے پھر بھی آپ سب اس طرح بی ہیو کر رہے ہیں۔ یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے اماں۔" یک بیک وہ بری طرح بھڑکا۔

"ارے غلطی ہو گئی تھی بچے! اب تو پورا خیال رکھتے ہیں۔ لمحے بھر کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑتے بچی کو۔" اماں کچھ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

"مجھے تو حیرت ہے اماں کہ آپ لوگ نشاء تک کو ساتھ لے گئے۔"

"ارے بیٹا! اس کی ساس نے بہت اصرار کیا تھا۔ اب کیسے منع کرتے۔ ان کے ہاں ایسی روایات نہیں ہیں۔" اماں آج بیٹے کی عدالت میں کھڑی تھیں گویا۔

"ان کی ایسی روایات نہیں مگر ہماری تو ہیں۔ یہ بات سمجھا دینا چاہیے تھی آپ کو۔" وہ چڑ کر بولا۔

"بیٹا! شادی میں دو ماہ رہ گئے ہیں' بلاوجہ کی بدمزگی کرنے کا کیا فائدہ۔ بہرحال تم ان سب باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ' اچانک کیسے آ گئے ہو۔ اب تو نہ جاؤ گے۔"

"میں صرف آپ لوگوں سے ملنے چلا آیا تھا۔ ابھی ایک ماہ تک میرا آنا مشکل ہے۔ آپ کو پتا تو ہے۔" جواباً" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"رہنے دیں۔ صاف کہیں حفاظتی اقدامات چیک کرنے آئے ہیں۔ ہم سے ملنے کا تو محض بہانا تھا۔" عزمی اندر آتے ہوئے شوخی سے بولا۔ "فکر نہ کریں۔ ان کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں دے دیا ہے۔ آنے والی پروازوں پر بھی سخت نگرانی ہے۔"

تیمور کے آتش فشانی موڈ کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھا تھا۔

"زیادہ فضول مت بولا کرو۔" جواباً اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور حال احوال پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہوں۔ ان لوگوں کے آنے سے بہت سکون ہو گیا ہے مجھے۔ اب آپ بھی آ جائیں۔ اس آفت کی پرسوں کالا کی شادی ہے۔ پورا شہر گھما کر رکھ دینا ہے اس نے۔ آپ کی ہیلپ کی بھی ضرورت ہے۔ اپنا "سامان" آپ اپنی ہی کسٹڈی میں لے کر باہر جائیں تو اچھا ہے۔"

اشارہ زرمینے کی طرف تھا۔ تیمور نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھ کر بے ساختہ

اماں سے کہا۔

"شادی وادی کی کسی شاپنگ میں اسے کہیں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے اماں' آپ لوگ کہیں بھی جائیں۔ وہ گھر میں ہی رہے گی۔ پلیز میرے آنے تک آپ لوگ ذرا خیال رکھ لیں۔ میں آ گیا تو پھر خود ہی۔"

"چوکیداری کر لوں گا۔ کیوں بھیا! یہاں سب ایسے ہی نکمے ہیں کہ تمہیں وہاں سے آنا پڑے۔" زاہدہ بھابھی اندر آتے ہوئے اس کا جملہ اچک گئی تھیں۔ وہ قدرے لاجواب سا ہو گیا۔

"نہیں بھابھی! ان فیکٹ میں....."

"بس پلیز چاچو! اس بور ٹاپک کو بند کریں ناں اور چل کر اپنا کمرہ دیکھیں ہم نے کتنی محنت سے ڈیکوریٹ کیا ہے اسے۔" مونا اسی لمحے شور مچاتی آ گئی تھی۔ ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا۔

گھر واقعی سب نے مل کر بہت اچھا ڈیکوریٹ کیا تھا۔ محض ایک ہفتے میں سب چیزیں ٹھکانے پر پہنچ گئی تھیں۔ اچانک اس کا خیال آیا تو ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مونا اسے کچن دکھانے کے لیے لائی تو وہ وہاں کام میں مصروف نظر آئی۔ غالباً" رات کا کھانا پکا رہی تھی وہ۔

"السلام علیکم....." اسے سامنے پا کر بمشکل زبان سے نکلا۔

"وعلیکم السلام.... ٹھیک تو ہو....؟" اجنبیت سے بھرپور لہجے میں سلام کا جواب دے کر مارے باندھے پوچھا۔ جواباً" اس نے محض سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"کیا بات ہے چاچو! بہت چپ چپ سے ہیں؟" وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ عزمی اس کے پاس آ بیٹھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ان فیکٹ میں تھکا ہوا ہوں۔ تم آخر میرا پوسٹ مارٹم کس خوشی میں کر رہے ہو۔" شانے اچکا کر اس نے اسے ہی گھیر لیا تھا۔

"اس خوشی میں کہ میں آپ کا مزاج شناس ہوں اور اس لیے بھی کہ آپ ایک مخصوص رفتار سے چلنے والے شخص ہیں۔ آپ کے قدموں کا ردھم ذرا بھی ٹوٹے تو صاف پتا چل جاتا ہے۔" کشن سر کے نیچے رکھتے ہوئے عزمی اسے بغور دیکھتا نیم دراز ہو گیا۔

"اچھا اچھا۔ زیادہ فلاسفر بننے کی ضرورت نہیں۔ میرے بجائے خود پر غور کیا کرو۔ نشاء سے بڑے ہو اور

شادی کے لیے تیار نہیں ہوتے۔"

"اور آپ مجھ سے بڑے ہیں۔" دوبدو جواب آیا۔

"میری بات دوسری ہے۔ میری عمر نکل گئی ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"زندگی تو نہیں نکلی ناں۔ آپ "ہاں" تو کریں ایمان سے ایسی ایسی مہ جبیں نازنینوں کی تصویریں اماں نے اپنے پاس جمع کر رکھی ہیں کہ انہیں دیکھتے ہی دل بے ایمان ہو جائے گا۔ خاصا توبہ شکن اسٹاک ہے ان کے پاس۔" یک بیک وہ اٹھ بیٹھا اور نہایت جوش سے بتانے لگا۔

کمرے سے اندر داخل ہوتی زرمینے کے قدم بے اختیارانہ رکے۔ اسی سرعت سے تیمور کی نظریں اس کی طرف اٹھی۔

"اچھا۔" کسی احساس کے تحت اس نے قدرے دلچسپی ظاہر کی۔

"سچ کہہ رہا ہوں چاچو! آپ وہ تصویریں دیکھیں تو یقیناً کسی نہ کسی کے لیے تو ہاں کہہ ہی دیں گے۔ یہ میرا دعوا ہے۔ کچھ تو شکل سے آپ کے مزاج اور ٹیسٹ کی لگتی بھی ہیں۔" عزمی اس کی دلچسپی بھانپ کر مزید سنسنی پھیلا رہا تھا۔ تیمور نے مسکرا کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

زرمینے نے یقیناً سب سن لیا تھا۔ بے دلی سے آگے بڑھ کر اس نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور پھر ایک شاکی نظر تیمور پر ڈال کر وہ رکی نہیں' نکلتی چلی گئی۔

"تو پھر کیا خیال ہے؟ وہ پوچھ رہا تھا اور تیمور جو زرمینے کے اس طرح چلے جانے کو محسوس کر کے زہرخند ہو رہا تھا یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس معاملے میں میرا جواب تم جانتے تو ہو عزمی! پھر کیوں بحث کر رہے ہو۔" لہجہ خشک اور حتمی تھا عزمی' پل میں اولیاء پل میں بھوت والے اس مظاہرے پر بھونچکا سا رہ گیا۔

"مگر....."

"اگر مگر چھوڑو۔ یہ بتاؤ سعادت لالہ کب تک گھر لوٹ آئیں گے۔" عزمی کے تعجب سے کچھ کہنے پر اس نے ٹوک دیا تھا۔ سوائے خاموش ہی ہونا پڑا۔

"بس آتے ہی ہوں گے۔" ڈھیلے ڈھیلے لہجے میں جواب دیا تو وہ "ہوں" کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو کاریڈور کے آخری سرے پر کھڑی زرمینے اس کی نظروں کی زد میں آ گئی۔

بظاہر وہ کارنر کی گلاس ٹیبل صاف کر رہی تھی مگر جھکے سر اور سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سخت مضمحل ہے۔ آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔ تیمور کی بھنویں تن سی گئیں۔

ایسا کوئی حق اس نے اسے نہیں دیا تھا جس کے بل بوتے پر وہ اپنائیت یا رشتے کی وابستگی جیسے جذبات دل میں پیدا کرے پھر یہ آنسو کس لیے تھے۔ اسے جیسے تاؤ سا آ گیا۔

"یہ سب کیا ہے۔ کس لیے آنسو بہائے جا رہے ہیں۔" نزدیک آنے پر وہ غصیلے انداز مگر دھیمی آواز میں بولا تو زرمینے ہونٹ کاٹ کر آنسوؤں کو بہنے سے روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر آبگینوں کو جیسے ٹھیس لگی تھی۔ باوجود ضبط کے اشک اس کے اختیار سے باہر ہو گئے۔

"اسٹاپ اٹ۔ تم اس طرح مجھے ٹریپ نہیں کر سکتیں۔ سمجھیں۔ آغا جان کی بات اور تھی جو میں نے اپنا نام تمہیں دیا مگر اس سے زیادہ کی نہ امید رکھنا نہ خواب دیکھنا۔ تمہارے تصور میں بھی اتنی نفرت نہیں ہو گی جتنی کہ مجھے تمہارے باپ سے تھی اور ہے۔ محبتوں کی طرح نفرتیں بھی ورثے میں ملتی ہیں۔ تمہیں اپنے والدین کے اس اثاثے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر رہنا ہو گا۔ آئندہ مجھے آنسوؤں سے پگھلانے کی کوشش مت کرنا۔ مجھے موم سمجھ کر تم غلطی کر رہی ہو۔ سمجھیں۔ اور ہاں' ایک بات یاد رکھنا کہ میں ساری زندگی تمہیں تاریک کوٹھڑی میں دم توڑنے کے لیے تو چھوڑ سکتا ہوں مگر تین بول کہہ کر تاعمر آزاد نہیں کروں گا۔ اب یہ ہی تمہاری زندگی ہے اس سے جتنی جلدی سمجھوتا کر لو۔ تمہارے لیے بہتر ہے۔"

نفرت حقارت اور برودت سے اٹے اس کے لہجے میں جیسے زہریلے خنجر کی کاٹ تھی۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتی زرمینے اس حد درجے بے حسی پر جیسے سُن سی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تیمور علی جاہ کی نفرت اس کے احساسات پر برف جما سکتی تھی۔ مگر کب تک' رشتے کے نازک ریشم کے تار اسے بار بار الجھا لیتے تھے۔ مگر آج جو تیمور نے کہہ دیا تھا اس کے بعد کسی امید نے در دل پر دستک نہیں دینا تھی۔

وہ دن بھر بس ایسے ہی گزرا۔ وہ چوروں کی طرح تیمور کی

UrduPhoto.com

نظروں سے بچتی پھرتی رہی۔ فارغ رہ کر کیا کرنا تھا۔ زاہدہ بھابھی کے ساتھ کچن میں ہی آ گئی۔

دوسرے دن تیمور واپس جا رہا تھا۔ رات اتنی سرد نہیں تھی جتنی سرد تیمور کی نظریں تھیں جواب تک جیسے اس کے اندر میخوں کی طرح گڑی ہوئی تھیں۔ تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔

☼ ☼ ☼

تیمور کیا گیا اسے لگا وقت جیسے تھم گیا ہے۔ گھر میں نشاء کی شادی کی تیاریاں زور پکڑ چکی تھیں۔ اس کے باہر آنے جانے پر تو پابندی لگا دی گئی تھی سو وہ گھر میں ہی مصروف رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ نشاء کو تو جیسے شاپنگ کا کریز تھا۔ سارا سارا دن عزمی کو لیے گھومتی پھرتی۔

اس شام وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو بھرپور لڑائی لڑتے ہوئے۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے مما! آج کے بعد میں نہیں جاؤں گا نشاء کے ساتھ۔ پاگل کر دیتی ہے یہ تو بندے کو۔ وہ شریف دکان والا پیسے کم کیے جا رہا تھا اور یہ لڑاکا عورتوں کی طرح وہاں فضیحتہ کرنے کھڑی ہو گئی۔ صرف ایک سوٹ کے لیے پورا ڈیڑھ گھنٹہ بحث کی ہے اس نے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے۔ اب میں نہیں لے کر جاؤں گا اسے تماشہ بنوانے اپنا۔"

"اُفوہ۔ اب جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ گھر تو آ گئے ناں بیٹا۔" اماں نے بالآخر دونوں کو متوجہ کیا تھا۔ "دکھاؤ تو ذرا کیا لائی ہے آج میری بٹی۔"

"اف اماں! میں آپ کو دکھانا ہی چاہ رہی تھی مگر یہ عزمی ہمیشہ رنگ میں بھنگ ڈال دیتا ہے۔" نشاء کو اچانک ہی خیال آیا تھا منہ بنا کر عزمی کو انگوٹھا دکھایا اور اماں کے پاس آ گئی۔

وہ کینہ توز نظروں سے اسے گھورتا کچن کی طرف بڑھ گیا۔

[illegible] گلاب اور موتیا کی خوشبو نے اس کا موڈ بحال کرنے میں بڑی مدد کی۔

"ارے تم آ گئے۔" زاہدہ بیگم آواز سن کر متوجہ ہو گئیں۔ "نشاء کہاں ہے؟"

"باہر ہے۔ اماں کے پاس جمعہ بازار لگائے بیٹھی ہے اپنی شاپنگ کا [illegible] تو [illegible] بالکل [illegible]

ابھی تک۔" اس کا غصہ پھر عود آیا تھا۔

"بس نیکسٹ ٹائم مونا کے ساتھ بھیجیے گا شاپنگ پر اسے۔ ویسے مونا کہاں ہے؟"

"شاور لے رہی ہوگی۔ تمہیں چائے چاہیے ناں، زری بنا دے گی۔ میں ذرا دیکھوں آج وہ کیا اٹھا لائی ہے۔" زاہدہ بیگم کہہ کر باہر نکلیں کیونکہ اب نشاء نے باقاعدہ آواز دینا شروع کر دی تھی۔

"السلام علیکم! خیریت تمہارا کیا مواصلاتی اور سفارتی سسٹم خراب ہے۔" ماں کے باہر نکلتے ہی اس کی نظر رائیہ چھنتی زرمینے پر پڑی۔

"جی...!" اس کی خوشگوار آنکھیں لمحے بھر کو پھیل سی گئیں۔

"پتا نہیں تمہاری اردو کمزور ہے یا دماغ۔ غالباً" کافی سہل زبان میں گفتگو کرتے ہیں ہم سب۔ مگر تم یوں چونکتی ہو جیسے فریج میں الجبرا کا سوال گر ڈالا ہو۔"

فریج سے کوکا کولا کا کین نکالتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔

زرمینہ جھینپ سی گئی۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل میں متوجہ نہیں تھی۔" سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"تو گویا پہلے تمہیں متوجہ کرنا پڑے گا۔ پھر ہی بات شروع ہو سکتی ہے۔" کچھ کوکا کولا کا اثر تھا اور کچھ مخاطب کا کہ دماغ کی گرمی کچھ کم ہو گئی تھی اس لیے وہ اپنے اصل موڈ میں واپس آ گیا تھا۔ زرمینے کیا کہتی محض مسکرا کر رہ گئی اور چائے کا پانی چڑھانے لگی۔

"ویسے نشا آج بہت سی شاپنگ کر کے لائی ہے۔ تمہیں انٹرسٹ نہیں کہ جا کر دیکھو وہ سب چیزیں۔"

"جی دیکھوں گی۔ فی الحال ذرا چاول دم پر ہیں۔ دھیان بھٹک گیا تو ساری محنت خراب ہو جائے گی۔" اس نے سہولت سے ٹالا۔ عزمی کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ہوں۔ دھیان بھٹک جائے تو واقعی پرابلم تو ہو جاتی ہے بات ٹھیک کہی ہے تم نے۔" اچانک اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ کچھ اس انداز سے بولا کہ وہ سٹپٹا سی گئی۔

اس دوران وہ کچن چھوڑ چکا تھا۔

"یا اللہ۔" اس کے جاتے ہی اس نے گہری سانس بھر کر دروازے کی طرف دیکھا۔ "عجیب ہے یہ شخص بھی۔ دوستانہ انداز اور مہربان لہجے والا۔"

چائے بناتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ چائے نکالتی مونا نے آ کر شور مچا دیا تھا سو وہ اس کی مدد سے کام مکمل کر کے باہر نکل آئی۔

زرق برق بہترین کام کے سوٹ تھے اور کچھ کاٹن پر بہترین کڑھائیاں تھیں۔ مونا کی چھیڑ چھاڑ اور ساتھ عزمی کے چٹکلے کمنٹس سے ماحول بڑا خوشگوار بنا ہوا تھا۔ نشاء کے چہرے پر خوشی کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ یکدم ایک جھماکہ سا ہوا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے۔ ایسے ہی کتنے کپڑے آغا جان نے اس کی پسند سے لیے تھے اس کے لیے جو آج بھی سوٹ کیس میں بند رکھے تھے نہ ان کپڑوں کو پہننے کی نوبت آئی نہ موقع۔ وہ سہاگن ہو کر بھی کیسی اجڑی اجڑی سی تھی۔ سہاگن وہی جو پیا من بھائے اور وہ تیمور کے من کو بھائی تھی نہ اس کی آنکھوں میں سمائی تھی۔

یادوں کا ایک ریلا سا حشر بپا کر گیا تھا دل و جان میں۔ کم مائیگی اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی خالی ہاتھ ہونے کے احساس نے اس کی پلکیں نم کر ڈالیں۔

"سنو بھئی کہاں ہو یار۔" مونا نجانے کب سے اسے متوجہ کرنا چاہ رہی تھی۔

"ہوں۔" وہ جیسے چونکی۔ "کہیں نہیں۔ یہیں تو ہوں۔"

"کیا واقعی۔" سامنے بیٹھا عزمی بھی اسی طرف متوجہ تھا بے اختیار بولا تو زرمینے کی نظر جھک سی گئی۔

"توبہ ہے لڑکی! تم تو جاگتے میں بھی سوتی ہو۔ دیکھو تو کتنا خوبصورت شیڈ ہے۔ میں تم بھی ایسا ہی لیں گے۔ کیا خیال ہے۔" نیلے رنگ کی ساڑھی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مونا نے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ پھر آغا جان کا خیال جیسے اس کے دماغ سے چپک گیا۔ وہ کھانا لگوانے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زاہدہ بیگم نے اب کے ڈانٹ ڈپٹ کر کے مونا کو کچن میں بلوایا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں چند دن کی مہمان سے کام کراتے ہوئے۔ ہم اسے بہلانے کے لیے کام کرنے کو کہتے ہیں تاکہ مصروفیت رہے اور وہ سوچ سوچ کر گھر والوں کو یاد کر کے ہلکان نہ ہو۔ مگر تم نے تو باقاعدہ اس کی شرافت اور خاموشی کا ناجائز فائدہ ہی اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ نشاء چند دن کی مہمان ہے اس لیے میں اسے کچھ نہیں کہتی مگر تم بھی مجھے اِدھر اُدھر مٹر گشت کرتی نظر آئیں تو تمہارے بابا سے شکایت کروں گی۔ سمجھیں۔"

مونا کے منہ بگاڑنے پر دبی آواز مگر سخت لہجے میں ڈانٹا تھا زاہدہ بیگم نے۔ دروازے سے اندر آتی زرمینے کے دل میں کچھ چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔

اس گھر میں سب اسے چند دن کا مہمان سمجھ کر برداشت کر رہے ہیں۔ تیمور کے دل میں بھی اس کے لیے کوئی جگہ نہیں مگر وہ اسے چھوڑے گا نہیں تو بسائے گا بھی نہیں۔ آخر اس کا ہو گا کیا؟ گھر والوں کے لیے وہ مہمان ہے اور تیمور کے لیے بلائے جان۔

اپنا کیا ہے یہاں۔ کچھ بھی نہیں۔ تنہائی اور اکیلے رہ جانے کے دکھ نے اسے آزردہ کر دیا تو وہ کمرے میں چلی آئی۔ آغا جان کا نمبر موبائل فون پر پش کرتے ہوئے اس نے خود کو بمشکل رونے سے روک رکھا تھا۔

آغا جان کی آواز سن کر جیسے دل میں ٹھنڈک سی اتری تھی۔

"کیسی ہو بیٹا؟"

"بالکل ٹھیک آغا جان۔" اس نے خود کو کنٹرول کر کے بمشکل لہجے میں بشاشت پیدا کی۔ "بہت خوش ہوں میں۔"

"ماشاء اللہ۔ اللہ ہمیشہ خوش رکھے۔" ان کے لہجے میں طمانیت بول رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "گھر میں تو سب ٹھیک ہے ناں۔ سب کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ۔" وہ پوچھ رہے تھے۔ ایک لمحے کو وہ چکرا سی گئی۔

"سب ٹھیک ہیں آغا جان۔ بلکہ مجھ سے تو بے حد محبت اور اپنائیت سے پیش آتے ہیں۔ مونا اور نشاء سے بھی اچھی دوستی ہو گئی ہے میری۔"

"اور تیمور کی والدہ کے کیسے تیور ہیں....؟" یکدم انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"بہت ہمدردی کرتی ہیں وہ میرے ساتھ۔ نشاء مونا کی طرح میرا بھی خیال رکھتی ہیں۔" وہ جانتی تھی آغا جان کو ان کی طرف سے کس قدر پریشانی تھی۔ اسی لیے چپ سی ہو گئی۔

"تم فکر مت کرنا بیٹا۔ کوئی آزمائش بھی ساری زندگی نہیں رہتی اور مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی اپنے اچھے محاسن سے سب کو جیت لے گی۔" اس کی خاموشی کو محسوس کر کے انہوں نے جیسے دلاسا دیا تھا مگر لہجہ میں یقین بھی تھا۔

UrduPhoto.com

"جی آغا جان۔" اس نے اور کیا کہنا تھا۔
"ویسے تیمور فون کرتا ہے تمہیں۔ خبر گیری رکھتا ہے تمہاری۔" انہیں کتنی فکر تھی اس کی۔
"جی۔ کرتے ہیں آغا جان۔ اپنا موبائل مجھے دے دیا ہے اسی پر کانٹیکٹ کرلیتے ہیں۔" آغا جان نے جو صعوبتیں سہہ کر اسے شہباز چاچا اور ان کے بیٹوں سے بچایا تھا' اس کے بعد وہ اتنا تو کر ہی سکتی تھی کہ ان کو جھوٹی تسلی تو دے ہی دے۔
"وہ بہت ذمے دار اور سمجھ دار ہے۔ میں اس پر خود سے بھی زیادہ بھروسہ کرسکتا ہوں۔ تمہیں اس کے ہاتھوں میں سونپ کر میں خود کو بہت پرسکون محسوس کرتا ہوں۔"
"آپ کو چاچا شہباز کی طرف سے کوئی خطرہ تو نہیں ہے نا آغا جان؟ وہ لوگ کہاں ہیں ابھی۔"
"وہ لوگ ابھی تو حراست میں ہی ہیں پولیس کی' ویسے جلد ضمانت پر رہا ہونے کا امکان تھا مگر اس سے پہلے ہی تیمور نے ان پر مقدمہ کردیا ہے۔"
"مقدمہ۔ کیسا مقدمہ آغا جان؟" وہ کچھ پریشان سی ہوگئی۔
"اپنی منکوحہ کی جائیداد پر قابض ہونے کی کوشش اور جان لینے کی سازش کی بنیاد پر بہت مضبوط مقدمہ کیا ہے تیمور نے۔ تمہیں نہیں بتایا؟ چلو سوچا ہوگا کہ تم پریشان ہوگی بہرحال بہت مضبوط گواہ اور ثبوت جمع کیے ہیں اس نے۔ خود میں نے اور گھر کے دوسرے ملازمین نے بھی گواہیاں دی ہیں۔ ان بدبختوں سے تو بہت لوگ عاجز ہیں' اس لیے ان کے خلاف شواہد بہت آسانی سے مل گئے ہیں۔ یوں بھی میں نے جرگہ کا فیصلہ لے لیا۔ شہباز خان کا اب کوئی حق نہیں رہا تم پر۔"
آغا جان کا ایک ایک لفظ جیسے اس کے اندر آب حیات اتار رہا تھا۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس سے اتنی نفرت کرنے والا تیمور اس کے لیے اتنا کچھ کرسکتا ہے۔ جب ہی وہ نشاء کی شادی میں اتنے کم دن ہونے کے باوجود نہیں آپا رہا یہاں۔
"چلو اب تم زیادہ فکر مت کرنا بیٹا۔ قافلے کے گزرنے کے بعد کافی دیر تک گرد اڑتی رہتی ہے۔ جب یہ گرد بیٹھتی ہے تو سامنے کا رستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔"
اسے خاموش محسوس کرکے انہوں نے بے اختیار کہا تھا اور وہ سوچتی ہی رہ گئی کہ کیا واقعی یہ گرد کبھی چھٹ سکے گی۔ کیا کبھی تیمور کے دل پر چھائے نفرتوں اور اجنبیت کے بادل اپنا رستہ بدل سکیں گے۔

☼ ☼ ☼

مونا اور نشاء اس بار زاہدہ بیگم کے ساتھ ہی گئی تھیں شاپنگ کے لیے' جاتے ہوئے اس سے بھی کہا مگر ایک تو واقعی تیمور کے غصے سے ڈرتی تھی دوسرے شہباز چاچا کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف تھی اس لیے انکار کر دیا۔ یوں بھی اسے خریدنا ہی کیا تھا۔ جہیز کے نام پر آغا جان نے اتنے بہترین اور نفیس کپڑے اس کی پسند سے بنوا کر دیے تھے' بیش قیمت زیور بھی' اسے کمی نہیں تھی کسی چیز کی۔
بس ایک سراہنے والی نظر' ایک چاہنے والے دل اور ایک مان بڑھانے والے شریک حیات کی کمی تھی جو تیمور کے ہوتے بھی "کمی" ہی تھی۔ نہ اس کے پاس زرمینے کے لیے محبت تھی نہ ستائش۔ ان سب کو ساتھ جانے سے منع کرکے وہ اندر آئی تو اماں نے اسے بلالیا۔
"بیٹا! ساتھ نہیں جانا چاہتیں تو مت جاؤ مگر اپنی پسند ہی بتادو۔ زاہدہ تمہارے لیے خود لے آئے گی کپڑے۔" پاس بٹھا کر بڑے دلار سے کہا تھا انہوں نے۔ اس نے بے اختیار نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"نہیں پلیز' اس کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس بہت سے کپڑے ہیں۔ میں ان میں سے پہن لوں گی کوئی بھی۔" فوراً کہا۔
"لو۔ اب کیا شادی میں ایسے ویسے کپڑے پہنو گی۔ ارے پتا ہے تمہیں زاہدہ کے میکے اور نشاء کی سسرال میں سب سے ہم نے یہ ہی کہا ہے کہ تم ہماری رشتے دار ہو۔ بھلا اب لوگ تمہیں ایسے ویسے کپڑوں میں دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے کہ ہم نے تمہارا خیال بھی نہ کیا۔ یوں بھی لڑکیاں بالیاں سجتی سنورتی اچھی لگتی ہیں مجھے۔ تم بھی ذرا توجہ دیا کرو بیٹا۔ شادی میں دس طرح کے لوگ آئیں گے کنواری لڑکیوں کو خیال سے رہنا چاہیے۔"
اماں نے بات کہاں سے شروع کی تھی۔ کہاں آ کر روکی۔ "کنواری" کے لفظ پر وہ جیسے جھٹکا کھا کر سیدھی ہوئی تھی۔ بے حد خوف زدہ نظروں سے اس نے انہیں دیکھا۔ مونا ٹھیک کہتی تھی کہ اگر اماں کا بس چلے تو دنیا کے ہر کنوارے کو پکڑ کر ابھی شادی کردیں۔
"ن.....جی۔"

UrduPhoto.com

"ہاں بیٹا! ویسے تو سب کام مقدر سے ہوتے ہیں مگر کچھ انسان کو بھی تدبیر کرنا پڑتی ہے۔ چلو خیر' تم مجھے اپنے کپڑے دکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں تم نے کون سے کپڑے پہننے کا سوچ رکھا ہے۔"

بات کے اختتام پر انہوں نے حتمی انداز میں کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے اپنا سوٹ کیس ان کے سامنے کھولنا ہی پڑا۔

سوٹ کیس کیا کھلا۔ اماں کی آنکھیں حیرت سے وا ہو گئیں۔ خوبصورت کام دار نفیس رنگوں والے کتنے ہی ملبوس' کچھ سلے کچھ ان سلے۔ ساتھ میں سونے اور چاندی کے نازک بے انتہا نفیس زیورات۔ ایک سیٹ کافی بھاری بھی تھا مگر دو تین چھوٹے چھوٹے سیٹ بے حد خوبصورت تھے۔ جڑاؤ کنگن اور پازیبیں وغیرہ سب چیزیں موجود تھیں۔ طرح طرح کی تین چار چینز تھیں۔

ان سب چیزوں کے باوجود وہ کیسی اجڑی اجڑی رہتی تھی۔ لان اور کاٹن کے مدھم رنگوں والے ملبوس میں بنا زیور' بنا سنگھار کے سارا دن کام کرتی پھرتی تھی۔ کوئی منع بھی کرتا تو بھی لگی رہتی۔ اماں کو تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ بہت حیرت سے پوچھا۔

"بیٹا! یہ سب موجود ہے تمہارے پاس اور تم ایسی اجاڑ' ویران رہتی ہو۔ توبہ استغفار۔ تمہیں دیکھ کر تو وہم آتے ہیں مجھے۔ ارے یہ اتنے سارے زیور میں سے اور کچھ نہ سہی۔ یہ لاکٹ' یہ چین اور یہ بالیاں تو پہن لو۔ دیکھو بیٹا! عورت اگر صاف ستھری اور ہلکے پھلکے زیب و زینت کے ساتھ رہے ناں تو دیکھنے والے کی نگاہ کو بھلی لگتی ہے۔"

ایک بار پھر وہ اسے اشارے کنائیوں میں سمجھانے لگی تھیں۔

دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر کہے کہ اسے سجا سنوار کر کسی کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے ماتھے پر تو تیمور علی جاہ کے نام کی مہر لگ چکی ہے۔ اس سنگدل کے نام کی جسے نہ اس کے سنگھار سے کوئی دلچسپی ہے نہ اس کے وجود سے کوئی لگاؤ۔

اماں نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا مگر نظر انداز کرتے ہوئے شادی کی تقریبات کے لیے انہوں نے چار پانچ خوبصورت جوڑے نکال لیے تھے پھر اس نے لاکھ احتجاج کرنا چاہا مگر انہوں نے ان سنی کر دی۔ ایک دو انگوٹھیاں بھی نکال لیں۔ اور ابھی وہ سوٹ کیس بند کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نجانے کہاں سے عزمی چلا آیا تھا۔

"السلام علیکم! ارے یہاں بھی جمعہ بازار لگا ہوا ہے کپڑوں کا۔ مگر یہ کیا' نشاء کہاں ہے۔" اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر سوٹ کیس اور کھلے کپڑوں پر پڑی تھی۔

"یہ نشاء کے کپڑے نہیں ہیں۔ زرمینے کے ہیں۔" اماں نے چند ہلکے زیور نکالتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواباً کہا۔ جس کے نتیجے میں عزمی کی نظریں اس پر آرکیں جو قدرے روہانسی سی بیٹھی تھی۔ اماں اس کی ایک نہیں سن رہی تھیں۔

"اوہ تو یہ آپ کا جہیز ہے۔" بھنویں اچکا کر مخصوص زاویے پر لاتے ہوئے عزمی نے جس انداز میں کہا۔ وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ بے اختیار گھبرا کر اسے دیکھا۔ عزمی کو اس کی آنکھوں میں اس لمحے بہت وحشت نظر آئی۔

"تو تو بالکل دیوانہ ہے لڑکے! ارے یہ کپڑے زرمینے کے ہیں۔ اب انسان اتنی دور جاتا ہے گھر سے تو اپنا ساز و سامان لے کر تو چلتا ہے ناں۔ اس میں جہیز کی کیا بات ہے۔"

"اچھا تو یہ ساز و سامان ان کے یہاں نارملی استعمال کیا جاتا ہے۔ کیا مغلیہ خاندان سے تعلق ہے ان کا؟۔" وہ اسے یکدم نظر انداز کر کے ایسے بولنے لگا تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ خفت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جبکہ اماں اس کی بات پر ہنس پڑی تھیں۔

"چل ہٹ۔ زیادہ مذاق نہ کیا کر۔ یہ سوٹ کیس بہت بھاری ہے چل اسے بند کر کے وہاں رکھنا ہے تھوڑی سی مدد کر بچی کی۔ پہلے بھی بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر یہاں تک لائے تھے ہم۔" اماں نے بالآخر چند چیزیں مزید نکال کر سوٹ کیس بند کرنے کا حکم دے ڈالا۔

عزمی منہ بناتا ہوا ہی اٹھا تھا' صاف اماں کو جتانے والا انداز تھا مگر انہیں بھی پروا کہاں تھی۔ زرمینے کے حوالے سب چیزیں کرتے ہوئے بولیں۔

"بس یہ ہی کپڑے پہننے ہیں تمہیں شادی میں۔ اب کے ساتھ کی سینڈلیں جوتے میں منگوا لوں گی۔ یہ سب فی الحال سنبھال کر الماری میں رکھ دو اور ہاں یہ اس کمرے کی الماری کے سیف کی چابی ہے۔ اس میں زیور رکھو اور چابی سنبھال کر اپنے پاس رکھ لینا' شادی والا گھر ہے۔ دس لوگ آئیں گے خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے۔"

اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ اسے چابی تھما کر باہر نکل گئیں۔ جبکہ وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔

"محترمہ! مدد کرانے کی زحمت کریں گی یا یونہی مراقبے میں رہنے کا ارادہ ہے۔" عزمی کی شوخ آواز نے جیسے اسے جگایا تھا۔ وہ چونک کر شرمندہ سی ہوتی اس کے پاس چلی آئی۔

"کسی کا ساتھ مل جائے تو انسان بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل کام کر سکتا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" اس کے پاس آنے پر وہ اسے بھرپور مسکراہٹ سمیت دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ مگر اس کا دھیان ابھی تک اماں کے روپ میں اٹکا ہوا تھا' محض سر ہلا کر رہ گئی تو عزمی نے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو مزید کچھ کہنے سے روک لیا۔

☼ ☼ ☼

بعد میں جس نے بھی اس کے کپڑے دیکھے تعریف ہی کی۔ "اف اتنے حسین کپڑے تم نے چھپا کے رکھے ہوئے تھے اور یہاں ہم نئے ڈیزائن ڈھونڈ ڈھونڈ کر مرے جا رہے تھے۔" بریزے کی چکن کے کاسنی سوٹ پر گورے کا ہلکا ہلکا سا کام بنا ہوا تھا۔ جسے ہاتھ میں لیتے ہوئے مونا نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

جواباً وہ محض پھیکی سی مسکراہٹ مسکرا کر رہ گئی۔

"لاحول ولا! تم دونوں تو ایسے ان کپڑوں کو نظر لگا رہی ہو جیسے ساری زندگی لنڈے کے دو سوٹوں میں گزارا کیا ہو تم لوگوں نے۔ نیت نہیں بھرے گی کبھی تم لوگوں کی۔" عزمی سامنے سے گزرتے گزرتے فقرہ اچھال گیا تھا۔

"تم تو ذرا چپ ہی رہا کرو عزمی۔ ہر وقت طنز اور طعنے ہی نہ دیا کرو۔ کسی کی اچھی چیز کی تعریف کرنا بھی اخلاقیات میں شامل ہے۔" نشاء بری طرح بھڑکی تھی اس کی بات پر۔ نتیجتاً وہ جاتے جاتے پلٹ آیا تھا۔ جبکہ وہ مزید گویا تھی۔

"مگر تمہیں کیا پتا اخلاقیات کیا چیز ہوتی ہے۔ کبھی کسی اچھی چیز کی تعریف کی ہو تو پتا چلے ناں۔" زرمینے اس دوران کچھ گھبرا کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ مجھے جب کوئی چیز پسند آتی ہے تو میں تعریف بھی کرتا ہوں سراہتا بھی ہوں۔ کیوں زرمینے! ٹھیک کہا ناں میں نے؟" کچھ تھا اس کے لہجے میں۔ زرمینے نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا مگر وہ ہنوز نشاء کی طرف دیکھ رہا تھا تاہم اس کے لبوں میں دبا تبسم بہت گہرا اور معنی خیز تھا۔

کبھی کبھی اسے ایسا لگتا جیسے عزمی اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ کبھی اپنا آپ اس کی نظروں کی گرفت میں محسوس ہوتا اور ایسے میں وہ اتنی بے چین ہو جاتی تھی کہ پھر ساری رات تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہتا اور دل ہی دل میں وہ تیمور سے لڑتی رہتی جس نے اتنا بڑا تعلق بنا کر لاتعلقی کی حد کر دی تھی۔

عزمی کی نگاہیں' اس کا لہجہ' اس کے شوخ اور برجستہ فقرے دھیرے دھیرے اس کا اطمینان رخصت کیے دے رہے تھے۔ گو کہ اسے اندازہ تھا کہ وہ محض مذاق کرتا ہے۔ چھیڑتا ہے اسے مگر وہ اندر سے لاشعوری طور پر خوفزدہ تھی۔ دوسرے اس گھر میں جس "حیثیت" سے رہ رہی تھی اور جس "رشتے" سے آئی تھی اس کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا۔ وہ ایسی شوخیاں افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ تیمور کی اماں جتنی محبت والی تھیں اتنی ہی نفرت بھی ہوتی تھی ان کی۔

☼ ☼ ☼

اگلے تین چار دنوں میں مونا کے شور مچانے پر گھر میں ہلکی پھلکی ڈھولکی رکھ لی گئی۔ ہاں کراچی میں زاہدہ بیگم کے میکے کے کئی گھرانے آباد تھے۔ سب کی ہی لڑکیاں تھیں چنانچہ جونہی سب کو مدعو کیا گیا۔ ڈھیر ساری لڑکیاں چلی آئیں۔

ڈھولک کی آواز نے گھر میں سماں سا باندھ دیا تھا۔ نشاء بھی سب کے ساتھ آ بیٹھی تھی اور سب کے پر زور اصرار پر اس نے تالیاں بجانا بھی شروع کر دی تھیں۔ جس پر سب کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ زرمینے کے لیے یہ سب کتنا انوکھا اور خوبصورت تھا۔

شادیاں ایسے ہوتی ہیں۔ یہ اسے آج پتا چلا تھا۔ جبکہ اس کا نکاح جس طرح ہوا' وہ منظر وہ لمحے اس کے اندر اب بھی سلگتی یادوں کی طرح زندہ تھے۔ اتنی سوگواریت تو کسی جنازے پر بھی نہیں ہوتی ہوگی جتنی کہ اس کے نکاح پر تھی۔

نہ اسے کسی نے چھیڑا نہ کسی نے وداعی کے گیت گائے

لڑکیاں سب مل کر ڈھولک پیٹے جا رہی تھیں اور گانے

UrduPhoto.com

گائے جا رہے تھے۔

چلے آؤ سیاں رنگیلے میں واری رے
چلے آؤ سیاں رنگیلے میں واری رے
سجن موہے تم بن بھائے نہ گجرا
نہ موتیا چنبیلی نہ جوہی نہ موگرا
چلے آؤ سیاں رنگیلے میں واری رے

مونا کی فرمائش پر یہ گیت شروع کر دیا گیا تھا۔ گانے کے بول اردگرد کے ماحول اور احساس محرومی نے یکدم زرمینے کی آنکھوں میں مرچیں سی لگا دیں۔

سجن موہے تم بن بھائے نہ سنگھار
نہ کاجل نہ سرخی نہ مسی نہ مہندی
چلے آؤ سیاں رنگیلے میں واری رے

شوخ نظروں سے نشاء کو دیکھتے ہوئے وہ سب گا رہی تھیں۔

بے اختیار اس کی نظریں اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر پڑی تھیں اور نجانے کیسے اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ سب اتنے مصروف تھے۔ کسی کی توجہ اس پر نہ گئی اور وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔ گھر کے اندر تو جیسے دم گھٹ رہا تھا اس لیے لان کی طرف آنے لگی تھی کہ جالی کا دروازہ کھولتے ہی سامنے سے آتے تیمور کو دیکھ کر جیسے ٹھٹک سی گئی۔

چلے آؤ سیاں رنگیلے میں واری رے

اندر سب بڑے جوش سے گا رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے تیمور کا وجود ایک وہم لگا مگر جونہی اگلے لمحے وہ دو قدم بڑھا کر آگے آیا اور اسے بھنویں سکوڑ کر خشمگیں نظروں سے دیکھا' سارا وہم ہوا ہو گیا۔ برق کی سی تیزی سے وہ پلٹی تھی مگر اس طرف سے عزی آ رہا تھا۔

"آہا چاچو آپ آ گئے۔ ویلکم سر ویلکم.....!"

عزی نے پہلے تو ایک نظر حواس باختہ سی زرمینے کو دیکھا اور جونہی سامنے نظر اٹھی' خوشی سے چلا اٹھا۔ بے اختیار آگے بڑھ کر تیمور کے گلے لگا۔

زرمینے اس اثنا میں منظر سے غائب ہو چکی تھی۔

"کیسے ہیں آپ۔ کہاں تھے یار؟۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تم سناؤ گھر میں تو سب ٹھیک ہے۔"

تیمور اس کی محبت پر سرشاری سے مسکرا دیا۔ ڈھولک اور گانوں کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ آج سے یہ ڈھولکی بھی رکھ لی گئی ہے۔ گانوں کے نام پر یہ لڑکیاں اتنے بے سرے لاگ الاپ رہی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ویسے آپ آئے بڑے موقع سے ہیں۔ گانا بے حد حسب موقع گایا جا رہا ہے۔ غالباً" ان ہی لڑکیوں میں سے کسی نہ کسی پر اماں کی نظر ہے اور وہ سب جانتی بھی ہیں۔ اسی لیے اتنے لہک لہک کر جذب سے گا رہی تھیں اور دیکھ لیں آپ آ ہی گئے۔"

عزی راستے میں ہی اسے روک کے کھڑا بڑے مزے سے بول رہا تھا۔ بات ایسی تھی کہ تیمور نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا جس پر وہ بے فکری سے مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ ہی لاؤنج ہی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

آپ سے گلہ آپ کی قسم
سوچتے رہے کر سکے نہ ہم
اگر نہیں یار کی گلی
چلتے چلتے کیوں رک گئے قدم
اس کی کیا خطا لادوا ہے غم
کیوں گلہ کریں چارہ گر سے ہم

خاموش طبع تو وہ ویسے بھی تھی مگر جب سے یہاں آئی تھی۔ مونا اور نشاء کی کمپنی میں بولنا مجبوری ہو گیا تھا وہ نہ خود چپ بیٹھتی تھیں نہ اسے بیٹھنے دیتیں۔ تاہم تیمور کی مستقل واپسی کے بعد سے یکدم وہ اپنے پرانے خول میں سمٹ گئی تھی۔ نشاء اور مونا چونکہ بے حد مصروف رہنے لگی تھیں اس لیے کسی نے اتنا دھیان بھی نہ دیا۔

تیمور نے آتے ہی انتظامات سنبھال لیے تھے۔ نشاء کی شادی تک کی چھٹی بھی لے رکھی تھی' اس لیے اب اکثر وہ گھر پر ملتا تھا۔ کبھی عزی کے ساتھ چلا بھی جاتا۔ سعادت لالہ کو ایک طرف سے سکون ہو گیا تھا۔

جب وہ گھر پہ ہوتا تو زرمینے اس سے چھپتی پھرتی تھی۔ حالانکہ سامنا ہونے پر بھی تیمور اسے درخور اعتنا نہ جانتا تھا مگر پھر بھی وہ اس کے سامنے آنے سے گریز کرتی تھی۔ اسی آنکھ مچولی میں نشاء کی کے شادی فنکشنز بھی شروع ہو گئے۔

مایوں والے روز صبح سے گھر میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی شام کو لڑکے والوں نے رسم کرنے آنا تھا۔ لہٰذا وہ مونا کے بار بار بلانے پر بھی زاہدہ بیگم کے ساتھ کام میں لگی رہی۔ شام ہونے والی تھی تب کہیں جا کر اسے فرصت ملی تو

UrduPhoto.com

اماں نے زبردستی اسے تیار ہونے بھیج دیا۔ نہا دھو کر اس نے اماں کے کہنے پر شیفون کا لیمن کلر کا کرتا شلوار سوٹ نکالا جس پر سفید پوت کے موتیوں اور زری کا نازک سا کام بنا ہوا تھا۔ بال سکھا کر معمول کے دنوں کی طرح چٹیا بنالی۔ اپنے طور پر وہ اب تیار ہو چکی تھی۔ مگر جونہی مونا اس کی تلاش میں ادھر آئی اسے دیکھتے ہی اس نے چیخ مار دی۔

"محترمہ! آج میری بہن کی مایوں ہے۔ تمہارے اسکول میں میلاد کا فنکشن نہیں ہے۔ پہلی شادی ہے ہمارے گھر کی۔ خبردار جو تم نے کچھ کہا تو....." اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر مونا سننے والوں میں سے نہیں تھی۔

زبردستی چوڑیاں پہنائیں دونوں ہاتھوں میں اور پھر اس کے بالوں کی فرنچ ناٹ باندھ کر ہلکا ہلکا سا میک اپ کیا تاہم میرون لپ اسٹک لگاتے ہوئے اسے زرمینے کا زبردست احتجاج کا سامنا تھا۔

"چپ کرو۔ پہلے ہی اتنا سمپل سا سوٹ اور لائٹ کلر پہنا ہوا ہے تم نے لپ اسٹک تو شارپ لگاؤ کہ فریش نیس فیل ہو۔" اسے ڈپٹتے ہوئے وہ مشاقی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ اس لمحے تیمور اندر چلا آیا۔

"یہ لو مونا۔ تمہارے گجرے۔"

"سو نائس آف یو چاچو! میں بس ان ہی کا ویٹ کر رہی تھی۔" اس نے مڑ کر کہا۔ تیمور کی نظر بلا ارادہ اٹھی تھی اس کی طرف۔ ایک لمحے کے لیے بھنویں سکڑ سی گئیں۔ مونا پتا نہیں کیا سمجھی ہنس کر بولی۔

"اچھی لگ رہی ہے ناں چاچو۔ میں نے تیار کیا ہے آفٹر آل۔"

اس کا جملہ ایسا تھا کہ تیمور اپنی جگہ چور سا ہو گیا جبکہ زرمینے نے ہونٹ کاٹتے ہوئے رخ پھیر لیا تھا۔

مونا اسے ساتھ ہی باہر گھسیٹ لائی۔ لپ اسٹک ہلکی کرنے تک کا موقع نہ دیا۔ اماں نے ان کو دیکھا تو بے ساختہ مونا کو گلے سے لگا لیا۔ وہ لگ بھی اچھی رہی تھی۔ ساتھ ہی زرمینے کے سر کو بھی تھپکا جسے آج پہلی بار سنگھار کیے دیکھا تھا۔

"ہیلو۔ کون ہیں آپ۔" عزی پاس سے گزرتے گزرتے رک گیا۔ سنجیدہ چہرے پر شوخ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ مونا جواباً" کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بوجھو تو جانیں۔" جواباً" عزی نے اسے بغور دیکھا۔ ایک نظر زرمینے پر بھی ڈالی۔

"کہیں تم کوہ قاف کی چڑیل تو نہیں۔" یکدم وہ یوں چونکا جیسے پہچان لیا ہو۔

"دفع ہو جاؤ عزی تم۔" مونا چڑ کر آگے بڑھ چلی تھی۔ زرمینے نے بھی قدم بڑھائے تو اس نے پکار لیا۔

"سنو۔ یہ چڑیل کا ریمارک صرف مونا کے لیے تھا۔ تمہیں ویسے کہوں تو چلے گا؟" وہ بڑی سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا۔ زرمینے کی سمجھ میں ہمیشہ کی طرح نہیں آیا کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا طنز۔ اس لیے متانت سے بولی۔

"مجھے زرمینے ہی کہیں۔ کیونکہ یہ ہی میرا اصل نام ہے۔"

"ماشاء اللہ۔ حسن مزاح خاصی پالش ہوتی جا رہی ہے تمہاری۔" وہ صاف بے مزہ ہوا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی' سعادت لالہ کے پکارنے پر وہ سائیڈ سے نکلتا چلا گیا۔ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے سامنے کچن کا رخ کیا جہاں سلاد بنانا ابھی باقی تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی احساس ہوا وہ کچھ غلط وقت پر آ گئی ہے سامنے ہی تیمور کافی میکر آن کر رہا تھا۔ اس نے سوچا پلٹ جائے مگر پیچھے سے آتی زاہدہ بیگم نے اسے موقع نہیں دیا۔

"چلو شکر ہے زری تم تیار ہو گئی ہو۔ میں مونا کو بھیج رہی ہوں۔ تم ذرا اس کے ساتھ سلاد بنوا لو بلکہ مونا کو چھوڑو۔ میں کسی اور کو بھیجتی ہوں۔ آج تو وہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی۔ اس کا مجھے پتا ہے اور ہاں تیمور! تم کافی چھوڑ دو زری بنا دے گی۔ باہر کرسیوں کا ارینجمنٹ دیکھ لو۔ تمہارے بھائی بلا رہے ہیں تمہیں۔" ایک افراتفری میں انہوں نے ہدایات دی تھیں اور پھر فوراً" چلی بھی گئیں۔

زرمینے خاموشی سے اندر چلی آئی۔ سلاد کا سامان سامنے ہی پڑا تھا۔ تیمور تو اپنے کام نہ کرنے کی سخت ہدایت دے چکا تھا۔ اس لیے کافی بنانے کی نہ اس نے ہمت کی نہ تیمور نے اجازت دی۔ چھری اٹھا کر وہ کام کرنا شروع کر چکی تھی۔

خوبصورت لباس "سنگھار" ہلکی پھلکی جیولری اور ایٹرنٹی کی خوشبو میں بسا اس کا وجود ساری توجہ کھینچنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ تیمور نے ایک نظر اسے دیکھا۔ گوری گوری ہتھیلیاں مہندی کے سرخ رنگ سے خطرناک حد تک جاذب نظر لگ رہی تھیں۔ سڈول کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں تھیں۔

چھری سے کھیرا کاٹتے ہوئے چوڑیاں کھنک رہی

تھیں۔ سامنے خوبصورت منظر تھا مگر اسے سراہنے کے لیے تیمور علی جاہ کے پاس دل نہیں تھا۔ تاہم وہ دل ہی دل میں اس کے حسن کا معترف ضرور ہوا۔ آغا جان نے اپنے طور پر اس کے لیے واقعی بہترین شریک حیات ڈھونڈی تھی۔

کافی تیار ہونے سے پہلے ہی زاہدہ بھابھی کے بھیجنے پر ایک لڑکی وہاں چلی آئی۔

"السلام علیکم کیسی ہو زری۔" دونوں کو مشترکہ سلام کرکے وہ زرمینے کے پاس چلی آئی تھی۔ ڈھولکی والے دن مونا نے اس سے تعارف کرایا تھا۔ صبا نام تھا اس کا اور وہ خاصی بے تکلف لڑکی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں۔" تیمور کی موجودگی سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی ورنہ صبا سے اس کی اچھی علیک سلیک ہو گئی تھی۔

"آف کورس۔ ویسے تمہاری مہندی زبردست رچی ہے۔ سنا ہے جس کی مہندی کا رنگ گہرا آتا ہے۔ اس کا لائف پارٹنر بہت لونگ ہوتا ہے۔" صبا چھری تلاش کرکے قریب چلی آئی تھی۔ ہنستے ہوئے بے تکلفی اور شوخی سے بولی تو لمحے بھر کے لیے زرمینے کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔

کن انکھیوں سے ذرا فاصلے پر کھڑے تیمور کو دیکھا تو دل سے آہ سی نکل گئی۔ نجانے اس نے صبا کی بات سنی تھی کہ نہیں۔ مصروف سے انداز میں کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اس نے مشین آف کر دی تھی۔ بلیک شلوار قمیص میں آستینیں فولڈ کیے وہ خاصے رف سے حلیے میں تھا۔ صبا نجانے کیا کہہ رہی تھی جبکہ زرمینے کا رواں رواں تیمور کی طرف متوجہ تھا جس نے باہر نکلتے ہوئے بلا ارادہ ہی اسے دیکھا اور چونکہ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اس لیے نظروں کے تصادم پر بری طرح گڑبڑا کر سر جھکا لیا تھا۔

سلاد کٹ گئی، سجا بھی دی پھر بھی بہت دیر تک وہ باہر نہیں نکلی۔ طبیعت مکدر محسوس ہو رہی تھی۔ تلخ حقائق کو جاننے اور ماننے میں فرق ہوتا ہے۔ اس نے تیمور کے رویے کو سمجھ تو لیا تھا مگر اسے من و عن قبول کرنا آسان نہیں تھا اس لیے ہر بار وہ رنجیدہ ہو جاتی تھی۔

کتنی ہی دیر گزر گئی۔ وہ بلاوجہ خود کو کاموں میں لگائے رہی۔ حتیٰ کہ باہر لڑکے والوں کے آنے کا شور مچ گیا۔ کسی کو بھی اس کی کمی کا احساس نہیں تھا کیسے ہوتا جبکہ تمام احساسات اور جذبات کا علم ہونا چاہیے تھا وہ تو خود اس

سے منہ پھیرے ہوئے تھا۔

احساس محرومی اور تنہائی کے خیال سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ ابھی وہ خود کو کمپوز کر ہی رہی تھی کہ عزمی اسے تلاش کرتا وہاں چلا آیا۔

"ارے تم یہاں ہو، کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا، کیا کر رہی ہو یہاں؟" اندر آتے ہی اس نے سوال داغ دیے۔ رخ پھیر کر اس نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

"کچھ نہیں بس تھوڑی سلاد بنا رہی تھی۔"

"بن گئی نا اب، تو چلو اماں تمہیں بلا رہی ہیں اور ہاں یہ کاجل صاف کر لینا، پھیل گیا ہے۔ خوشی کے موقعوں پر آنسو نہیں بہایا کرتے۔ بدشگونی ہوتی ہے۔" معمول کے سے انداز میں بولتے بولتے اچانک اس نے گہری نظروں کے فوکس میں اسے لیتے ہوئے بہت سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

بات ہی ایسی تھی، زرمینے نے بے ساختہ نظر اٹھائی تھی۔ کیا کہتی، کہنے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے، بس کچھ کہتی سنتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تو اسے کہنا ہی پڑا۔

"میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں مگر ہمت ہارنے سے راستہ مزید کٹھن اور منزل اور بھی دور محسوس ہونے لگتی ہے۔ بی بریو۔ تم ہمیشہ اپنوں سے دور نہیں رہو گی۔ یہ تمہاری زندگی کی ایک آزمائش ہے، جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انڈر اسٹینڈ۔ چلو اب مسکرا دو۔ تم ہنستے ہوئے کافی چارمنگ لگتی ہو اور آج تو یوں بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

وہ کتنی بے تکلفی سے ساری بات کہہ جاتا تھا، اس کے احساسات کتنے ٹھیک سمجھے تھے، دوستانہ لہجے میں کیسے دلاسا دیا تھا اس نے۔ تیمور کا بھتیجا ہونے کے باوجود وہ کتنا خیال کرنے والا اور مرنجاں تھا۔

اور پھر باقی وقت بلے گلے میں گزر گیا۔ مونا کو عزمی نے نجانے کیا کہا تھا کہ پھر اس کے بعد اس نے ایک منٹ کے لیے اسے اپنے پاس سے جانے نہیں دیا اور وہ کھوئے کھوئے ذہن کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ تیمور ایک آدھ بار نظر بھی آیا مگر وہ اور لوگوں کے ساتھ مصروف تھا۔ جیسے نہیں وہ اس سے واقعی لاتعلق تھا یا لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتا تھا۔

وہ ایسی ہی الجھی الجھی تھی اور ان ہی دنوں میں نشاء کی مہندی کا دن بھی آ گیا۔ اس روز بھی خوب ڈھول ڈھمکا ہوا، خوب گانے گائے گئے۔ مونا اور اس کی ڈھیر ساری کزنز نے خوب رونق لگائی جبکہ وہ اماں کے ساتھ لگی رہی، کرنے کو سینکڑوں کام تھے۔ گوکہ انہوں نے کئی بار اسے لڑکیوں کے ساتھ گانے بجانے میں حصہ لینے کے لیے کہا مگر وہ ٹال گئی۔

ابھی بھی کمرے سے وہ نشاء کے لیے سرخ دوپٹہ لینے آئی تھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ دوسری طرف آغا جان تھے۔ آواز سن کر جیسے دل میں سکون لہریں لینے لگا۔

"کیسی ہے میری بیٹی!"

"بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں آغا جان....؟"

"میں بھی اللہ کے کرم سے خیریت سے ہوں۔ تم کو امن میں دیکھ کر دل کو سکون محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ اب تمہارے دشمن زیر ہیں۔" وہ بہت طمانیت سے کہہ رہے تھے۔

"کیا مطلب آغا جان! کیا ہوا ہے چاچا شہباز کو؟" وہ کچھ حیرانی سے سوالیہ ہو گئی۔

"ارے تمہیں تیمور نے نہیں بتایا۔" وہ خاصے متحیر ہوئے تھے اس کے استفسار پر۔

"جج.... جی بتایا تو تھا مگر زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہو سکی۔ یہاں مصروفیت بھی تو بہت ہے نا۔ نشاء کی مہندی ہے آج۔" کچھ گڑبڑا کر اس نے بمشکل بات سنبھالی تھی۔ اب ان کو کیا بتاتی کہ تیمور علی اس سے بات کرنا تو درکنار اس پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

"اچھا اچھا، خیر تیمور نے اور ایس پی فیروز نے مل کر بہت محنت کی۔ ایسے ایسے شواہد ڈھونڈے ہیں ان باپ بیٹوں کے خلاف کہ مقدمے کا فیصلہ انشاء اللہ ان کے خلاف ہی ہو گا اور قبل از گرفتاری ضمانت تک نہیں ہونے دی۔ دوسری طرف جرگے سے بھی میں نے فیصلہ لے لیا ہے۔ شہباز خان سے تو پورا علاقہ ہی تنگ آیا ہوا تھا۔ ایک تمہاری ہی جائیداد پر اس کی نظر نہیں تھی۔ اس نے نجانے کتنے معصوم لوگوں کی جانیں لیں اور حقوق غصب کیے۔ اس پر منشیات کے گھناؤنے کاروبار سے متعلق ملنے والے ثبوتوں نے ان تینوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔" آغا جان بہت مسرور انداز میں بتا رہے تھے جیسے دل سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔

بات ہی ایسی تھی، وہ بھی جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ ہر وقت خوف و دہشت کی جو تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی، آج اس سے نجات مل گئی تھی۔

"اب تم بالکل پریشان نہ ہونا میری بیٹی! نشاء کی شادی سے فارغ ہو جائے تیمور تو اس سے کہوں گا مجھ سے ملانے آئے میری بیٹی کو۔"

"سچ آغا جان!" وہ جیسے کھل سی گئی۔ کتنے مہینوں بعد ان کو دیکھے گی۔ اور پھر بہت دیر تک وہ اسے مقدمے وغیرہ کے متعلق بتاتے رہے اور وہ سنتی رہی پھر ان سے پوچھا کہ کیا وہ نشاء کی شادی میں آئیں گے تو وہ بڑی آسانی سے اس سوال کو نظرانداز کر گئے۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اچانک مونا اندر آ گئی۔

"اف زری! تم یہاں ہو، اماں کب سے سرخ دوپٹہ منگوا رہی ہیں، نکالا تم نے۔"

"آ.... ہاں.... یہ رہا۔" اس نے گود میں رکھا دوپٹہ بڑھایا۔

"تھینکس۔ چلو اب تم بھی آ جاؤ نا، رسم شروع ہونے والی ہے۔" اشارے سے موبائل آف کرنے کا کہہ کر وہ سرعت سے نکلتی چلی گئی پھر اس نے بھی چند باتوں کے بعد آغا جان کے کہنے پر خدا حافظ کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

باہر آئی تو بے انتہا رونق سی محسوس ہوئی، شاید آغا جان کی بتائی ہوئی باتوں کا اثر تھا۔ اس کا خوف زائل ہو گیا تھا، اس لیے ہر چیز اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔

فان کلر کے نیٹ کے سوٹ میں وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔ دوپٹے پر ٹکے نگوں کی چمک اس کی آنکھوں کی چمک کے آگے ماند پڑ رہی تھی۔ کتنے دنوں بعد اس نے خود کو خوف اور دہشت کے شکنجے کی گرفت سے باہر محسوس کیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اپنی آزادی کا جشن منائے، خوب ہنسے بولے، خوشی اور شادمانی اس کے چہرے سے جھلک اٹھی تھی۔ وہ باہر نکلی تو سامنے سے آتے عزمی نے اس کے مگن انداز اور زیر لب مسکراہٹ کو بغور دیکھا تھا۔

"ہفت اقلیم کی دولت ملی ہے یا کہیں کی بادشاہت؟۔" ہمیشہ کی طرح اچانک آ کر اس نے پوچھ لیا۔

"جی؟" حسب توقع اس کی کشادہ آنکھیں حیرت سے مزید وا ہو گئیں۔ "کیا مطلب؟" کچھ گھبرا کر سوال کیا تو عزمی ہنس پڑا۔

"کچھ نہیں محترمہ! اپنے چہرے کا جغرافیہ ٹھیک کر لیں،

UrduPhoto.com

ذرا دیر پہلے والا منظر بہت بہتر تھا۔ بات بات پر یوں وحشت زدہ مت ہو جایا کرو۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں نے تمہیں ڈرا دیا ہے۔ فولش گرل۔" سر جھٹک کر وہ آگے بڑھ گیا تو اس نے ایک نظر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور آگے بڑھ آئی۔

رسم کے بعد جیسے ہی نشاء کو اٹھایا گیا سب نے مل کر مونا کو چوکی پر دھکیل دیا۔

"ارے مجھے کیوں دھکیل رہی ہو تم سب۔ تیمور چاچو کو لا کر بٹھاؤ اس جگہ، شاید اسی طرح ان کے سہرے کے پھول کھل جائیں۔" مونا چلا رہی تھی۔

"سو تو ہے مگر بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون۔" سب متفق تھیں، صبا کے کہنے پر سب قہقہہ لگا کر ہنسیں۔

"حالانکہ تمہارے چچا تو ایک دم ڈیشنگ ہیں، اعلا تعلیم بھی ہے، بہترین روزگار بھی۔ مکمل طور پر اسٹیبلشڈ ہیں تو پھر شادی کیوں نہیں کر لیتے۔" صبا کے سوال پر باقی سب بھی قریب آ گئی تھیں۔ زرمینے دھڑکتے دل سے ان سب کی باتیں سن رہی تھی۔ مونا نے مختصراً" ان کی کہانی سنا دی۔

"ارے یار! یہ عشق وشق سب دھرا رہ جاتا ہے، حسن و خوبصورتی کے آگے۔ تم لوگ ان کو کوئی خوبصورت اور پیاری سی لڑکی دکھاؤ، دیکھنا خود مان جائیں گے۔" یہ انیلا کا کہنا تھا۔

"کیا ہے یار! یہ سب بھی کیا ہے مگر ادھر تو دل پر گلیشئر جما ہوا ہے جیسے۔" مونا بے زار تھی۔

"ویسے یار! اتنے اسمارٹ بندے کو جلد قابو کر لینا چاہیے۔ خوامخواہ ہزار دل دھڑکتے رہتے ہیں۔" صبا قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔ سب لڑکیوں پر چوٹ کی تھی اس نے، سو سب مل کر اسے کھری کھری سنانے لگیں اور زرمینے وہاں سے اٹھ آئی۔ دل میں ایک نامعلوم سی اداسی اتر آئی تھی۔ یکدم ذرا دیر پہلے والی سرشاری کچھ مدھم پڑ گئی تھی۔

دوسرا دن سب سے زیادہ گہما گہمی والا تھا، صبح سے وہ افراتفری تھی گھر میں کہ زرمینے بھی بھاگ بھاگ کر تھک گئی۔ اللہ اللہ کر کے نشاء، مونا کے ساتھ پارلر گئی تو کچھ سکون ہوا اور پھر وہ اماں اور زاہدہ بھابھی کی ہدایات پر پھرکی بنی رہی۔ تیمور کئی بار گھر سے باہر گیا، آیا۔ جب بھی گھر آیا اسے کام میں جتا ہی دیکھا۔ اماں اس کی تابعداری سے بے حد خوش تھیں۔ ایک آدھ بار اس سے بھی تعریف کرنے لگی تھیں مگر اس نے قصداً" بات کاٹ دی۔

شام ڈھلنے کو آئی تو اماں نے ہی اسے تیار ہونے کو بھیجا۔ بریزے کی چکن کا کرتا دوپٹہ اور سادہ پاجامے میں وہ حسب سابق بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اماں نے اس کے لیے چوڑیاں اور دوسری جیولری منگوا دی تھی جسے اماں نے ہی زبردستی کر کے پہنوائی اور پھر صبا کو بلا کر میک اپ بھی کرایا۔

وہ نہ نہ کرتی رہی اور صبا میچنگ لپ اسٹک کو ٹچ دیتے ہوئے اس کا احتجاج نظر انداز کرتی رہی۔

"لو دیکھو، کتنی اچھی لگ رہی ہو۔ اتنا سوبر اور ڈیسنٹ میک اپ کیا ہے میں نے۔ سفید موتیوں والی چھوٹی چھوٹی جھمکیوں میں اس کا چہرہ اور بھی قابل دید لگ رہا تھا۔ تیار ہو کر وہ باہر آئی تو اماں نے اسے پکار لیا۔ پاس آنے پر بے اختیار "ماشاء اللہ" نکلا تھا ان کے لبوں سے۔

"لو بیٹا! یہ تیمور کا کوٹ ہے، ذرا اسے دے آؤ۔ میں جب تک وضو کر لوں، نماز کا وقت ہو گیا ہے اور ابھی نکلنا بھی ہے گھر سے۔"

حسب سابق اسے جواب کا موقع دیے بغیر وہ حکم سنا گئی تھیں۔ کیا کرتی ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر صبا نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ سو ناچار خود اس کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دھڑکتے دل سے اندر جھانکا تو پتا چلا کمرہ خالی ہے۔ اس نے سکون کی سانس لی اور اندر چلی آئی۔ ابھی کوٹ رکھ کر مڑی ہی تھی کہ تیمور کف کے بٹن لگاتا اندر چلا آیا۔ دونوں ہی ٹھٹکے تھے۔ تیمور کی بھنویں سکڑی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے سر تا پیر اسے دیکھا جو مقابل کی ساری توجہ کسی مقناطیس کی طرح اپنی جانب کھینچنے کی تمام صلاحیتیں رکھتی تھی۔ ذہن، دل اور آنکھیں کبھی کبھی ایک دوسرے سے رابطے منقطع بھی کر لیتے ہیں۔

تیمور کی نگاہیں بھی اس لمحے بے لگام ہو گئی تھیں۔ ہر بار وہ نئے انداز، نئے رنگ میں نظر آتی تھی مگر آج تو چھب ہی نرالی تھی۔ رنگ روپ تو بہت سوں کے حصے میں آتے ہیں، مگر اس میں کوئی خاص بات تھی۔ شاید اندرونی خوبصورتی، باطنی پاکیزگی تھی یا پھر شاید کوئی سحر تھا یا رشتے کی کشش۔

بس ایک لمحے کی بات تھی، بہت جلد سنبھل کر وہ برابر سے نکلتی چلی گئی تھی اور تیمور کی سکڑی بھنویں ایک ہی

UrduPhoto.com

زاویے پر رکی رہ گئی تھیں۔

خود وہ بھی کتنا وجیہہ لگ رہا تھا۔ زرمینے کے دل کا ایک ایک تار بج اٹھا تھا اسے دیکھ کر۔ یوں تو وہ جب بھی اس پر نظر ڈالتی تھی، دل ڈول جاتا تھا مگر آج اسے بڑے اہتمام سے تیار دیکھ کر ایک انوکھے سے احساس نے دل کو چھیڑا تھا۔ اسے لگا اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو رہا ہے، دھواں سا اٹھ رہا ہے، اس لیے جلدی سے باتھ روم میں بند ہو کر دروازے سے ٹیک لگا لی اور جب کئی منٹ بعد نارمل ہوئی تو نکلنے کا سوچا، اسی دوران زاہدہ بھابھی نے آ کر سب کو گاڑیوں میں بیٹھنے کا حکم سنا دیا تھا۔ اسے باہر آنا ہی پڑا۔ عزی بھی آج بہت اسمارٹ لگ رہا تھا، اسے آتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

"واؤ، بھئی آج تو صبا کے میک اپ نے تمہیں وینس بنا دیا ہے۔ بلیو می۔" اس کا بے باک اور فطری انداز ہنوز تھا، وہ نروس سی ہو کر وہاں سے غائب ہو گئی۔

لان پہنچے تو اکا دکا مہمان آ چکے تھے، وہ ڈریسنگ روم چلی آئی، جہاں نشاء پارلر سے تیار ہو کر ابھی ابھی آئی تھی۔ اتنی پیاری لگ رہی تھی وہ کہ نظر نہیں ٹک رہی تھی مگر اس نے بھی جب زرمینے کو دیکھ کر بے اختیار سراہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

کچھ دیر بعد بارات بھی آ گئی تو نکاح کی رسم شروع ہو گئی، قاضی آئے اور گواہ بھی۔ پہلے نشاء سے دستخط کرائے گئے۔ یہ منظر بہت دیکھا ہوا سا لگ رہا تھا۔ اس کا ذہن جیسے کئی ماہ پیچھے چلا گیا۔ ایسے ہی گواہوں کے سامنے اس نے بھی تین دستخط کیے تھے۔

کچھ دیر کے لیے ماضی کا ایک ایک لمحہ چراغ بن کر پلکوں پر جل اٹھا تھا۔ گواہوں کے ساتھ تیمور بھی تھا، نجانے اس کی نظروں کے ارتکاز کا اثر تھا یا شاید خود اسے بھی کچھ یاد آ گیا تھا کہ بلا ارادہ کونے میں ایک طرف کھڑی زرمینے کی نگاہوں سے نگاہ ٹکرائی تھی اور گو کہ فوراً" ہی اس نے نظر پھیر لی تھی مگر زرمینے کا دل جل اٹھا تھا۔ بے اختیار وہ تیز قدم اٹھاتی باہر نکلتی چلی گئی۔ لان کی ٹھنڈی اور روشن فضا نے اسے خود کو سنبھالنے میں خاصی مدد دی۔

صبا وغیرہ بھی اس دوران اس کے پاس چلی آئی تھیں۔ سو وہ ان کی باتوں میں خود کو بہلانے لگی۔ نکاح کے بعد نشاء کو اسٹیج پر لا بٹھایا گیا تو وہاں رونق لگ گئی۔

"واؤ، بھئی ماشاء اللہ اتنی لڑکیاں ہیں آج یہاں کہ لگتا ہے جیسے چاچو آپ کا سوئمبر ہے۔" نکاح کے چھوہارے بانٹنے کے بعد عزی تیمور کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ جواباً" اس نے سخت نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر اس پر اثر نہ تھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں چاچو! ابھی بھی وقت ہے، مان جائیں۔ نہیں تو بعد میں صرف ہاتھ ملتے رہ جائیں گے آپ۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے جس میں حسینائیں مہ وشائیں نہ ہوں۔ بقول شاعر۔

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
تو کیسے عمر کٹے، زندگی کہاں گزرے

وہ اسی شوخی سے گویا تھا۔

"تمہیں اتنا ہی شوق ہے تو تم کر لو۔ ان مہ وشاؤں سے شادی۔" دبے دبے لہجے میں اس نے قدرے بیزاری سے کہا تھا۔

"آپ کریں تو میری فائل اوپر آئے نا۔ آپ کو کیا پتا کتنا انتظار کر رہا ہوں میں اپنی فائل اوپر آنے کا۔" جواب میں وہ جس بے ساختگی سے بولا، تیمور چونک گیا۔

آج سے پہلے اس نے کبھی ایسا جواب نہیں دیا تھا۔ ہمیشہ یہی کہتا، چاچو کریں گے تو ان کے تجربے کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔

وہ اماں کی طرف آ گیا جو کسی بزرگ خاتون سے محو گفتگو تھیں۔

"ماشاء اللہ پوتیاں تو آپ کی دونوں ہی اچھی ہیں مگر یہ بچی کون ہے، جو آپ کے گھر میں رہتی ہے۔" گول گول عینک کے عدسوں کے پیچھے سے انہوں نے دور کھڑی زرمینے کو خاصی سراہنے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ تیمور کچھ جھنجلا سا گیا۔ جواباً" اماں نے وہی کہانی سنا دی جو سب کو سنا رہی تھیں۔

"کہیں بات لگی اس کی یا ابھی تک فارغ ہے؟۔" اب کے انہوں نے مزید جوش سے پوچھا۔

"ارے نہیں، ابھی کہاں۔ صرف بارہویں تک پڑھی ہے۔ کم از کم چودھویں تو کر لے۔ ویسے میں دیکھ رہی ہوں اس کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ۔" اماں کے تو مطلب کا موضوع نکل آیا تھا۔ تیمور کی حسیات اور سماعت یکدم الرٹ ہو گئی تھیں اس لمحے۔

"لو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ گھر میں لڑکا ہے تو موجود۔" جواباً" بزرگ خاتون نے قدرے حیرت سے کہا تو اماں سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"کون..... تیمور....." کچھ سوچ کر انہوں نے سوال کیا تھا۔

"نہیں بھئی' میں تو اپنے عزی کی بات کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا ہے' دونوں میں دوستی بھی ہے شاید پھر عمر کے حساب سے بھی جوڑ صحیح بنتا ہے ان کا۔"

تیمور علی ساکت کھڑا رہ گیا تھا' اس پر سے جیسے سات سمندروں کا پانی کسی تند و تیز طوفان کی مانند گزرا تھا۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے آسمان و زمین اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئے ہوں۔

اپنے ادھورے فیصلے کی ہولناکی کا آج سے پہلے اسے احساس تک نہیں تھا۔

ان بزرگ خاتون کو پتا تک نہیں تھا کہ ان کے چند الفاظ نے تیمور علی جاہ کو کس برزخ میں دھکیل دیا تھا۔ اس نے لہو رنگ نگاہوں سے بے اختیار زرمینے کو تلاش کیا تھا جو اس وقت صبا وغیرہ کے ساتھ چپ چاپ سی کھڑی تھی وہ اپنے رنگ و روپ اور سنگھار کی بدولت سب میں ممتاز نظر آ رہی تھی۔

عزی بھی اسی ٹولے کے ساتھ کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ تیمور نے گہری نظروں سے عزی کا دور سے ہی جائزہ لیا۔ وہ طبیعتاً" خاصا بذلہ سنج اور دوستانہ مزاج کا لڑکا تھا' اس لمحے بھی انیلا اور صبا سے کچھ کہہ کر وہ بلند آواز سے ہنس رہا تھا۔

"چلیے آیئے نا اماں! اسٹیج پر چلیں۔ سعادت کہہ رہے ہیں' ایک فیملی گروپ فوٹو بنوالیں ہم لوگ۔" یکدم زاہدہ بھابھی کی آواز نے اسے چونکایا۔

"چلو تیمور! تم بھی چلو' آؤ۔" وہ خاصی عجلت میں تھیں' تاہم ان دونوں کو لے کر ہی ٹلیں۔

اسٹیج پر خاصی گہما گہمی تھی۔ نشاء اور کامران کی جوڑی ماشاء اللہ بڑی جچ رہی تھی۔

"اف چاچو! شکر ہے آپ آگئے۔ اب ذرا عزی کو بھی بلا لیں۔ دو بار بلا کر آچکی ہوں اسے میں۔" مونا نے اسے دیکھتے ہی دہائی دی تھی مگر اس سے پہلے وہ واپس پلٹتا' زاہدہ بھابھی ہی اسے بلانے چلی گئی تھیں۔

"اوہ مما! چلیں میں آرہا ہوں۔" بھابھی نے اسے کان سے پکڑ کر کھینچا تو اسے ہوش آیا۔ کان چھڑا کر بولا تو وہ مصنوعی غصے سے گھورتی آگے بڑھ گئیں۔ عزی نے بھی قدم بڑھائے تھے کہ ایک دم کچھ سوچ کر وہ رکا تھا۔

مڑ کر ذرا فاصلے پر کھڑی زرمینے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آؤ زری! تم بھی آؤ۔"

"مم..... میں....." وہ کچھ سٹپٹا سی گئی۔

"ہاں' ہماری فیملی کا گروپ فوٹو ہے۔" وہ بڑی رسانیت سے بول رہا تھا۔

"تو اس میں میرا کیا کام؟" اب کے وہ ہکلا گئی تھی۔

"بھئی۔ تم بھی تو ہماری فیملی ممبر ہی ہو نا اب اور اگر نہیں ہو تو بن جاؤ گی بہت جلد۔" بلا جھجک وہ انتہائی اطمینان سے کہہ گیا تھا۔

زرمینے کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بری طرح متغیر ہوا تھا۔ دور اسٹیج پر کھڑے تیمور کی سخت نظریں اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"آؤ ناں۔" عزی نے پھر سے پکارا تھا مگر وہ متذبذب تھی۔ اپنی جگہ سے ہلی نہیں تو یکدم عزی دو قدم پیچھے آیا تھا۔ بہت اچانک ہی اس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"چلو' جھجکو نہیں۔"

بڑے اطمینان سے وہ اسے تقریباً" گھسیٹتا ہوا اسٹیج پر لایا تھا۔ زرمینے کے لیے یہ سب اتنا اچانک تھا کہ وہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر سکی۔ تاہم اسٹیج پر آتے ہوئے بلا ارادہ نظر تیمور کی طرف اٹھی تھی' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

مگر اس کی نگاہوں میں جو نفرت' تضحیک اور برودت تھی' اس نے زرمینے کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑا دی تھی۔

بمشکل اس نے اپنا ہاتھ عزی کے ہاتھ سے کھینچ کر نکالا تھا جس کے اسٹیج پر پہنچتے ہی مونا نے گوشمالی کر ڈالی تھی۔

"کیا کرتا یار! یہ لڑکی مان ہی نہیں رہی تھی' اس نے دیر کرائی ہے۔" بڑے مزے سے اس نے سارا الزام زرمینے کے سر رکھ دیا تھا جو چور سی بنی اسٹیج کے کونے پر کھڑی تیمور کی زہرخند کینہ توز نظروں سے جھلس رہی تھی۔

"نہیں بھئی' میں تو عزی کی بات کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا ہے دونوں میں دوستی بھی ہے شاید' پھر عمر کے حساب سے جوڑ صحیح بنتا ہے ان کا۔"

ذرا دیر پہلے سنا ہوا جملہ اس کی سماعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل رہا تھا۔

"آپ کو کیا پتا کتنا انتظار کر رہا ہوں میں اپنی فائنل اوپر آنے کا۔" ساتھ ہی عزی کی آواز بھی سماعتوں پر بوجھ بن

رہی تھی۔

دعوے کرنا تو ابنِ آدم کا شیوۂ ازل ہے۔ کسی بھی ساعت کی کمزوری ہے اظہار مروت' اظہار محبت۔ پھر وہ ابن آدم کے کہے لفظوں سے ان دیکھی تصویریں تراش لیتی ہے' ان گنت خواب بن لیتی ہے۔

عزی کے الفاظ بھی بہت کچھ معنی رکھتے تھے اپنے اندر مگر زرمینے کے دل پر ان کا کوئی اثر اس لیے نہیں ہوا کہ وہاں تو پہلے ہی ایک شہریاراں آباد تھا۔ تاہم وہ تیمور کے تیور اور عزی کے لفظوں سے پریشان سی ہو گئی تھی۔

بقیہ فنکشن وہ ادھر ادھر غائب رہی اور یوں رخصتی کے بعد جب وہ سب کے ساتھ گھر آئی تو خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔ عزی اور تیمور اس وقت سخت تھکے ہوئے تھے' اس لیے سیدھے اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

لڑکی کی رخصتی بھی عجیب چیز ہے' جتنا گھر والے اسے رخصت کرنے کے خیال سے خوش ہوتے ہیں' اسی قدر اس کے چلے جانے سے اداسی گھر آتی ہے سب کے دلوں میں۔ زرمینے نے محسوس کیا کہ سب لوگ بہت افسردہ افسردہ تھے۔

مونا کپڑے تبدیل کر کے باتھ روم سے باہر آئی تو اس کی سرخ ہوتی آنکھیں گریہ وزاری کی کہانی سنا رہی تھیں۔ وہ میکانکی انداز میں اس کے قریب چلی آئی۔

"اداس مت ہو مونا! نشاء اپنے گھر خوش رہے گی ان شاء اللہ اور یہ تو ایک خوش آئند بات ہے نا۔" نرم نرم سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے اس نے مونا کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بھبک اٹھی۔ اسے تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے' بمشکل اسے چپ کرایا۔

"دیکھو اتنا روؤ گی تو سر میں درد ہو جائے گا۔ چلو شاباش' تم لیٹو میں چائے بنا کر لاتی ہوں تمہارے لیے۔" گو کہ خود وہ تھکاوٹ سے چور تھی اور کچھ ذہنی طور پر سخت اپ سیٹ بھی مگر مونا کو دیکھ کر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

کچن کی طرف آئی تو پتا چلا زاہدہ بھابھی بھی نم آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ غالباً" چائے بنانے کا ہی ارادہ تھا' اس نے آگے بڑھ کر ان سے پتیلی لے لی۔

"آپ بیٹھیے' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" نجانے وہ کس خیال میں گم تھیں' بے اختیار چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر پھیکے پن سے مسکرا دیں۔

"شکریہ بیٹا! بڑی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ سب کے لیے ہی بنا لو' سب ہی پئیں گے۔" کوئی اور وقت ہوتا تو زاہدہ بیگم اسے منع کر دیتیں مگر آج جسم اور دل دونوں پر تھکان حاوی تھی۔ ان کی ہدایت پر اس نے سر ہلا کر پانی چولہے پر چڑھا دیا۔

کچھ برتن سنک میں پڑے تھے' انہیں دھونے کے خیال سے مڑی ہی تھی کہ اچانک تیمور اندر چلا آیا۔ جانے وہ اس وقت اس کی کچن میں موجودگی سے واقف تھا یا نہیں مگر اس کے تیور بڑے جارحانہ تھے۔ ایک جھٹکے سے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی تھی اس نے۔

اور وہ جو اسٹیج پر ہونے والے واقعے سے لے کر اب تک اس سے چھپتی پھر رہی تھی اس طرح تنہائی میں سامنا ہونے پر سفید سی پڑ گئی۔ عافیت اسی میں تھی کہ چپ چاپ کام میں لگی رہے' سو تیزی سے برتن دھونے لگی۔ چوڑیوں کی کھنک میں کانپتے ہاتھوں کا ارتعاش صاف محسوس ہو رہا تھا۔

پیچھے کھڑے تیمور کا وجود لاوا اگلتے آتش فشاں کی طرح لگ رہا تھا جو نجانے کس لمحے اس بھسم کر ڈالے گا۔ اس کا رواں رواں منتظر تھا کہ وہ اپنی نفرت اور حقارت کا اظہار کرے اور اس کی جان بخشی ہو۔ یوں ہوا میں معلق رہ کر سر پر لٹکتی تلوار کا خوف اس کی جان سلگائے دے رہا ہے مگر کئی لمحے گزرنے کے باوجود وہ کچھ نہ بولا تو اس نے ڈرتے ڈرتے مڑ کر دیکھا۔

کچن خالی پڑا تھا' وہ نجانے کب کا جا چکا تھا۔ لمحے بھر کے لیے اس کی جان واپس آئی مگر ایک بار پھر وہ اس کے "ردعمل" کا سوچ کر سہم سی گئی جو نجانے کب اور کس طرح ظاہر ہونے والا تھا۔

پھر اس پوری رات نیند کی دیوی اس پر مہربان نہ ہو سکی۔ دل کو عجیب سی بے چینی نے گھیرا ہوا تھا۔ عزی کے لہجے اور تیمور کے تیور دونوں فکرمند کر دینے والے تھے۔ اپنی بے بسی پر اسے ٹوٹ کر رونا بھی آیا۔ فجر کے وقت کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی تھی جو کہ زاہدہ بھابھی کی آواز پر کھل گئی۔

مونا اس کے ساتھ ہی سو رہی تھی۔ زاہدہ بھابھی مونا کو ہی اٹھا رہی تھیں ہلکی آواز میں مگر اس کی نیند ہی کچھ اتنی بے چین تھی کہ مونا سے پہلے وہ ہی جاگ گئی۔ رات کی جگار اور گریہ وزاری کے باعث آنکھیں بری طرح سوج

UrduPhoto.com

رہی تھیں۔ بمشکل کھول کروال کلاک کی طرف دیکھا' صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔

"اٹھ جاؤ مونا' نشاء کا ناشتہ بھی لے کر جانا ہے۔" مونا بھابھی کی مستقل کاوش کے باعث مونا بھی مندی مندی آنکھیں مسلتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"اف مما! بہت نیند آرہی ہے سچ میں۔" مونا اب تک خمار میں تھی اور اس سے پہلے کہ زاہدہ بھابھی اسے ڈانٹنا پھٹکارنا شروع کرتیں' زرمینے چپ چاپ اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اب یہ تو طے تھا کہ اس سے مزید سویا نہیں جانا تھا' سو اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"دیکھو زری کو اور سبق سیکھو۔ گھر تمہارا ہے' ذمہ داری تمہاری ہے مگر وہ کتنی چست اور خیال کرنے والی ہے۔ اب تم بھی اٹھ جاؤ۔ نہیں تو میں تمہارے پاپا کو بھیج رہی ہوں۔" وہ اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھتی دھمکی دے گئیں تو اسے بھی ناچار بستر سے پیر اتارنے ہی پڑے۔

"کیا ہے یار! ایک تو تمہاری تابعداری نے میرا امیج اور بھی خراب کردیا ہے۔ دیکھ لینا جلد ہی وہ میرا بھی بوریا بستر گول کردیں گی نشاء کی طرح۔"

انگلیوں کی مدد سے بال سنوارتے ہوئے جب وہ باہر نکلی تو مونا نے سادہ سے لہجے میں کہا تھا' وہ کیا کہتی اپنی جگہ چور سی ہوگئی۔ اس کا مقصد کسی سے بازی جیتنا نہیں تھا۔ وہ تو بس اپنے بے مقصد وجود کو کار آمد بنانے کی کوشش کررہی تھی۔ اندازہ نہیں تھا کہ مونا نے یہ بات کس پیرائے میں کہی اسی لیے چپ چاپ پریشان ہوتی کچن میں چلی آئی۔

اسے اب تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ گھر میں کتنے مہمان ہیں اس لیے زاہدہ بھابھی کے ساتھ آکر کام میں لگ گئی۔ ملازمہ جو کہ کل وقتی طور پر رکھی گئی تھی۔ تیزی سے پراٹھے بنارہی تھی اس لیے بنا کسی کے کہے ہی انڈے پھینٹنے شروع کردیے۔ زاہدہ بھابھی قیمہ بھوننے کے لیے لوازمات جمع کررہی تھیں۔ اس نے نامحسوس طریقے سے قیمے کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مونا جس وقت آئی صرف چائے تھرماس میں ڈالنا رہ گئی تھی۔

"واؤ..... بہت چست ہو تم ایمان سے۔ ماما کو تم جیسی بہو مل جائے ناں تو سمجھو ان کی تو دلی مراد بر آئے گی۔"

ستائش کے ساتھ ساتھ مونا کے لہجے میں شوخی بھری شرارت بھی تھی۔ اس کا ہاتھ قیمہ بھونتے بھونتے بے اختیار رکا تھا۔ قسمت کی ستم ظریفی کہ اسی لمحے تیمور اور عزمی دونوں بیک وقت کچن میں داخل ہوئے تھے۔

جن پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح حواس باختہ سی ہوگئی تھی۔ تیمور نے یقیناً مونا کے ریمارکس سن لیے تھے۔ عزمی کے لبوں پر جب ہی ایک شگفتہ سا تبسم آگیا تھا۔

"ویل سیڈ....." وہ بڑے دوستانہ انداز میں کہتا مونا کے پاس ہی آگیا تھا۔ "ویسے اگر ایسی بہو اماں کو بھی مل جائے تو مزے تو ہمارے بھی آجائیں گے ایسی چاچی کو پاکر۔ کیا خیال ہے چاچو؟"

ساتھ ہی اس سے بھی دریافت کیا جس کے چہرے پر شدید طوفان آنے کا تاثر دیتے جذبات خون چھلکا رہے تھے۔

"ہر وقت بے تکی مت ہانکا کرو عزمی! مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ یک دم ہی تاؤ کھا کر بولا تھا۔

عزمی سمیت وہ دونوں بھی اپنی جگہ ساکت سی رہ گئیں۔ تب ہی وہ مونا سے بولا تھا۔

"مجھے ایک کپ چائے لاکر دو میرے کمرے میں۔ سخت درد ہورہا ہے سر میں میرے۔" لہجے میں قدرے خفگی اور تناؤ تھا۔

چائے کا کپ مستعدی سے تیار کرتے ہوئے مونا باہر نکلی تو منتشر اور کشیدہ اعصاب لیے کھڑی زرمینے تھکے تھکے انداز میں نل بند کرکے برتن یونہی چھوڑ کر کرسی پر آ بیٹھی۔

چند منٹوں میں یہ شخص تیمور اس کے وجود کی پوری عمارت ہلادیتا تھا۔ پتا نہیں آغا جان کیسے اس کی مروت محبت اور نرم گفتاری کے گیت گاتے تھے۔ اس نے تو اسے اکثر غصے میں ہی دیکھا تھا۔ یا شاید مزاج کی یہ گرمی اور نگاہوں کی یہ برودت محض زرمینے کی وجہ سے تھی۔

باہر مہمانوں کے لیے ناشتہ لگ چکا تھا۔ مونا اسے دوبارہ بلانے بھی آئی مگر اس نے کسی نہ کسی بہانے سے اسے ٹال دیا۔ پھر اچانک ہی نشاء کا ناشتہ لے جانے کے لیے تیاری شروع ہوئی مونا ایک بار پھر اسے بلانے آئی تھی۔

"چلو زری! جلدی کرو' یہ کام بعد میں ہوتے رہیں گے تم ساتھ چلو ہمارے۔ چاچو ایک منٹ کا ٹائم نہیں دیں گے مزید۔ تیار کھڑے ہیں وہ۔" وہ ایمرجنسی نافذ کیے کھڑی تھی۔

اس کا تو یوں بھی پروگرام نہیں تھا اور اب جو مونا نے

UrduPhoto.com

تیمور کے ساتھ جانے کی خبر سنائی تو اس نے صاف انکار کردیا۔

"سوری مونا! میرا بالکل موڈ نہیں۔ سخت درد ہے سر میں۔ رات کو میں ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی۔ پلیز مائنڈ مت کرنا۔ میں ساتھ نہیں جاسکوں گی۔" دوبارہ تیمور کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اس نے سوچا' دوپہر کے کھانے کے بارے میں زاہدہ بھابھی سے پوچھے کہ کیا کرنا ہے مگر اسی دوران عزمی کھانے کی دیگیں اٹھوائے چلا آرہا تھا۔

"اوہ تو یہ بھی نہیں گیا ان کے ساتھ۔" اسے دیکھتے ہی اس نے سوچا تھا۔ دو طرح کی ڈشز تھیں۔ دیگیں کچن میں ہی رکھوادی گئیں۔ اسے اب یہاں کیا کرنا تھا۔ خاموشی سے باہر نکل آئی کہ اب ملازمہ ناشتے کے برتن دھونے لگی تھی۔

"خیریت محترمہ! آپ کو کیا گھر کی رکھوالی کے لیے چھوڑ گئے ہیں وہ لوگ۔" عزمی اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ حسب معمول اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا جواب دے۔

"بہرحال کام یہ بھی کچھ برا نہیں۔ بلکہ کافی معقول ہے۔ کم از کم ان ڈھیر ساری لڑکیوں کی طرح سج سنور کر خود کو نمائش میں پیش کرنے سے تو بہتر ہے۔ بائی دا وے ہمارے خاندان کی جملہ خواتین گئی ہیں یا اپنی ہونہار بیٹیوں کے ساتھ یا کسی نے گھر پر رہ کر بھی قسمت آزمانے کی ہمت کی ہے.....؟"

"کافی لوگ بڑے والے کمرے میں جمع ہیں۔" عزمی کے سانس لینے کے لیے رکنے پر اس نے جلدی سے جواباً کہا۔ مبادا وہ مزید لمبا لیکچر دے۔

"ہر انسان کو اپنی قسمت کا لکھا ہی ملتا ہے۔ پھر وہ اتنے جتن کس لیے کرتا ہے زرمینے! کبھی غور کیا ہے تم نے؟" اشارہ اپنی کزنز کا نشاء کے سسرال جانے کی طرف تھا' شادی میں اندازہ ہوا نشاء کی سسرال میں معقول رشتوں کا حصول آسان تھا جہاں لڑکیاں کم اور لڑکے زیادہ تھے۔

"پتا نہیں میں نے کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔" عزمی کی طوالت اختیار کرتی گفتگو اسے الجھارہی تھی۔ کل تیمور نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا وہ بھولی نہیں تھی۔ دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ اب عزمی سے ہمکلام نہیں ہونا ہے مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا' بلا جواز گفتگو بڑی سہولت سے نہ صرف خود کرلیتا تھا بلکہ مقابل کو بھی زبردستی جواب دینے پر مجبور کرلینا اس کا کمال تھا۔ اس وقت بھی وہ جان چھڑانا چاہتے ہوئے بھی بول گئی۔

"تو سوچنا چاہیے ناں۔ ہر طرح ہر پہلو سے سوچنا چاہیے۔ آخر اللہ نے دماغ دیا کس لیے ہے انسان کو۔ صرف چاول میں کتنا پانی اور کتنا نمک ڈلے گا' یہ تناسب یاد کرلینا ہی تو کامیاب اور اطمینان بخش زندگی کی دلیل نہیں ہے۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور وہ "ہم جواب کیا دیتے کھو گئے سوالوں میں۔" کی عملی تفسیر بنی اس کی بات سن رہی تھی۔

"بات ساری یہ ہے زرمین بی بی! کہ تقدیر تو اٹل ہے مگر جب انسان اپنی فہم و فراست کے مطابق تدبیر بھی کرلیتا ہے تو ایک تو اسے اپنے ارادے کی شکست سے اللہ کی رضا کی بالادستی باور ہوجاتی ہے دوسرے خود اپنی ذات سے یہ شکوہ بھی نہیں رہتا کہ ہم نے اپنے لیے کچھ نہیں کیا۔ انسان ایٹ لیسٹ (Atleast) اپنی عدالت سے تو بری ہوجاتا ہے ناں۔ کیا سمجھیں۔" وہ بظاہر سادہ لفظوں میں نجانے کیا سمجھانا چاہتا تھا' زرمینے نے بے دھیانی میں سر ہلادیا۔ چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے قید میں ہو بلبل۔

"کسی عظیم مفکر کا قول ہے کہ جب مقابل شخص بات کو سمجھے بغیر ہی سر ہلانا شروع کردے تو گفتگو موقوف کردینی چاہیے۔ لہٰذا آپ بھی جائیں' میں بھی ذرا ماما کو دیکھتا ہوں۔"

بالآخر اسے ترس آہی گیا تو زرمینے نے بھی وہاں سے بھاگ لینے میں ذرا دیر نہ لگائی اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کمرے میں آنے کے دس بارہ منٹ بعد تیمور کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا۔ گویا وہ سب لوگ لوٹ آئے تھے۔ وہ نجانے کس خیال کے تحت گم صم سی باہر نکل آئی۔

نشاء گلابی سوٹ میں خود بھی گلابی گلابی ہورہی تھی۔ آنکھوں کی چمک اور چہرے پر ایک آسودہ شرمگیں مسکراہٹ اس کی دلی خوشی کی غماز تھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ شادی یوں بھی خوشیاں دان کرتی ہے۔ اسے آج احساس ہورہا تھا۔

ایک بھولی بھٹکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آٹھہری تھی اس لمحے بڑے رشک اور اشتیاق سے اس کی نظریں اب بھی نشاء پر جمی ہوئی تھیں کہ کسی احساس کے تحت

اس نے اچانک نظروں کا زاویہ بدل کر دیکھا تھا تو سامنے سعادت لالہ کے ساتھ کھڑے تیمور کی اندر تک اتر جانے والی نگاہوں نے اسے یکدم بری طرح پزل کر دیا۔ ایک عالم بے اختیاری میں وہ الٹے قدموں لوٹ گئی تھی۔

نشاء گیا آئی گھر میں پھر سے رونق جاگ اٹھی مونا اور اس کے کمرے میں جب خواتین چلی آئیں تب لڑکیوں کو باری باری کمرے سے نکال دیا گیا اور یوں یہ ٹولہ عزی کے کمرے میں آبراجمان ہوا۔ سب کے ساتھ وہ بھی تھی۔

کچھ کل کی تھکن اور رات کی جگار تھی اور کچھ سوچوں کی یلغار نے ذہن و دل کو شل سا کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کمرے میں رکھے چھوٹے صوفے پر آبیٹھی۔

سب لڑکیاں کل کے فنکشن اور شام میں ہونے والے ولیمے سمیت نشاء کی سسرال میں موجود لڑکیوں کی تعداد اور اسمارٹنیس پر بے لاگ تبصرے کر رہی تھیں۔ ساتھ میں خوشگوار چھیڑ چھاڑ بھی جاری تھی۔ سو وہ بھی اپنے پسندیدہ مشغلے یعنی سب کی بولیاں سنتے ہوئے یوں ہی صوفے کی پشت سے سر ٹکا گئی۔

پیر سمیٹ کر اوپر رکھتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ گو کہ کمرے میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا مگر نیند اور تھکاوٹ اس پر حاوی تھی۔ اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی پلکیں بوجھل ہوتی ہی چلی گئیں۔

اور نجانے کب تک وہ یونہی سوتی رہتی اگر اتنا زوردار دھماکہ اس کے آس پاس نہ ہوا ہوتا۔

"دھڑاک....." بہت تیز آواز ہوئی تھی جیسے جنگ کا طبل بج اٹھا ہو۔ وہ بری طرح ہڑبڑا کر جاگی تھی۔ حواس ایک لمحے کو معطل ہوتے محسوس ہوئے سامنے ہی تیمور کھڑا انتہائی خشمگیں نظروں سے اسے ہی گھور رہا تھا۔ غالباً الماری کا دروازہ اس بری طرح پٹخا گیا تھا کہ اب تک لرز رہا تھا۔

اور کانپ تو وہ بھی گئی تھی خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا سب لڑکیاں غائب تھیں گویا وہ اکیلی ہی یہاں سو رہی تھی گھڑی پر نظر پڑی جو ایک گھنٹہ آگے کا وقت بتا رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں کس کا کمرہ ہے یہ کچھ پتا ہے تمہیں؟"

وہ انگلی [illegible] کر دھاڑا تھا۔ وہ تیمور کے لفظوں سے زیادہ اس کی نظروں میں چھپے طنزیہ و تضحیک آمیز احساسات کو محسوس کر کے اپنی جگہ کٹ سی گئی۔

جتنا عزی اور اس کے بارے میں وہ کانشس ہو رہا تھا اتنی ہی بڑی غلطی اس سے ہو گئی تھی۔ انتہائی شرمندگی کے عالم میں وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اپنی حدود میں رہو لڑکی! یہ مت بھولو کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئی ہو۔ اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں' اس لیے ایسی واہیات اور گری ہوئی کوششیں ترک کر دو۔ انڈر اسٹینڈ۔"

اس کی آنکھوں اور لہجے سے جیسے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ زرمینے کی وحشت زدہ آنکھوں کی سطح نمی سے چمکنے لگی۔

"آ.... آ.... آپ بالکل...."

"شٹ اپ!" وہ بری طرح گرجا تھا۔ زرمینے پوری جان سے لرز گئی۔ "آئندہ تم مجھے نہ عزی کے قریب نظر آؤ گی نہ ہی اس کے کمرے میں۔ سمجھیں۔" تیمور کی گرم سلاخوں جیسی نگاہیں زرمینے کے حواس چھین لینے کی تمام تر صلاحیتیں رکھتی تھیں۔ بے اختیار اس کا سر اثبات میں ہلا تھا۔

اگر ایک لمحے اور وہ وہاں رکتی تو شاید دل ہی بند ہو جاتا سو کشیدہ اعصاب بمشکل سمیٹ کر وہ باہر کی طرف بھاگی یہ خیال کیے بغیر کہ باہر کسی نے اس طرح بھاگتے دیکھا تو کیا سوچے گا۔ اس وقت تو بس اپنے کردار پر لگے الزام نے اسے بے بسی اور انتہائی دکھ میں مبتلا کر کے شدید اذیت کی انتہا پر پہنچا دیا تھا۔

تیمور کچھ بھی کہتا' کم از کم یہ تو نہ کہتا اور وہ بھی عزی کے لیے جسے وہ بھائیوں کی طرح سمجھتی تھی۔

محض عزی کی بے تکلفی پر اس نے اتنا بڑا بے بنیاد الزام لگایا۔ اس کا دل پگھل پگھل کر آنسو بن رہا تھا۔ وہ اماں کے کمرے کے باتھ روم میں بند ہو کر نہ جانے کتنی دیر تک روتی رہی۔ حتیٰ کہ آنسو بھی خشک ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

میری تار تار محبتیں
میری دل فگار محبتیں
میری بے وقار محبتیں
جو اُجڑ سکیں نہ پنپ سکیں
سرِ شاخِ دل نہ سجا سکیں
کوئی لمحہ کھلتے گلاب سا
سرِ بابِ جاں نہ رقم ہوا
کوئی سانحہ' کوئی المیہ
میری بے یقیں محبتیں
نہ عطا ہوا انہیں دہر میں
نہ شرف ہی شہرتِ عام کا
نہ سند ہی کوئی دوام کی
نہ وصال میں کوئی سرخوشی
نہ تو شدتیں غمِ ہجر میں
جو گریزاں ان سے صعوبتیں
سب ہی راحتیں بھی تھیں اجنبی
نہ رقابتوں میں خلوص تھا
نہ تھیں استوار رفاقتیں
کسی قید میں' کسی جبر میں
رہیں کور چشم بصارتیں
سو کتابِ جاں کی عبارتیں
نہ سیاہ ہوئیں نہ سفید ہی
وہی ایک رنگ تھا سرمئی
وہ جو پیراہن ہے شام کا
یونہی عمر ساری گزر گئی
کسی سرکشیدہ سوال میں
کسی خواب کے سے خیال میں
کسی خوف جیسے ملال میں
اک عجب سی صورتحال میں
میری بدنصیب محبتیں!
میری ایک بات یہ جان لو
کبھی معتبر بھی جو ہو سکیں
اسی زندگی ہی میں تم اگر
تو یہ دیریاب خوشی مجھے
نئے دکھ سے کر دے گی آشنا
میں کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں گی
وہ خوشی برتنے کا ذوق و شوق
جسے وقت لے کے بھی جا چکا

سچ کہا ہے کسی نے تلوار میں وہ کاٹ نہیں جو زبان میں ہے۔ تیمور کے الفاظ' الزام اور اس کی آنکھوں میں سلگتے بھڑکتے نفرت کے الاؤ' کچھ بھی تو ایسا نہیں تھا جسے بھلایا جا سکتا۔ وہ جتنا اس اذیت ناک واقعہ کو بھولنا چاہتی تھی اتنا ہی رہ رہ کر اسے وہ سب یاد آتا تو دل کچھ اور جلنے لگتا تھا۔ کوئی خنجر جیسے دستے تک گڑا ہوا تھا دل میں۔ اذیت سی اذیت تھی۔ دھیان اس طرف سے جو چوکتا بھی تو کیسے؟

ولیمے کے تین دن بعد تک آہستہ آہستہ مہمان رخصت ہو گئے تو ہلکی پھلکی سی روٹین شروع ہو گئی۔ شام میں کبھی کبھار نشاء اور کامران آجاتے تو رونق لگ جاتی۔ آج کل دونوں خاندان میں ہونے والی دعوتوں سے نبرد آزما تھے اس لیے کم ہی ٹائم نکال پاتے تاہم آتے ضرور تھے۔

چوتھے دن سے ہی تیمور نے آفس جوائن کر لیا تھا اور عزی نے بھی یونیورسٹی کی راہ لی تھی۔ لہٰذا دن کا آدھے سے زیادہ وقت وہ کافی سکون سے رہتی کہ اسے ڈسٹرب کرنے کے لیے نہ عزی کی ہمدردی بھری دوستی تھی نہ تیمور کی نفرت بھری دشمنی۔ البتہ شام ہوتے ہی ان دونوں کے آنے سے پہلے وہ سر درد یا ایسا ہی کوئی دوسرا بہانہ کر کے بستر پر جا پڑتی۔

مگر اس شام مونا خاصی چوکی تھی۔ جونہی شام ڈھلے اس نے کمرے کی راہ لینی چاہی مونا نے اسے جا لیا۔ اندازہ تھا کہ اب وہ سونے کے چکر میں ہے مگر وہ بخشنے والی نہیں تھی۔

"کہاں چلیں زری! چلو آؤ چل کر مووی دیکھتے ہیں نشاء کی۔ سچ بڑا مزہ آتا ہے بار بار دیکھنے میں۔ کتنی خوبصورت لگ رہی ہے نشاء اس میں ناں۔"

"نہیں پلیز۔ میرا موڈ نہیں۔ کچھ سر میں درد محسوس ہو رہا ہے۔ آرام کرنا چاہوں گی۔" اس نے سنتے ہی جواز تراش لیا تھا۔

"یہ سرِ شام درد کچھ زیادہ نہیں ہونے لگا تمہارے سر میں۔ کبھی کبھی لگتا ہے کہ تم ہم سب کو Avoid کرنے کے لیے بہانے بنا کر کمرے میں بند ہو جاتی ہو۔" مونا نے اس بار بڑی صاف گوئی سے کام لیا تھا۔

"نہیں پلیز' ایسی بات نہیں۔ شاید شادی کے دنوں کی تھکن ہے بس اس وجہ سے میں.... ان فیکٹ.... وہ...." وہ اٹک گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ سکا کہ کیا کہے۔

"شادی کی تھکن تو سب کو ہی ہے مگر تمہارا کیس مختلف ہے۔ تم فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہو۔ سمجھ نہیں آتا کس سے۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں۔ ہم سب تمہیں اس گھر کے فرد کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔ مگر تم ہمیں اب تک غیر ہی سمجھتی ہو۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"نن..... نہیں بلیوی ایسا نہیں..... بلکہ....."

"تو پھر کیسا ہے زری! سچ کہوں تو اتنی اچھی ہو کہ تمہارے آنے سے ہم سب کو بہت خوشی ملی ہے' بلیوی۔ اب اگر تم ہم کو اپنا مان کر اپنائیت سے رہو تو کتنا اچھا لگے ہمیں اور خود تمہیں بھی۔"

مونا بڑی محبت سے گویا تھی اب وہ کیا کہتی۔ اس کی آنکھوں میں بے بس سی کیفیت تھی اس لمحے جسے محسوس کر کے مونا نے یکدم موضوع بدل دیا۔

"چلو ایسا کرو۔ تم کالج میں ایڈمیشن لے لو اگر ریگولر نہ کرنا چاہو تو پرائیویٹ کر لو بی اے۔ میں بھی ماسٹرز میں ایڈمیشن لے رہی ہوں اچھا ہو کہ تم میرے ساتھ یونیورسٹی چلو اور وہاں سے بی اے آنرز کا فارم لے آؤ۔ اچھا ہے ساتھ جائیں گے' آئیں گے تو مزہ رہے گا۔ کیا خیال ہے.....؟"

اس کے زرخیز ذہن میں نیا نکتہ آسمایا تھا۔ وہ کیا کہتی پڑھنے کا اسے بھی شوق تھا مگر تیمور علی جاہ جس کے ہاتھ میں اس کی تمام ڈوریاں تھیں' اس سے پوچھے بغیر وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

"خیال تو بہت اچھا ہے مگر پہلے مجھے اجازت لینا ہوگی؟" جھجکتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ مونا کی بھنویں یکدم سکڑ سی گئیں۔

"اجازت.....؟ کس سے.....؟ میرا خیال ہے تمہارے کزن آئی مین کرامت بھائی نے تمہارے سارے اختیارات چاچو کو سونپے ہیں اور چاچو سے بھلا اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہی از آ نائس گائے۔ وہ تمہیں کبھی منع نہیں کریں گے۔" مونا کے لہجے میں یقین اور اعتماد بول رہا تھا۔ وہ محض پھیکے پن سے مسکرا دی اور پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"چلو اسی بات پر تمہیں چائے بنا کر پلاتی ہوں۔" اور اس سے پہلے کہ مونا کچھ بولتی وہ کچن کی طرف بڑھ چکی تھی۔

پھر ایک دو دن وہ انتظار کرتی رہی کہ مونا اس بارے میں اس سے کوئی بات کرے گی لیکن مونا کی خاموشی ہنوز قائم رہی تو دھیرے دھیرے اس کی امید بھی ٹوٹ گئی۔

"شاید تیمور نے ہی منع کر دیا ہو گا جب ہی مونا شرمندگی کے باعث اس موضوع سے کترا رہی ہے۔" یہ خیال دن بدن قوی ہو تا گیا۔ مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی کیونکہ اگلے ہفتے دوپہر کو جب وہ شام کے کھانے کے لیے گوشت نکال کر زاہدہ بھابھی کے ساتھ بریانی بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ مونا کچن میں چلی آئی۔

"زری! تم تیار رہنا کل یونیورسٹی جانا ہے فارم لینے۔" اسے اچانک حملے کرنے کی عادت تھی یا شاید زرمینے کے لیے یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔

"مم..... مگر کیوں.....؟" اس کے منہ سے بے ربط سا جملہ نکلا۔

"کیا مطلب کیوں۔ بھئی ایڈمیشن کے لیے فارم لینے جانا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے' جامعہ کراچی کے وی سی صاحب تمہیں گھر پر بھیجیں گے فارم۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر....."

"اگر مگر کیا بیٹا۔ تعلیم حاصل کرنا تو اچھی بات ہے' اس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے انسانی شخصیت میں۔" زاہدہ بیگم نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے مدبرانہ لہجے میں کہا تو وہ گم صم سی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"فکر نہ کرو' میں چاچو سے بات کر لوں گی۔" مونا نے کہا جس سے اس کی تشویش مزید بڑھ گئی۔ تیمور کسی حال میں اجازت نہیں دے گا یہ تو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ بس فکر تھی تو یہ نہ جانے اب کس طرح پیش آئے اس کے ساتھ۔

"کیا کروں یا اللہ۔ بس تو ہی میری مدد فرمانا۔ کس کو سمجھاؤں کہ میرے پر کٹے ہوئے ہیں۔ یہ سب لوگ مجھے اذنِ سفر دیتے ہیں۔ میں اڑنا بھی چاہتی ہوں مگر تو جانتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔" دل ہی دل میں اسے تمام معاملہ سونپ کر وہ قدرے مطمئن ہو گئی مگر ایک دھڑکا سا لگ گیا تھا۔

رات کھانے پر وہ قصداً دیر سے آئی۔ اندازہ تھا کہ جب تک تیمور کھا کر جا چکا ہو گا۔ مگر شومئی تقدیر کہ وہ نہ صرف اس وقت تک موجود تھا بلکہ مونا نے وہ ٹاپک بھی چھیڑ رکھا تھا جس سے بچنے کی وہ صبح سے تدبیریں کر رہی تھی۔

"پھر بتایئے ناں چاچو! کیا خیال ہے زری کو جانا چاہیے ناں یونیورسٹی۔ پڑھنا چاہیے ناں آگے.....؟ اس سے پوچھو تو وہ آپ سے اجازت لینا ہے کہہ کر ٹال جاتی ہے۔ آج زری میں تمہاری ہی بات کر رہی تھی۔"

اسی لمحے مونا کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ جو دروازے سے ہی واپس لوٹ جانے کا سوچ رہی تھی چار و ناچار اندر چلی آئی۔ تیمور کی طرف دیکھنے کی ہمت تو تھی نہیں معلوم تھا اس وقت اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہوں گی۔

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے بیٹا۔ اگر زرمینے پڑھنا چاہتی ہیں تو پڑھیں۔" تیمور سے پہلے سعادت لالہ بولے تھے۔

"ہوں وہی تو..... میرا بھی یہی خیال ہے۔" مونا خوش سی ہو گئی تھی۔

"ارے بیٹا چھوڑو یہ پڑھائی وڑھائی۔ لڑکیوں کو آخر کار تو گھر ہی بسانا ہوتا ہے ناں۔ اچھے رشتے مشکل سے ملتے ہیں۔ میں نے ایک بہت اچھا....."

"اماں پلیز....." نجانے اماں کیا کہنے جا رہی تھیں کہ بے اختیار تیمور نے انہیں ٹوک دیا تھا۔ "زمانہ بہت بدل گیا ہے اماں! بغیر تعلیم کے انسان کوڑی کی طرح بے مول ہے۔ یوں بھی ایجوکیشن انسان کو بناتی ہے بگاڑتی نہیں۔ صرف خود کو ہی نہیں بلکہ اپنے ارد گرد کے ماحول کو بھی ایک ایجوکیٹڈ انسان زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔"

آج کل اماں کے سر پر جو زری کی شادی کا بھوت سوار تھا وہ تیمور کی نظروں سے چھپا نہیں تھا۔ نشاء کی شادی میں کافی لوگوں نے اس سے متعلق دلچسپی بھی ظاہر کی تھی اور اماں اس بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہی تھیں۔

ایسے میں مونا کا یہ آئیڈیا تیمور کے دل کو لگا تھا جب ہی اس نے گول مول سا جواب دیا تو جہل اماں چپ سی ہو گئیں وہیں مونا نے یکدم خوش ہو کر زرمینے کی طرف دیکھا تھا جو اس کا پلیٹ پر حیران نظروں سے محض ایک بار ہی تیمور کی طرف دیکھ سکی تھی۔

خوشی اور ہلکی سی خوش فہمی نے بیک وقت اس کے دروِ دل پر دستک دی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے تیمور! میرا خیال ہے اماں ابھی زرمینے کی عمر گھریلوں جھمیلوں میں پڑنے کی نہیں۔ اسے پڑھنے دیں اس کے بعد اس کی فیملی والے اس بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں یہ ہمیں ان پر چھوڑ دینا چاہیے۔" سعادت لالہ نے سنجیدگی سے کہہ کر گویا گفتگو سمیٹ دی۔

زرمینے نے اس بات پر بے اختیار تیمور کی طرف نظر اٹھائی تھی مگر وہ قصداً "تجاہل عارفانہ" سے کام لیتے ہوئے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ابھی ذرا دیر پہلے جو ہلکی سی نامعلوم سی سرخوشی اس کے حصے میں آئی تھی ایک لمحے بھی مانندِ حباب بجھ گئی۔

عزمی کی گہری نظریں اب بھی زرمینے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس سارے قصے میں وہ ایک لفظ نہیں بولا تھا تاہم زرمینے کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا اور سوچ کا یہ عکس بہت واضح تھا اس کی آنکھوں میں۔

بہت عرصے بعد خوشی و انبساط نے اس کے دل کو چھوا تھا۔

یونیورسٹی میں آگے پڑھنے کی اجازت ملنا اس کے لیے ہفتِ اقلیم کی دولت سے کم نہ تھی۔ اپنی یہ خوشی وہ آغا جان سے شئیر کیے بنا نہ رہ سکی۔

وہ خوشی تھی تو آغا جان کیسے نہ خوش ہوتے۔ اس کے فون کر کے بتانے پر انہوں نے اسے بہت دعاؤں سے نوازا تھا۔

"آپ کو پتا ہے آغا جان! جب میں لاہور میں تھی تو پنجاب یونیورسٹی میں پڑھنا میرا خواب تھا مگر بابا کے ایکسیڈنٹ نے سب کچھ بدل دیا۔" خوشی خوشی کہتے ہوئے وہ ایک دم اداس سی ہو گئی تھی پھر خود کو سنبھال کر سر جھٹک دیا۔

"بہر حال میں کراچی یونیورسٹی سے آنرز اور بعد میں ماسٹرز کر کے اپنی خواہش پوری کروں گی۔"

"انشاء اللہ بیٹا! اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ مگر اپنی خواہش پوری کرتے کرتے بوڑھے آغا جان کو نہ بھول جانا۔ مجھ سے ملنے ضرور آنا۔ تیمور سے میری بات ہوئی تھی وہ تمہیں مجھ سے ملانے لانے والا ہے۔" آغا جان ہنس کر کہہ رہے تھے۔

"کب.....؟ میرا مطلب ہے کب بات ہوئی تھی آپ کی؟" یہ خبر دل دھڑکا گئی تھی۔

"نشاء کی شادی کے تیسرے دن اس نے فون کیا تھا بتا رہا تھا دو ہفتے بعد تم کو ملانے لائے گا اور اب دو ہفتے گزر چکے ہیں۔ اس سے کہنا اپنا وعدہ وفا کرے میں منتظر ہوں بلکہ تم چھوڑو میں خود فون کروں گا اس کو۔"

آغا جان نے بتایا تو وہ کچھ چپ سی ہو گئی۔ نشاء کی شادی کے واقعات یک دم ذہن میں گھوم گئے۔ لمحے بھر کے لیے بہت عجیب سے احساسات نے اسے آگھیرا۔

(تیسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

UrduPhoto.com

جان کی محبت اور اصرار سے مجبور ہو کر وہ زرمینے سے شادی کر لیتا ہے' البتہ اپنے گھر والوں سے وہ اس کا تعارف اپنے ایک بے حد قریبی دوست کرامت کی کزن کی حیثیت سے کرواتا ہے۔ جس کی جان و عزت کو اس کے دشمنوں سے خطرہ ہے۔ گھر والے خوش دلی سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔

زرمینے کی سادگی و سیرت نے سب کے دل جیت لیے تھے مگر تیمور ہنوز اسے دشمن کی بیٹی سمجھنے کے سوا کچھ ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وقت آنے پر وہ اس کو طلاق دے دے گا۔

پھر ایک دن شہباز خان اپنے بیٹے کے ساتھ آغا خان کے گھر پہنچا اور زرمینہ کا مطالبہ کیا اور اس کے نکاح کا سن کر برے انجام کی دھمکیاں دیتا ہوا واپس چلا گیا۔

شہباز خان اور اس کے بیٹے ـ اپنے ذرائع سے تیمور کے گھر کا سراغ لگا کر ایک روز اس کے گھر آ دھمکے اس سے پہلے کہ تیمور کے ساتھ ان کی تلخ کلامی تصادم کی شکل اختیار کرتی پولیس نے بروقت کارروائی کر کے انہیں حراست میں لے لیا۔ تیمور نے شہباز خان اور اس کے بیٹوں پر اپنی منکوحہ کی جان لینے اور جائیداد پر قبضہ کرنے کی سازش کی بنیاد پر مقدمہ کر دیا۔ اور ان کے خلاف منشیات ـــــ کی اسمگلنگ کے ثبوت مل جانے پر عدالت نے ان کی ضمانت منسوخ کر دی۔

نشاء کا رشتہ کراچی میں طے ہو گیا تھا اور سب گھر والے کراچی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ تیمور کی ہدایت پر نہ چاہتے ہوئے بھی زرمینے کو سب کے ساتھ جانا پڑا۔

عزمی بنیادی طور پہ ایک بذلہ سنج اور دوستانہ مزاج کا لڑکا تھا جو زرمینے کی خوبصورتی اور معصومیت سے متاثر ہو کر اس میں دلچسپی لینے لگا۔ تیمور جس کا دل دھیرے دھیرے زرمینے کی طرف سے گداز ہونے لگا تھا' جھنجلاہٹ کا شکار ہو گیا اور اس نے زرمینے کو اس سے دور رہنے کی ہدایت کی۔

اماں جان' زرمینے کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہیں مگر تیمور نے اس کی مخالفت کی اور وقتی طور پر اس مسئلے سے بچنے کے لیے زرمینے کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی اجازت دے دی۔

۳
تیسری اور آخری قسط

جس روز اسے مونا کے ساتھ یونیورسٹی جانا تھا' عزمی کو خاص طور سے اماں نے ان دونوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ تیمور نے ناشتے کی ٹیبل پر اماں کا حکم سن لیا تھا اور باوجود اس کے کہ آج کل وہ عزمی اور اس کی سرگرمیوں کو نظر میں رکھے ہوئے تھا اس وقت کچھ نہیں بولا۔

وہ تینوں چلے گئے تو تیمور بھی اٹھ گیا۔ "اوکے اماں! چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اماں کا مختصر جواب ان کے موڈ کا غماز تھا۔ تیمور سمیت سب کو احساس تھا کہ انہیں زرمینے کا آگے پڑھنا کچھ پسند نہیں آیا تھا۔

"کیا ہوا اماں! اتنی خفا خفا کیوں لگ رہی ہیں۔" زاہدہ بھابھی بول پڑیں۔

"تو بھلا مجھے ناراض یا خفا ہونے کا کیا حق۔ پرائی اولاد پر میرا کیا زور۔ میں نے تو محض اس لیے سوچا کہ بچی بن ماں باپ کی ہے۔ کون ہے جو اس کے مستقبل کی فکر کرے۔ پھر نشاء کی شادی میں کتنے ہی لوگوں نے مجھ سے زرمینے کا پوچھا۔ ماشاء اللہ ہے بھی تو کتنی حسین۔ ایک دو نے تو یہاں تک کہا کہ جوان لڑکوں کے گھر میں ہوتے ہم نے اسے کیوں رکھ لیا ہے۔" زاہدہ بھابھی کے پوچھنے کی دیر تھی۔ اماں نے فوراً اسٹارٹ لے لیا۔

"ہوں۔۔۔ تو گویا آپ اس خدشے کے پیش نظر ایسا سوچ رہی ہیں۔" سعادت لالہ بظاہر اخبار پڑھ رہے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تھے مگر دھیان اماں کی طرف ہی تھا ان کی بات پر خاصاً سنجیدہ ہو کر انہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔ صرف یہ ہی وجہ نہیں مگر بیٹا! عورت اور مرد میں بھس اور چنگاری کا بیر ہوتا ہے۔ انہیں ساتھ رکھنا وہ بھی بنا کسی شرعی رشتے کے "آگ اور تیل ساتھ ساتھ رکھنے کے مترادف ہی تو ہے۔ زرمینے بہت معصوم اور اچھی بچی ہے۔ تیمور اور عزمی دونوں پر مجھے اعتماد ہے۔ لیکن ہمیں انسانی فطرت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جوانی میں جذبات اولیت رکھتے ہیں اور شعور پیچھے ہوتا ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم بھس اور چنگاری کو محض اپنے اعتماد کی بنا پر ساتھ رکھیں اور تماشا دیکھیں۔"

بیٹے کے لہجے پر اماں یکدم حد درجے سنجیدہ ہو گئی تھیں۔ ان کے لفظ لفظ میں سچائی تھی۔ زاہدہ بھابھی اور سعادت لالہ جیسے لاجواب سے ہو گئے۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں! لیکن کیا آپ نے ایسا کچھ محسوس کیا ہے عزمی یا تیمور میں؟۔" سعادت لالہ بے چین سے ہو گئے تھے۔ آخر زرمینے ان کے گھر پناہ کے لیے آئی تھی اس کی حفاظت ان کا اولین فرض تھی۔

"نہیں۔ تیمور تو آدم بیزار ہے۔ اس بچی کو لا کر جیسے بھول ہی گیا ہے۔ حالانکہ خود لایا ہے اسے پناہ دینے مگر اس کے ذکر پر یوں کڑوا ہو جاتا ہے جیسے کسی نے زبردستی سر منڈھ دیا ہوا سے۔ تاہم عزمی۔۔۔"

"کیا ہوا عزمی کو۔ کچھ کہا ہے اس نے آپ سے۔" زاہدہ بھابھی بے قرار ہو گئی تھیں۔

"نہیں نہیں۔ مگر اس کے دوستانہ مزاج کو دنیا کوئی اور بھی رنگ دے سکتی ہے۔ نشاء کی شادی میں بیگم انصار نے مجھے مشورہ دیا کہ عزمی اور زرمینے کی جوڑی اچھی رہے گی اور بقول ان کے دونوں میں دوستی بھی خوب ہے گویا مزاج یکساں ہیں ان کے۔ خوش رہیں گے ساتھ۔" اماں نے کئی دنوں کا تفکر آج بہو اور بیٹے کے سامنے لا رکھا۔

"اوہ۔۔۔" وہ دونوں مسکرا دیے۔

"ویسے اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ مجھے زرمینے پسند ہے اور تم سب بھی اس کی نیک سیرت کے معترف ہو مگر عزمی نے تو صاف منع کر رکھا ہے کہ تیمور سے پہلے شادی نہیں کرے گا۔ اس لیے میں نے سوچا جو اچھا رشتہ آ رہا ہے' بچی کو گھر کا کر دیتے ہیں۔"

"عزمی' تیمور سے پہلے نہیں کرنا چاہتا تو آپ تیمور کا کیوں نہیں سوچتیں۔" یکدم زاہدہ بھابھی کو نجانے کیا سوجھی تھی کہ بے ساختہ کہہ اٹھیں۔

"کک۔ کیا مطلب' کیا تم زرمینے کے لیے کہہ رہی ہو؟۔" سعادت لالہ' بیوی کے اس اچانک مشورے پر بری طرح چونکے تھے اور چونک تو اماں بھی گئی تھیں جن کے ذہن میں یہ خیال پہلے نہیں آیا تھا۔

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" زاہدہ بیگم رسانیت سے بولیں۔

"حرج ہے زاہدہ! زرمینے اور تیمور کی عمروں کا تضاد کیا تم کو نظر نہیں آتا۔" سعادت لالہ بے ساختہ کہہ بیٹھے۔

"خیر عمروں میں ایسا کوئی خاص فرق بھی نہیں ہے۔ اتنا فرق تو چلتا ہے ہمارے یہاں۔"

اماں کا لہجہ کچھ سوچتا ہوا تھا۔ غالباً "بہو کا مشورہ دل کو لگا تھا ان کے۔

"ہمارے یہاں نارمل ہے یہ سب مگر یہ ناران نہیں ہے اماں۔ کراچی شہر ہے۔ یہاں ایسے رشتے نہیں کیے جاتے۔ پھر تیمور بھی کبھی نہیں مانے گا۔"

"کیوں تیمور کو کیا اعتراض ہو گا۔ جب وہ پری چہرہ جو کہ اس سے عمر میں بڑی تھی' منگنی کر سکتا تھا تو زرمینے سے کیوں نہیں۔ وہ تو پھر کم عمر ہے۔ حسین ہے اور اب تو پڑھ بھی رہی ہے۔ بتا رہی تھی' بارہ جماعتیں پاس ہے پھر کیا کمی ہے اس میں جائیداد اور حسب نسب والی ہے۔ تیمور کے دوست کی عم زاد ہے۔ مطلب خاندانی شرافت اور نجابت کی چھان پھٹک کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔"

اماں کے دل نے گویا فیصلہ کر لیا۔ زاہدہ بھابھی کے ایک جملے نے انہیں اس سوچ پر لگا دیا تھا اور اب یہ خیال آسانی سے ان کے ذہن سے محو ہونے والا نہیں تھا۔

"اور زر مینے' کیا وہ اس امر پر راضی ہو گی؟"

"خیر مزاج تو زر مینے کا بہت اچھا ہے۔ حالات نے شعور میں پختگی بھی پیدا کر دی ہے۔ تیمور کے غصیلے مزاج کو زر مینے کا دھیما پن ٹھیک بھی رکھ سکتا ہے۔ مگر کہنا تمہارا بھی ٹھیک ہے بیٹا! لیکن تم لوگ فکر نہ کرو۔ میں زر مینے کا عندیہ معلوم کر لوں گی۔ بس تم اپنے بھائی کو سمجھالو۔ جس کے سر پر اس کلموہی کے عشق کا بھوت اب تک سوار ہے۔"

وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھیں۔ ان دونوں کو گویا انہوں نے پتھریلی چٹان میں دراڑ ڈالنے کا کام سونپا تو دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

اور پھر اماں کے رویے میں یکدم تبدیلی سی آ گئی۔ زر مینے پر ان کی شفقت اور عنایات میں اضافہ ہونے لگا۔ پہلے وہ اسے گھر کے کام وغیرہ کرتے دیکھتی تھیں تو ٹوک دیا کرتی تھیں مگر اب وہ خود گھر کے مختلف کاموں سے لے کر دیگر معاملات تک میں اس کی شمولیت کے مواقع پیدا کرنے لگیں' بلکہ خاندان یا ملنے جلنے والوں میں جہاں بھی جانا ہوتا' وہ زر مینے کو ہر صورت ساتھ لے کر جاتیں۔ دوسری طرف وہ قصداً" تیمور کے چھوٹے موٹے کام زر مینے کے سپرد کرنے لگیں۔ ان کے رویے کی یہ تبدیلی زر مینے اور تیمور سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

جہاں زر مینے کے لیے یہ آگہی حد درجے وحشت انگیز تھی وہیں تیمور بھی متفکر تھا۔ اس رات بھی جب وہ سونے سے پہلے رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا' دروازے پر ہونے والی ایک دھیمی ہوئی سی دستک سن کر متوجہ ہوا۔ اس وقت روزانہ مونا یا بھابھی چائے کا کپ لا کر دیا کرتی تھیں۔

"ہوں۔ کم ان۔۔۔" بنا دیکھے اس نے اجازت دے دی مگر جب چند لمحوں تک کوئی آہٹ نہ ہوئی تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ زر مینے بنا آہٹ کیے اندر آئی تھی شاید وہ چائے کا کپ سائیڈ پر رکھ کر نکل جانا چاہتی تھی کہ تیمور نے پکار لیا۔

"کیوں آئی ہو تم اندر۔ میں نے منع کیا ہے نا تمہیں اپنے کام کرنے سے؟۔" باوجود غصے کے اس کے لہجے میں اتنی سختی نہیں تھی۔

"جج۔۔۔ جی وہ تائی۔ میرا مطلب آپ کی امی نے کہا تھا۔ میں نے منع بھی کیا مگر۔۔۔" وہ سخت اپ سیٹ لگ رہی تھی اور اتنا تو تیمور کو بھی اندازہ تھا کہ وہ اس کی پرچھائیں سے بھی ڈرتی ہے اتنی جرات خود سے نہیں کر سکتی۔

"سنو۔ تیاری کر لینا۔ کل صبح تمہیں آغا جان کے پاس جانا ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے ان سے۔" روکھے لہجے میں اس نے بہت خوبصورت اطلاع دی تھی۔ زر مینے جیسے کھل سی گئی۔

"سچ۔" بے اختیار سوال کیا تھا۔

اس لمحے بڑی سچی خوشی تھی زر مینے کے چہرے پر' آنکھوں میں سکون سا اتر آیا تھا۔ تیمور ایک لمحے سے زیادہ اس کی طرف دیکھ نہ سکا۔

"تمہاری کلاسز کب سے شروع ہو رہی ہیں؟۔" نگاہ پھیر کر کھردرے لہجے میں استفسار کیا تو وہ گزرے اس ایک لمحے کے حصار سے نکل آئی جس نے ابھی ابھی اسے پھر سے خواب نگری میں پہنچا دیا تھا۔

"اگلے ہفتے سے۔۔۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے جاؤ اور اماں کو بتا دینا کہ تم اپنے کزن یعنی میرے دوست کرامت کے گھر جا رہی ہو اور اگر وہ مزید سوال کریں تو لاعلمی کا اظہار کر دینا باقی میں دیکھ لوں گا۔"

"جی اچھا۔۔۔" اس کا دل یک دم خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ کتنے دنوں بعد آغا جان سے ملنے کی' اپنے شہر جانے کی سبیل ہوئی تھی۔

اماں کو بتا کر وہ مسرور سی اپنے اور مونا کے کمرے میں آئی تو مونا کے ساتھ ساتھ عزمی بھی وہیں موجود چائے اور ڈرائی فروٹ کے مزے لے رہا تھا۔

"آؤ زری! زبردست خبر ہے۔۔۔" مونا اسے دیکھتے ہی ایکسائٹمنٹ سے چلائی تھی۔

"اچھا وہ کیا؟۔" وہ خود بھی خوش تھی اس لیے کھلے دل سے مسکرا کر قریب چلی آئی۔

"لگتا ہے کوئی خبر ان کے پاس بھی ہے۔" عزمی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا' وہ کچھ سمٹ سی گئی۔ مونا نے عزمی کے اس تبصرے پر اسے بغور دیکھا۔

"کیا واقعی زری۔۔۔؟" وہ سوالیہ تھی۔

"ہوں۔ مگر پہلے تم سناؤ۔" اب کے وہ رسان سے مسکرائی۔

"نہیں پہلے تم۔۔۔" مونا کا اصرار تھا۔

"کہیں پہلے تم پہلے تم کے چکر میں رات ہی نہ گزر جائے۔ میں بتاتا ہوں کہ میں کل کے کنسرٹ کی تین ٹکٹس لایا ہوں۔ جنید جمشید' ہارون' فاخر اور ابرار الحق مین اسٹارز ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ یہ ہے خبر۔ تمہارے پاس کون سی خوش خبری ہے اب تم سناؤ۔" عزمی نے بڑی تیزی سے گفتگو کو سمیٹا

"کل میں اپنے آغا جان سے ملنے جا رہی ہوں۔ اسلام آباد جانا ہے مجھے۔" کنسرٹ کے تین ٹکٹس کا سن کر وہ ان کی محبت پر شرمندہ سی ہوئی اس لیے اپنا پروگرام بڑی دبی دبی آواز میں بتایا تو مونا اچھل پڑی۔

"کل جانا ہے۔۔۔؟ نو وے یار! میں نے اپنی پاکٹ منی سے یہ ٹکٹ منگوائے ہیں۔ بس تم کو جانا ہو گا۔ تم پرسوں چلی جانا۔" مونا سنتے ہی اکھڑ گئی تھی۔

"مگر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تیمور صاحب نے کل کا کہا ہے۔" وہ کچھ سٹپٹا سی گئی۔

"تو تیمور صاحب کوئی قاضی یا عدالت تو نہیں کہ ان کا فیصلہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میں نے تو سنا ہے عورت مرد کے مضبوط سے مضبوط فیصلے کی فصیل میں دراڑ ڈال سکتی ہے۔" عزمی کی کچھ ہنستی ہوئی آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔ زر مینے اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریزاں ہو جاتی تھی جب وہ ایسے موڈ میں ہوتا۔ اس وقت بھی مونا سے ہی بولی۔

"تم پلیز مائنڈ مت کرنا مونا! صبا کو بلوا لو' وہ بھی بڑی فین ہے جنید جمشید کی۔ یوں بھی اس کی کمپنی کافی دلچسپ ہوتی ہے۔ بڑی انٹرسٹنگ باتیں کرتی ہے وہ۔۔۔"

"یہ تو سامع پر منحصر ہے کہ اسے کس کی باتیں اچھی لگتی ہیں' وہ کسے سننا چاہتا ہے۔ دوسرے ہم وہاں جنید جمشید اور دیگر سنگرز کو سننے جا رہے ہیں۔ آنسہ صبا خان کو نہیں۔۔۔" عزمی پھر بولا۔

نجانے اس کے لہجے میں کن جذبوں کو تپش ہوتی تھی کہ زر مینے کا پورا وجود اس کی حدت سے جھلسنے لگتا تھا۔

"اُفوہ عزمی! تم تو چپ کرو۔ کس فضول بحث میں پڑ گئے ہو۔۔۔" مونا جھنجلا کر بولی پھر زر مینے کی طرف

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

★ دل پھولوں کی بستی — نگہت عبداللہ — 400/
★ جو چلے تو جاں سے گزر گئے — ماہا ملک — 150/
★ وہ جنبلی سی دیوانی سی — [illegible] — 400/
★ طائر لاہوتی — رفعت سراج — 550/
★ ایمان اُمید اور محبت — عمیرہ احمد — 180/
اور
★ خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا — 600/

خوبصورت سرورق، آفسٹ پیپر، خوبصورت چھپائی، دیدہ زیب مضبوط جلد

شائع ہو گئے ہیں

سول ایجنٹ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی

لاہور میں
• لاہور اکیڈمی • سلطان نیوز ایجنسی
• عظیم اینڈ سنز • اسلامیہ کتب خانہ

راولپنڈی میں
اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک، راولپنڈی

حیدرآباد میں
مہران نیوز ایجنسی
حیدرآباد

پلٹی۔ ”دیکھو زری! اگر تم ہاں کرو تو میں چاچو سے کہتی ہوں وہ تمہیں کل کے بجائے پرسوں لے جائیں۔ بس تم میرا ساتھ دینا۔ دیکھو ناں تمہارے رشتے دار تو نہیں جا رہے۔ تم کل نہ سہی پرسوں مل لو گی ان سے، مگر یہ کنسرٹ تو نہیں ہو گا بار بار۔۔۔۔“

زرمینے جیسے بے بس سی ہو گئی۔ اسے کنسرٹ وغیرہ میں جانے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی مگر مونا کو ناامید کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا تو دوسری طرف تیمور کے تیوروں سے الگ خائف تھی، وہ جانتی تھی کہ بات کوئی بھی کرے۔ تیمور کی خفگی کا سامنا تو اسی کو کرنا ہے۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے مگر مونا! مجھے میوزک سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ میرے ساتھ تو تم لوگ بھی بور ہو جاؤ گے۔“ اسے کچھ تو کہنا تھا۔

”میرا خیال ہے اس کا فیصلہ تم ہم پر چھوڑ دو۔“ مونا نے کچھ چڑ کر کہا۔ عزمی نے دیکھا کہ اس لمحے زرمینے بہت الجھن میں لگ رہی تھی۔ انگلیاں مسلتے ہوئے اس کا سارا الجھاؤ اس کی گہری سیاہ آنکھوں سے ہویدا تھا۔ اطالوی نقوش نکھرے اور تیکھے ہو رہے تھے۔

”اُفوہ زری! پلیز پروگرام نہ خراب کرو یار۔ چلو چل کر میرے ساتھ چاچو سے بول دو۔“ مونا نے اسے سوچتا دیکھ کر ٹوک دیا وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عزمی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

”رہنے دو مونا! زبردستی نہ کرو۔ جب کوئی شخص ساتھ نہ چلنا چاہے تو اسے زبردستی اپنے ساتھ باندھنا نہیں چاہیے۔ جبری بندھن سے نہ انسان خود خوش رہ سکتا ہے نہ دوسرے کو خوش رکھ سکتا ہے۔“

کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ زرمینے نے یک دم چونک کر اسے دیکھا مگر اس سے پیشتر کہ وہ اس کے چہرے پر لکھی تحریر پڑھ پاتی وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

”لو۔۔۔ عزمی تو خفا ہو گیا۔ چائے بھی نہیں پی اس نے۔ دراصل عزمی کا تو اپنے فرینڈز کے ساتھ پروگرام تھا جانے کا وہ تو میں نے ہی اتنا اصرار کر کے اس سے ٹکٹیں منگوائے تھے۔ خاص طور سے تمہارے لیے کہ تم اداس رہتی ہو انجوائے کرو گی۔ مگر خیر۔“

مونا کچھ مایوس سی ہو گئی۔ زرمینے کا دل اس کی محبت پر بھر سا آیا۔ چند دنوں میں کتنی انسیت ہو گئی تھی مونا کو اس سے۔ تیمور کی نفرت کے وار سہتے ہوئے اس گھر کے لوگوں کی محبت اس کے لیے زخم پر لگنے والے مرہم کا کام دیتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اس کی محبت کے سامنے ہار گئی اور کمرے سے باہر جاتی مونا کا ہاتھ پکڑ کر اچانک روک لیا۔ مونا کچھ سوالیہ انداز میں اس کی طرف مڑی۔

”چلنا ہے کیا۔۔۔؟“ وہ جھک کر پوچھنے لگی۔

”ہوں۔۔۔“ زرمینے مسکرا دی۔

”ویٹس لائیک اے گڈ گرل۔“

”مگر میں نے تو کل جانے کے لیے ہاں کہہ دیا تھا۔“ تیمور کا سوچ کر وہ اب تک متذبذب تھی۔

”سو واٹ۔ میرے ساتھ چل کر ناں بول دو۔“ مونا نے سیدھا سا حل بتایا۔

”مم۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔“ وہ سٹپٹا گئی۔

”جی۔۔۔ تت۔۔۔ تت۔۔۔ تم۔۔۔“ مونا ہنس پڑی پھر اس کی شکل پر چھائی سراسیمگی دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی۔ ”کم آن یار تم چلو تو۔ میں بات کر لوں گی چاچو سے۔ تم تو ایسے ڈرتی ہو ان سے جیسے وہ دوزخ کے داروغہ ہوں۔“

اس کا ہاتھ پکڑ کر مونا اسے لے کر تیمور کے کمرے کی طرف چل دی۔

”ویسے تمہارے اندر جو یہ کانفیڈنس کی کمی ہے نا یہ زندگی کو بہت مشکل بنا دیتی ہے۔ مگر خیر ہماری محبت میں رہو گی تو آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاؤ گی۔“

وہ بدحواس سی اس کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ تیمور کے ممکنہ تیور اور نفرت آمیز نظروں کا سامنا کرنے کے خیال سے ہراساں ہراساں سی کمرے میں اس کے ساتھ داخل ہوئی۔

تیمور چائے پی کر غالباً ابھی ابھی فارغ ہوا تھا۔

چھوٹا سا سوٹ کیس بیڈ پر کھلا پڑا تھا گویا کل صبح کی پکی تیاری تھی۔

”اوہ چاچو! آپ صبح جا رہے ہیں کیا۔۔۔؟“ بنا دستک لیے مونا کس دھڑلے سے کمرے میں گھس کر تیمور کے سر پر جا سوار ہوئی۔ اس کی بے وقت آمد پر تیمور نے کچھ ٹھٹھک کر اس کی طرف دیکھا تو ساتھ کھڑی زرمینے پر نظر پڑی۔ بھنویں سکیڑ کر اس نے بمشکل چہرے پر عود کر آتے تناؤ کو روکا۔

”ہوں۔۔۔ تم کو کوئی کام ہے۔۔۔“ اس نے بظاہر تجاہل سے پوچھا ورنہ اندازہ تھا کہ مونا کچھ منوانے ہی آئی ہے۔

”آف کورس۔ کل ایک میوزک کنسرٹ ہے، عزمی نے زری کے لیے بھی ٹکٹ خرید لیا ہے آپ پلیز پرسوں چلے جائیے گا۔ دیکھیے نا جب سے زری یہاں آئی ہے کہیں گھومی پھری ہی نہیں نشاء کی شادی کی وجہ سے فرصت ہی نہیں ملی۔ اب اتنے دنوں بعد تو یہ پروگرام بنا ہے پلیز چاچو۔۔۔۔“

مونا منوانے والے استحقاق سے بولی۔ تیمور نے یکدم نظریں زرمینے کے چہرے پر فوکس کیں جہاں گھبراہٹ اور سراسیمگی کے تاثرات بہت واضح تھے۔

”عزمی نے ٹکٹ خریدا ہی کیوں۔ مجھ سے پوچھا تھا کیا؟“ قہر آلود نظریں زرمینے کے چہرے سے ہٹا کر وہ مونا کی طرف گھوما۔ سوال ایسا تھا کہ مونا کچھ سٹپٹا سی گئی۔

”جی۔۔۔؟ آئی ایم سوری چاچو میں سمجھی نہیں۔“ کچھ تھا تیمور کے لہجے میں مونا گڑبڑا گئی۔

”مطلب یہ کہ تم لوگ سب کچھ طے کر کے بتاتے ہو۔ بندے کو کچھ گنجائش بھی رکھنی چاہیے کہ نہیں۔ اب بتاؤ میں کیا کروں میں نے تو کل سے ٹکٹ لیا ہے آفس سے۔“

”تو کوئی بات نہیں۔ آپ کل ہمارے ساتھ چلیں کنسرٹ میں پھر پرسوں چلے جائیے گا۔“ مونا نے آسان سا حل بتایا۔ تیمور نے اس لمحے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔ مونا کے سامنے وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی نفرت کا بھید کھلے۔ جبکہ زرمینے اس کے لہجے کی برودت سے ٹھٹھر سی گئی تھی۔ عجیب تھا وہ بھی آنکھوں سے آگ برساتا اور لہجے کو سرد رکھتا تھا اور پھر کافی دیر کی بحث کے بعد بالآخر مونا ہی جیتی۔ زرمینے رشک سے مونا کو دیکھ رہی تھی جو تیمور علی جاہ سے سب کچھ منوانے کا استحقاق رکھتی تھی۔

”ہرے۔۔۔ تھینکس چاچو۔ یو آر دی گریٹ۔“ مونا خوش ہوتے ہوئے اس کے کندھے سے جھول گئی۔ زرمینے بجھے دل سے باہر نکل آئی۔ مونا اب تیمور سے محو گفتگو تھی۔ اس نے محسوس بھی نہیں کیا کہ تیمور نے زرمینے کو کیسی سرد اور سفاک نظروں سے دیکھا تھا اور کیسے زرمینے نے اپنے ٹوٹتے دل کو سنبھالا تھا۔

”ہو گیا کے ٹو سر بلکہ ماؤنٹ ایورسٹ۔ یا ابھی کچھ قدم باقی ہیں۔“ وہ بہت ہرٹ سی باہر نکل کر لاؤنج میں آئی تھی۔ دھیان ہی نہ دیا کہ عزمی وہیں موجود تھا پتا تو جب چلا جب وہ سر پر آ کھڑا ہوا۔

”جی۔۔۔؟“ وہ خالی خالی نظروں اور گھبرائی ہوئی سی کیفیت میں متوجہ ہوئی تھی۔

”اس ”جی“ کے آگے بھی کچھ آتا ہے تمہیں لڑکی۔ مثلاً ”آئی‘ جے‘ کے‘ وغیرہ وغیرہ یا محض گھاس کھودنے کا ارادہ ہے یونیورسٹی میں۔“

ایک تو وہ اسے نروس کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔ کیا کہتی شرمندہ سی انگلیاں چٹخاتی رہی۔

”چلو خیر اچھا ہوا تم کل ساتھ جانے کے لیے راضی ہو گئیں۔ ورنہ زبردستی لے جانا پڑتا مجھے اور اتنے دنوں میں تم کم از کم اتنا تو جان ہی گئی ہو گی کہ میں ایسا کر بھی سکتا ہوں۔“

یک دم شوخی کا چولا اتار کر عزمی نے اسے گہری نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا تو اس نے بے ساختہ نظر اٹھائی مگر عزمی اپنی بات کہہ کر فوراً مڑ گیا۔ کتنے ہی لمحے کاریڈور کے آخری سرے کو گھورتی رہی۔ جس کے موڑ پر عزمی غائب ہوا تھا۔

UrduPhoto.com

☼ ☼ ☼

دوسرے دن کی صبح بڑی خوشگوار تھی گو کہ تیمور نے کہا تھا کہ اس نے آفس سے آف لے رکھا ہے مگر وہ ہنوز گھر پر موجود نہیں تھا۔ مونا نے جب اس کی عدم موجودگی محسوس کی تو اسے موبائل پر فون کیا۔ پتا چلا وہ کسی کام سے سعادت لالہ کے ساتھ چلا گیا ہے۔

"دیکھا تم نے چاچو کو۔ وہ تو خوشی اور تفریح کے نام سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے چور کوتوال کو دیکھ کر۔ بہت عجیب ہے ان کی طبیعت۔"

کپڑے پریس کرتی زر مینے کو مونا نے اچانک ہی مخاطب کیا۔

"مگر وہ ایسے کیوں ہیں...؟" دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے پوچھا۔

"بس یار۔ یہ محبت اور عشق وغیرہ کا چکر ہے ہی برا۔ اس پر اگر اس میں انا اور غیرت کی ملاوٹ ہو جائے نا تو اور بھی خطرناک۔ بس یوں سمجھو چاچو نے اپنی منگیتر سے جتنی محبت کی اب وہ اتنی ہی نفرت میں بدل چکی ہے اور نفرت کی آگ ایک ایسی شے ہے کہ اگر مقابل پر اگل دی جائے تو اسے جلا دیتی ہے اور اگر دل میں چھپالی جائے تو خود بندے کی ذات کو سلگا سلگا کر دھیرے دھیرے راکھ بنا دیتی ہے۔ چاچو بھی ایسی ہی راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں۔" مونا کا انداز خاصا فلسفیانہ تھا۔

"ہو سکتا ہے سارا وجود ابھی راکھ نہ ہوا ہو۔ اس راکھ کے ڈھیر میں شاید کوئی چنگاری اب بھی سلگ رہی ہو۔" کھوئی کھوئی سی وہ بے اختیار کہہ گئی۔

مونا نے کسی خیال سے نکل کر قدرے چونک کر اسے دیکھا پھر ایک دم مسکرا دی۔

"نہیں یار، یہ راکھ اب صرف راکھ ہے اس کو کریدنے سے کوئی چنگاری ولی نہیں ملے گی اور اگر مل بھی گئی تو کریدنے والے کی انگلیاں ہی جل جائے گی۔"

مونا کا تبصرہ بے لاگ اور حتمی تھا۔ زر مینے نے گہری سانس بھر کر استری کا پلگ نکالا اور چپ چاپ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

شام تک تیمور کی واپسی نہیں ہوئی تھی عزمی نے گھر آتے ہی ان دونوں کو تیار ہونے کا الٹی میٹم دیا تو وہ لوگ جلدی جلدی تیار ہونے لگیں۔ زر مینے نے شکر کیا تیمور اس وقت تک واپس نہیں آیا تھا۔ لہٰذا بغیر کسی بدمزگی کے وہ لوگ چلے گئے تھے۔

جس وقت تیمور گھر آیا ان سب کو نکلے کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔

"تم بھی ساتھ چلے جاتے بیٹا! آج آفس سے چھٹی تو تھی ناں تمہاری۔"

اماں اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آئی تھیں۔ آتے ہی بڑی محبت سے بولیں۔

"کہاں چلا جاتا اماں! ایک تو مجھے میوزک کا اتنا شوق نہیں دوسرے بلاوجہ بچوں کی تفریح خراب کرنے کا مجھے شوق نہیں۔ میں ساتھ ہوتا تو وہ لوگ میرے لحاظ میں انجوائے نہ کر پاتے۔" قمیص کی آستینیں فولڈ کرتے ہوئے اس نے رسان سے کہا۔

"خیر اب تم اتنے بھی بزرگ نہیں ہو۔ مگر تم نے جو یہ خود پر بڑھاپا طاری کر لیا ہے نا اس نے بہت سی زنجیریں بلاوجہ ہی تمہارے پیروں میں ڈال دی ہیں۔ تم خود کو اس زبردستی کے طاری کیے ہوئے بڑھاپے کے چنگل سے تو نکالو پھر دیکھو دنیا کی رنگینیاں کیسے تمہیں کھینچتی ہیں۔"

اماں کے لیکچر کا حسب روایت آغاز ہو چکا تھا۔ تیمور کان لپیٹے سنتا رہا۔ معلوم تھا ان سے کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر اس وقت اس کا کسی بھی بحث میں پڑنے کا قطعی موڈ نہیں تھا۔

زر مینے کے اوپر عزمی کی بڑھتی ہوئی مہربانیاں اسے ویسے ہی اپ سیٹ کیے ہوئے تھیں۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے اس نہج پر تو سوچا ہی نہیں تھا۔ اپنے اور زر مینے کے مابین موجود نکاح کے بندھن کے باعث عزمی کی اس سے جذباتی وابستگی اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ مگر یہ خیال نہیں رہا تھا کہ اس بندھن سے محض زر مینے واقف ہے۔ عزمی نہیں بلکہ اب تو اماں کی اس کو زر مینے کے قریب لانے کی ڈھکی چھپی کوششوں نے اسے حد درجے متفکر کر دیا تھا۔

کسی سے کچھ شیئر بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی۔

تیمور جب بھی اس کی طرف دیکھتا وہ سخت متوحش نظر آتی۔ کبھی کبھی تو اسے زر مینے کی نگاہوں میں شکوے اور شکایتیں درج محسوس ہوتیں۔ مگر اماں کو یہ سب کہاں معلوم تھا وہ نجانے کس سمت جا رہی تھیں۔ اس وقت بھی اسے خاموش دیکھا تو پاس آبیٹھیں۔

"ویسے تیمور! ایک بات کہوں بیٹا۔ جب انسان کوئی ذمہ داری اپنے سر لے نا تو اسے پھر نبھانا بھی چاہیے۔" انہوں نے تمہید باندھی۔ تیمور نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میرا مطلب زر مینے سے ہے۔ بیٹا! جب تم نے اسے پناہ دی ہے تو اس کا خیال بھی رکھو، تم تو اسے یہاں لا کر ایسے بے فکر ہو گئے ہو کہ نہ کبھی میں نے تمہیں اس کا حال پوچھتے دیکھا، نہ اس کے لیے کچھ کرتے۔ ارے بیٹا! اپنے گھر والوں سے اتنی دور رہے بچی۔ تم نے کبھی یہ تک نہ سوچا کہ اس کے دل پہ کیا گزرتی ہو گی اسے کہیں گھمانے پھرانے تک نہ لے گئے تم۔ بس یہ مونا اور عزمی وغیرہ ہی لگے رہتے ہیں اس کے ساتھ۔"

اماں اس کی کوتاہیاں گنوانے لگی تھیں۔ تیمور کچھ جھنجلا سا گیا۔

"آپ کو اتنے مہینوں بعد ان سب باتوں کا خیال کیسے آ گیا اماں؟ کیا زر مینے نے شکایت کی ہے آپ سے؟"

"نہیں بیٹا! وہ بے چاری تو بے زبان بچی ہے۔ وہ کیا کہے گی مگر انصاف کی نظر بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ خود تو تم کبھی اسے گھمانے پھرانے لے کر گئے نہیں، اب جو عزمی اور مونا نے پروگرام بنایا تو تم نے اس میں بھی شرکت نہیں کی۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔"

"اماں پلیز! آپ کو پتا ہے مجھے اس قسم کی ایکٹیوٹیز میں دلچسپی نہیں ہے۔ مگر بہر حال میں اس کا خیال رکھنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے تو آپ کے ہوتے مجھے کبھی کسی کا خیال رکھنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ آپ سب سنبھال لیتی ہیں مگر آج آپ نے میری کوتاہی کی نشاندہی کی ہے تو میں آئندہ خیال رکھوں گا۔" بے زاری سے کہتے کہتے اس نے لہجے کو قدرے نارمل بنانے کی کوشش کی تھی جو کہ کامیاب رہی۔

"اچھی بات ہے بیٹا! آخر کو یتیم بچی ہے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھو گے تو دین و دنیا دونوں میں فائدہ ہو گا۔"

"یہ سب آپ اس لیے کہہ رہی ہیں اماں! کہ آپ اس کے گھرانے کو نہیں جانتیں۔ ورنہ سوچیں اگر وہ آپ کے دیرینہ دشمن کی بیٹی ہوتی تو بھی کیا آپ اس کی اسی طرح فکر کرتیں۔ اس کے یتیم ہونے اور بے سہارا ہونے کا کیا تب بھی اتنا ہی دکھ ہوتا آپ کو...؟"

نہ چاہتے ہوئے بھی یکدم وہ تلخ ہو گیا۔ اماں نے غالباً غور نہیں کیا تھا اس کے چہرے کے تاثرات پر جب ہی بڑے رسان سے گویا ہوئیں۔

"ہاں بیٹا! تب بھی میں اس کی اتنی ہی فکر کرتی۔ بیٹا! لڑکی دشمن کی بھی عزت والی ہوتی ہے۔ کانچ کی طرح سنبھال کر اسے بھی رکھنا پڑتا ہے۔ مانا کہ میں اصول پرست عورت ہوں مگر میں ایک ماں بھی ہوں اور ایک ماں دوسری ماں کا دکھ سمجھ سکتی ہے۔ میں نے ساری عمر تمہیں ایک بات سکھائی کہ عورت کی عزت کرو خواہ وہ کسی بھی رشتے، کسی بھی تعلق سے تمہارے سامنے آئے۔ دشمنی بھی ایک طرح کا تعلق ہی ہے اور ہم پہاڑوں کے لوگ بیٹیوں کی عزت کرنا جانتے ہیں۔"

اماں کو شاید اس کی بات سخت ناگوار گزری تھی جب ہی اتنا طویل لیکچر دے دیا، وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"آئی ایم سوری اماں! میرا مقصد آپ کی دل

UrduPhoto.com

آزاری نہیں تھانہ ہی میں آپ۔۔۔"

"رہنے دو بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں تمہارے ادھورے جملے سے ہی پورا مضمون بھانپ لیتی ہوں۔ درحقیقت تلخی تمہارے لہجے میں ہی نہیں پورے وجود میں گھل گئی ہے۔ میری مانو تو شادی کرلو۔ عورت اور اولاد میں اللہ نے بڑی ٹھنڈک رکھی ہے بیٹا! اپنی بوڑھی ماں کی آس نہ توڑو۔"

قدرے خفگی سے کہتے ہوئے انہیں اس کے شرمسار چہرے پر پیار آگیا تو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت آس سے بولیں۔

"یہ لڑکی زر مینے مجھے بڑی پسند ہے تمہارے لیے۔ کیا خیال ہے، تمہارا بیٹا؟"

دھڑ دھڑ دھڑ لگا کہ آسمان ٹوٹ کر سر پر گر پڑا ہوا۔ تیمور کے تو سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اماں دل میں یہ خواب سجائے بیٹھی ہیں۔ یہ حملہ اتنا غیر متوقع اور شدید تھا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ام۔ اماں۔ آ۔۔۔ آپ۔ اف اماں آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے۔" اس کا لہجہ انتہائی سخت تھا آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہوگئی تھیں۔

"کک۔ کیوں بیٹا! آخر اس میں کیا خرابی ہے؟" اماں کچھ گھبرا گئیں۔ اکثر وہ لڑکیوں کے نام اس کے سامنے گنواتی رہتی تھیں۔ جب بھی کوئی پسند آئی۔ وہ اس کو راضی کرنے کی ہمیشہ ہی کوشش کرتی تھیں مگر تیمور کی طرف سے ایسا رد عمل کبھی نہیں ہوا تھا۔

"کیا مطلب خرابی اماں! میری سمجھ میں تو یہ نہیں آرہا کہ ایک انجان لڑکی جس کے حسب نسب کا آپ کو پتا نہیں آپ نے اس کے بارے میں ایسا سوچا بھی کیوں۔ وہ کون ہے، کیسے خاندان کی ہے کچھ معلوم بھی ہے آپ کو۔" تیمور اضطراری حالت میں یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔

"بیٹا! یہ بال میں نے دھوپ میں تو سفید نہیں کیے۔ لڑکی حسب نسب میں ہم سے کم نہیں۔ یہ تو اس کی کشادہ پیشانی ہی بتاتی ہے۔ پھر جتنے اچھے اطوار کی وہ ہے۔ اس سے ہی پتا چلتا ہے کہ اس کا خاندان کتنا اچھا ہوگا۔ رہ گئی انجان ہونے کی بات تو بیٹا! اتنے مہینوں سے وہ ہمارے ساتھ ہے، اب انجان تو نہیں رہی۔ پچھلے کئی دنوں سے میں نے اس کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ وہ نہایت سلجھی ہوئی نیک اطوار کم گو اور مہذب لڑکی ہے۔ خوبصورت اور کم عمر ہے۔ اور کیا اوصاف ہونے چاہئیں ایک اچھی لڑکی میں؟"

اماں نے تو گویا باقاعدہ قصیدہ ہی پڑھ ڈالا۔ تیمور کی شدت ضبط سے مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔

"کاش اماں! آپ کو پتا ہوتا کہ وہ کس کی بیٹی ہے تو آپ یہ الفاظ کبھی زبان سے نکالنا تو دور ذہن کے کسی گوشے میں بھی پھٹکنے نہ دیتیں۔" وہ انتہائی کشمکش میں کھڑا سوچ رہا تھا۔ نہ جانے اس کے چہرے پر کیا تھا کہ بے ساختہ اماں نے اسے غور سے دیکھا۔ کوئی گھنٹی سی بجی تھی ان کے دل میں۔ کسی غیر معمولی بات کے ظہور پذیر ہونے کا احساس ہوا تھا اچانک۔ بے اختیار وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

"بیٹا تیمور! سب ٹھیک تو ہے نا۔ کیا کوئی بات چھپائی ہے تم نے مجھ سے۔" کسی اندرونی آگہی کے زیر اثر اماں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر استفسار کیا تو وہ جیسے پھٹ پڑا۔

"ہاں اماں! چھپایا ہے کچھ میں نے آپ سے۔ اگر آپ کو پتا چل جائے تو جس لڑکی کو آپ سر پر بٹھانے کی بات کر رہی ہیں۔ اسے آپ دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔"

"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔" اماں کی آواز جیسے لڑکھڑا سی گئی۔ "کون ہے زر مینے، کس کی بیٹی ہے وہ؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

تیمور کے پاس اب اور کوئی چارہ نہ تھا سوائے سچ بتانے کے۔ جانتا تھا اماں اب زر مینے کے معاملے میں سنجیدہ ہو چکی ہیں۔ سو کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر جیسے لفظ جوڑتا رہا۔

"بولو تیمور! جواب دو۔ کچھ پوچھا ہے میں نے تم سے؟" اماں یکایک غصے میں آگئی تھیں۔ تیمور کا یہ اعتراف کہ اس نے کچھ چھپایا ہے، ان سے انہیں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

طیش دلایا گیا تھا۔

تیمور نے ایک نظر پھر انہیں دیکھا اور آہستگی سے بولا۔

"زر مینے، شیر باز اور اس کی اٹالین بیوی کی بیٹی ہے اماں! وہ پری چہرہ کی سوتیلی بیٹی ہے۔ یہ میرے ان دو دشمنوں کی بیٹی ہے جن کی یاد اب تک میرے ذہن و دل کو سلگا ڈالتی ہے۔"

اماں تو جہاں کی تہاں رہ گئیں۔ ایک لمحے کو ان کے حواس جیسے معطل ہی ہوگئے تھے۔ کتنی دیر وہ حیرت کے شدید جھٹکے سے نکل ہی نہ سکیں، تب ہی تیمور نے ساری بات انہیں بتا ڈالی۔

آغا جان کی خاطر میں نے اسے یہاں پناہ دی۔ کیونکہ شہباز خان اور اس کے بیٹے شیر باز کی جائیداد ہتھیانے کے لیے زر مینے کے حصول کے لیے کوشاں تھے اور وہ لوگ کیسے اور کس قماش کے ہیں وہ تو آپ جانتی ہی ہیں بلکہ انہوں نے۔۔۔"

اماں شاکڈ سی اس کی ساری تفصیل سن رہی تھیں اس نے دھیرے دھیرے ساری بات ان کو بتا ڈالی، تاہم نکاح کا قصہ حذف کر دیا۔ صرف اس انکشاف پر ہی اماں کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ نکاح کی خبر تو ان کے حواسوں کو تباہ ہی کر ڈالتی۔

"اف میرے خدا، تیمور! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" زاہدہ بھابھی غالباً "کھانے کا" کہنے آئی تھیں، مگر اس انکشاف پر دروازے میں ہی ایستادہ رہ گئیں۔ ساری حقیقت سے واقف ہونے پر بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔ تیمور اور اماں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا۔ ان کے عقب میں سعادت لالہ بھی ساکت کھڑے تھے۔ زاہدہ کافی دیر بعد تک بھی واپس نہ آئیں تو وہ خود یہاں چلے آئے۔ اندازہ نہ تھا کہ یہ خبر سننے کو ملے گی۔

"لالہ آپ۔۔۔؟ تیمور، سعادت لالہ کی خود پر جمی شاکی نظروں پر قدرے بوکھلا گیا مگر انہوں نے یکدم اسے نظر انداز کر کے اماں کو پکارا۔

"اماں۔ پلیز آپ میرے ساتھ آئیے۔" سعادت لالہ کی آواز پر وہ چونکیں۔

تیمور نے بے ساختہ اماں کی طرف دیکھا جو بے یقین نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اماں برق کی سی تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔ وہ پیچھے لپکا۔

"رہنے دو تیمور! اماں اس وقت یقیناً خفا ہیں۔" سعادت لالہ نے آگے بڑھ کر اس کو روکا۔ زاہدہ بھابھی اماں کے پیچھے گئیں۔

"مگر لالہ۔۔۔"

"پلیز تیمور! اس وقت نہیں۔ بہتر ہے کہ تم بعد میں بات کرنا۔۔۔"

"آخر آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں۔ یہ سب میں نے آغا جان کی خاطر کیا تھا میری جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہ ہی کرتا۔ کیا کسی کو مشکل میں سہارا دینا غلط ہے اور ابھی ابھی تو اماں کہہ رہی تھیں کہ بیٹی تو دشمن کی بھی قابل احترام ہے اور اب؟" وہ بپھر سا گیا۔ عالم طیش میں اس کی آواز بھی قدرے اونچی تھی۔

"تیمور۔۔۔!" سعادت لالہ نے نہایت تند نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اسے یکلخت اپنے لہجے کی بدصورتی کا احساس ہوا۔ سعادت لالہ کے تنبیہی انداز پر اسے خاموش ہونا پڑا۔

"تم خود بھی ریلیکس ہو جاؤ اور اماں کا موڈ بھی بہتر ہونے دو۔ پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" اماں جا کر اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھیں۔ زاہدہ ناچار پلٹ آئیں۔ بیوی پر نظر پڑتے ہی سعادت لالہ نے ہدایت دی۔

"بچے واپس آئیں تو ان کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر اماں نے زر مینے کو کچھ کہا تو میں انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔" تیمور کیا کہتا لب بھینچے خاموش کھڑا رہا۔

"ویسے بائی دا وے تیمور! تم نے کتنے دن اسے اپنے یہاں پناہ دینے کا وعدہ کیا تھا آغا جان سے۔" جاتے جاتے کچھ سوچ کر وہ پلٹے۔

سوال ایسا تھا کہ تیمور بری طرح گڑبڑا گیا۔ اب ان

سے کیا کہتا نکاح کے بندھن میں باندھ کر لایا ہے وہ اسے تمام عمر کے لیے۔

"ایسا کچھ طے نہیں ہوا تھا لالہ! شہباز خان اور اس کے بیٹے آج بھی اس لڑکی کے دشمن ہیں۔" نظریں چراتے ہوئے اس نے کہا تو سعادت لالہ اس کے پاس چلے آئے۔

"اگر زرمینے کو خطرہ صرف شہباز خان اور اس کے بیٹوں سے ہے تو اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ کیونکہ شہباز خان اور اس کے دونوں بیٹے اب جیل میں ہیں۔"

"آپ کو کیسے پتا لالہ.....؟" تیمور کے آہنی اعصاب نے یکدم جھٹکا کھایا تھا۔

"نشاء کی شادی میں گلریز خان کو بلایا تھا میں نے۔ تم تو جانتے ہو اس سے بہت گہری دوستی ہے میری۔ اس نے ہی بتایا تھا۔ بلکہ اس نے تو یہ بھی بتایا تھا کہ خود آغا جان تک نے شہباز کے خلاف گواہی دی تھی اور جرگے کا فیصلہ بھی لیا تھا اس کے خلاف کہ وہ اس کی بھتیجی کے سرپرست ہیں اور....."

کہتے کہتے یکدم وہ بری طرح چونکے۔ انتہائی تیز نظروں سے تیمور علی جاہ کی طرف دیکھتے رہے۔

کچھ تھا ان کی آنکھوں میں تیمور اندر ہی اندر سٹپٹا سا گیا۔ گمان ہوا وہ ابھی کچھ کہیں گے مگر وہ بغیر کچھ کہے زاہدہ بھابھی کی طرف مڑے۔

"چلو زاہدہ! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ میں اماں کے پاس ہوں میرا کھانا وہیں لے آؤ اور تیمور تم دس بجے تک مجھے اسٹڈی میں ملنا۔" بنا پلٹے تحکمانہ لہجے میں کہتے وہ باہر نکل گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ لوگ آڈیٹوریم کے بڑے سے ہال میں کوئی دو گھنٹے خوار ہو چکے۔ تب کہیں جا کر پروگرام شروع ہوا تھا تاہم سنگرز نے ایسی رونق لگائی کہ پچھلے دو گھنٹے بور ہونے کی تکلیف وہ بھول گئے۔

اس نے زندگی میں پہلی بار..... کوئی کنسرٹ اٹینڈ کیا تھا! اتنی رونق اتنی روشنی اور اتنا ہنگامہ ہوگا یہاں یہ تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اس نے حسرت سے اردگرد موجود لوگوں کے بے فکر چہروں کو دیکھا کہیں بھی کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ جبکہ اس کی زندگی کیسے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی۔ سوچوں کا سلسلہ زندگی کی الجھنوں کی طرف مڑا تو وہ جیسے اردگرد کے ماحول سے کٹ سی گئی۔ چونکی تو اس وقت جب عزمی اسے کولڈ ڈرنک پکڑانے کے لیے سر پر کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا مونا غائب تھی۔

" تھینکس ۔ویسے مونا کہاں ہے؟" کولڈ ڈرنک لیتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"وہ سنگرز کے آٹوگراف لینے گئی ہے۔" عزمی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"تم نہیں لوگی آٹوگراف؟"

"نہیں۔"

"کیوں.....؟ اس لیے کہ تم اس بھیڑ بھاڑ سے کتراتی ہو یا بس سنگر کو سن کر اس پر اپنا احسان سمجھنے والوں میں سے ہو تم....."

(اُف.....) وہ بری طرح زچ ہو گئی۔ کاش وہ اتنی کم ہمت نہ ہوتی تو اس وقت عزمی کو سنا کر رکھ دیتی یا اٹھ کر یہاں سے چلی جاتی۔ مگر اتنی بھیڑ میں گم ہو جانے کے خوف سے اپنی جگہ سے اٹھ تک نہیں رہی تھی اور کچھ مروت کا تقاضا تھا۔

"مجھے آٹوگراف لینے کا شوق نہیں اور اس کی کوئی بھی وجہ نہیں ہے۔ ویسے بائی داوے کیا آپ کے پاس موبائل ہے؟" جواب دے کر اس نے جلدی سے سوال کیا کہ مبادا وہ پھر کوئی سوال داغ دے۔

عزمی اس کی چالاکی پر زیرلب مسکرا دیا۔

"جی ہے۔"

"تو پلیز ذرا گھر فون کر کے دیکھ لیں۔ سب ٹھیک تو ہے نا وہاں۔" بڑی بے ساختگی میں اس کے منہ سے نکلا۔ عزمی نے کچھ ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔

"کیوں...؟ تمہیں کیا ابھی یہاں بیٹھے بیٹھے وہاں کسی طوفان کے آجانے کے بارے میں الہام ہوا

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ہے۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل اتنی رات ہو گئی ہے وہ لوگ خفا تو ہو رہے ہوں گے نا۔" اس نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"کم آن زرمینے! وہ لوگ کیوں خفا ہوں گے ہم ان سب سے پوچھ کر آئے ہیں اور سب کو پتا ہے کہ کنسرٹس میں اکثر دیر ہو جاتی ہے ماما اور بابا کے علاوہ اماں نے بھی کبھی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"مگر وہ تیمور صاحب..... میرا مطلب....."

"اوہ کم آن سِلی گرل! چاچو کو معلوم ہے کل تم نے ہی تو جا کر اجازت لی تھی ان سے۔ خود بہت اچھا میوزک ٹیسٹ رکھتے ہیں۔ ہم نے کہا بھی تھا ساتھ چلنے کو مگر انہیں کوئی ضروری کام تھا بقول ان کے مگر درحقیقت وہ اس لیے ہمارے ساتھ نہیں آئے کہ ہم ان کے سامنے کھل کر انجوائے نہ کر سکیں گے۔ ویسے ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا کہ چاچو ساتھ نہیں آئے۔" عزمی پھر بولا وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "کیونکہ ان کے آنے سے میری مارکیٹ ویلیو کافی کم ہو جاتی ہے۔ وہ سامنے لیفٹ سائیڈ پر جو تم لڑکیوں کا گروپ دیکھ رہی ہو نا۔ جو محض مجھے دیکھنے کے لیے بار بار بہانے بہانے سے مڑ رہا ہے اگر چاچو ساتھ ہوتے تو ان پر عاشق ہو چکا ہوتا۔ میرے دوست تو اکثر کہتے ہیں کہ عزمی تم کبھی کسی کا پرپوزل اپنے لیے لے کر جاؤ تو غلطی سے بھی اپنے چاچو کو ساتھ نہ لے جانا۔ لڑکی والے تمہیں چھوڑ کر ان سے بات طے کر دیں گے۔"

وہ کہہ کر خود ہی ہنس پڑا انداز ایسا تھا کہ زرمینے کو بھی ہنسی آگئی۔

"خیر اب ایسی بھی بات نہیں۔ یوں بھی خوبصورتی صرف ظاہری تو نہیں ہوتی۔ ضروری نہیں کہ جو انسان کم شکل یا واجبی ہو وہ اندر سے بھی بدصورت ہو۔ اسی طرح بہت سے خوبصورت چہرے والوں کے دل بہت کالے بھی ہو سکتے ہیں۔" وہ نجانے کس دھن میں کہہ گئی تھی۔ جس پر عزمی نے شرارت سے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

"بائی داوے یہ الفاظ میرے لیے کامپلی منٹس ہیں یا کمنٹس۔ یا دوسرے لفظوں میں تم نے چاچو کو کالے دل والا کہا ہے۔" وہ جھلا سی گئی۔

اسی دوران مونا بھی آٹوگراف لے کر واپس آگئی وہ بہت پرموشن ہو رہی تھی۔ بظاہر اس کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود اس کا ذہن تیمور کی طرف لگا ہوا تھا، جس کی تعریف میں ابھی ابھی عزمی نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔

"میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ وہ شخص میرا ہے جسے دنیا سراہتی ہے۔" یونہی دل میں یہ خوش کن خیال آیا تھا۔

"اونہہ تمہارا۔ ماشاءاللہ کیا خوش گمانی ہے۔" اس کے اندر جیسے کوئی ہنس دیا۔

"چلو وہ میرا نہ سہی پر میں تو اس کی ہوں نا۔" اس نے جیسے اپنے دکھے ہوئے دل کو تسلی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسٹڈی میں ٹہلتے ہوئے سعادت لالہ کے چہرے پر سخت تناؤ نظر آ رہا تھا گلریز نے ان کو گو کہ زرمینے کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ تاہم اب وہ پچھلی گتھیاں خود سلجھا رہے تھے۔

نشاء کی شادی سے پہلے انہوں نے جب گلریز کو فون کرنے انوائٹ کیا تو یونہی باتوں باتوں میں گلریز نے کہہ دیا۔

"یار! اب تم تیمور کی شادی بھی کر ہی ڈالو۔ نیک کام شروع ہو چکا ہے تو دیر کیسی....."

"ہاں یار! خواہش تو ہماری بھی ہے مگر تیمور مانتا ہی نہیں۔ ایک سے ایک لڑکی اماں نے دکھائی ہے اسے مگر وہ ہزار حیلوں سے اماں کو ٹال جاتا ہے۔" انہوں نے گلریز کے اس فقرے کو نشاء کی شادی کے معنوں میں لیا تھا۔ اس لیے اطمینان سے بولے۔

بات ہی ایسی تھی کہ کچھ لمحوں کے لیے گلریز

خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سمجھے لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی ہے جب ہی کئی بار ہیلو ہیلو پکارا۔

"ہاں ہاں سعادت میں ہوں لائن پر۔ شاید کچھ گڑبڑ ہے میری آواز پہنچ نہیں سکی تم تک۔" گلریز نے گویا سنبھل کر کہا تھا۔

انہیں اس وقت سب یاد آرہا تھا۔ یقیناً گلریز جانتا تھا تیمور اور زرمینے کے بارے میں اور جب بعد میں انہوں نے بر سبیل تذکرہ آغا جان کا پوچھا تو اس نے زرمینے اور شہباز خان کا قصہ سنا دیا تھا تاہم یہ بات وہ حذف کر گیا کہ نکاح کس سے ہوا۔ نہ ہی انہیں کوئی کرید ہوئی۔ یوں بھی ایک آدھ مختصریات کے بعد گلریز نے قصداً موضوع بدل دیا تھا۔

گلریز کی گفتگو یاد کر کے ایک لمحے کو ان کا دل ٹھہر سا گیا۔ نشاء کی شادی پر بھی جب وہ آیا تھا تو اس نے بطور خاص زرمینے کو دیکھ کر اس کے بارے میں پوچھا تھا اور چونکہ ان دنوں سب ہی اس کے بارے میں سوال کرتے تھے تو انہیں اچنبھا بھی نہیں ہوا۔ یوں بھی وہ اپنے اطالوی نقش و نگار کی وجہ سے سب میں ممتاز نظر آتی تھی۔

اس وقت انہیں گلریز کے چہرے کے تاثرات یاد آئے تو لمحے بھر کے لیے وہ سناٹے میں آ گئے اگر جو وہ سمجھ رہے تھے تو گویا گھر میں طوفان آنے ہی والا تھا۔

جس روز تیمور، زرمینے کو گھر لایا تھا اس روز سے اب تک اس کے برگشتہ موڈ اور ہمہ وقت تیوریاں چڑھائے رہنے کی وجہ انہیں اب سمجھ میں آئی تھی۔ کئی بار انہیں ایسا محسوس ہوا کہ زرمینے کو لے تو آیا ہے مگر جیسے کسی کے زبردستی کرنے پر۔ مارے باندھے وہ کبھی کبھار ہی اس سے بات کرتا تھا۔ خود زرمینے بھی کیسی سہمی سہمی رہتی تھی اس کے سامنے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس سے چھپی پھرتی تھی مگر یہ سب دیکھتے ہوئے لاشعوری طور پر چونکتے ہوئے بھی وہ ——— یہ ہی سوچ لیتے کہ شاید تیمور، نشاء کے جانے سے اپ سیٹ ہے۔

مگر آج جب اک اک بات یاد آنے پر کڑی سے کڑی جڑ رہی تھی تو ان کا تفکر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ یکدم گھڑی نے دس بجے کا گھنٹہ بجایا تو وہ چونکے۔ اس وقت انہوں نے تیمور کو یہاں اسٹڈی میں بلایا تھا اور ابھی تک وہ آیا نہیں تھا۔

اماں ابھی تک اپنے کمرے میں بند تھیں۔ زاہدہ بھابھی اور ان کی پیہم کوششوں کے باوجود نہ اماں نے دروازہ کھولا تھا نہ کھانا کھایا تھا اور یہ ان کی پرانی عادت تھی شدید غصے یا ناراضی کی صورت میں اماں ہمیشہ اپنا کمرہ لاک کر لیا کرتی تھیں۔

چند ثانیے کے لیے ان کا دھیان اماں کی طرف مڑ گیا۔

یہ سب سوچتے ہوئے ان کی نظریں دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں کہ اتنے میں تیمور آتا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں اس وقت سرخ ہو رہی تھیں۔ سعادت لالہ نے اسے بغور دیکھا وہ اس لمحے شدید اعصابی تناؤ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ ذہنی و دلی خلفشار اس کے پورے وجود سے مترشح تھا۔

"بیٹھو۔" اس کے خاموشی سے آ کر کھڑے ہو جانے پر انہوں نے کہا اور خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے۔

"کہیے لالہ! آپ نے مجھے بلایا تھا۔" ایک گہری سانس بھر کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"دیکھو تیمور! میں نے بابا کے انتقال کے بعد ہمیشہ یہی کوشش کی کہ اماں اور تمہیں ہر طرح کا ذہنی اور جسمانی سکون دوں۔ اس کوشش میں، میں کہاں تک کامیاب رہا اس کا تم دونوں کو اندازہ ہو گا۔ جو کچھ ماضی میں تمہارے ساتھ ہوا اس کا دکھ ہم سب کو ہے۔" لالہ نجانے کیا کہنا چاہتے تھے، ان کی تمہید پر تیمور کی آنکھوں میں کئی سوال در آئے۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں تیمور! کہ تم کھل کر مجھ سے بات کر سکتے ہو، بلکہ کر سکتے تھے۔ گلریز نے مجھے میرے پوچھنے پر آغا جان اور شیرباز کی بیٹی کے بارے میں بتایا تو تھا مگر جب اسے احساس ہوا میں اس تمام معاملے سے یکسر لاعلم ہوں تو اس نے غالباً بہت سی باتیں مجھ سے چھپا لیں اور اب میں وہ ہی سب تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے اسے نظروں کی گرفت میں لے لیا۔

تیمور کے چہرے پر ایک لمحے کو بہت سے رنگ ابھرے جن میں سب سے نمایاں بے زاری کا رنگ تھا۔

"کیا کہوں لالہ! آپ نے سب جان تو لیا ہے۔" اس نے یوں کہا جیسے اس موضوع پر بات کرنے سے اسے کوئی روحانی تکلیف پہنچ رہی ہو۔

"سب سے تمہاری کیا مراد ہے۔ پہلے تم یہ کلیئر کرو۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا زرمینے کو تم نے محض اس گھر میں پناہ دی ہے یا اسے اپنی زندگی میں بھی ـــــ"

"پلیز لالہ! پلیز ـــــ" اس نے ان کی بات قطع کرتے ہوئے یکدم بھڑک کر کہا۔

"میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اور نہ کرنے کا ارادہ ہے۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہی کیوں ہے؟ کیا شیرباز اور پری چہرہ سے بدلہ لینے کے لیے؟" لہجے میں خفگی اور قدرے غصہ تھا۔ "میں نہیں سمجھتا تیمور! کہ کسی مردہ انسان سے انتقام لینے کے لیے تم ایک جیتی جاگتی زندگی کو یوں ضائع بھی کر سکتے ہو؟"

ملامتی لہجے میں کہتے ہوئے وہ قدرے متاسف نظر آ رہے تھے۔

"ایسی بات نہیں ہے لالہ! جو کچھ ہوا، اس میں میری رضا شامل ضرور تھی مگر اس کا محرک صرف اور صرف آغا جان کی امیدیں اور ان کا وہ یقین جو کہ ان کو مجھ پر ہے اور بس، میں انہیں اس وقت شدید پریشانی اور بے بسی کے عالم میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ شہباز خان نے ان کو دھمکی دی تھی اور وہ اپنی یہ دھمکی پوری کرنے اس شام آ بھی رہا تھا۔" اپنے شدید غصے کو قابو میں کیے وہ دھیرے دھیرے انہیں ساری بات بتا گیا۔ یہ بھی کہ اس نے نکاح کن حالات میں کس دباؤ میں کیا اور یہ بھی کہ اس نکاح کو روکنے کے لیے اس نے آغا جان کو کتنا سمجھایا تھا۔

"ہوں۔" ساری تفصیل سن کر سعادت لالہ کے لبوں سے گہری "ہوں" نکلی۔ کمرے میں کافی دیر خاموشی طاری رہی جسے بالآخر سعادت لالہ نے ہی توڑا۔ "پھر اب کیا سوچا ہے آگے کے لیے۔ میرا مطلب ہے آخر تم اس نکاح کو کب تک چھپاؤ گے؟" انہوں نے وہ ہی سوال کر ڈالا، جس کا جواب خود اس کے پاس نہیں تھا۔

"میں نے اس بارے میں فی الحال کچھ نہیں سوچا۔" اس کے انداز میں لالہ کو ہٹ دھرمی سی محسوس ہوئی۔

"تو سوچو، آخر کب سوچو گے تم۔ دیکھو تیمور! تمہارا عمل برا ہے نہ تمہارا جذبہ غلط تھا مگر اب سچ یہ ہے کہ خواہ آغا جان کی محبت اور ہمدردی میں ہی سہی، ایک لڑکی سے تم نے نکاح کر لیا ہے۔ وہ بھی ایسی لڑکی ہے جسے نہ خود تم نے دل سے قبول کیا ہے اور نہ ہی شاید اماں اس رشتے کو تسلیم کریں گی، بلکہ اماں کی بات تو تم رہنے ہی دو۔ خود تم نے بغیر سوچے سمجھے بنا خلوص کے اپنی رضا سے دستخط کیے۔ تم کو اب اس بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ کرنا ہی ہو گا۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں، ساری عمر کا سوال ہے۔" سعادت لالہ قدرے نرمی سے اسے سمجھانے لگے۔ مبادا وہ بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ جائے، اس لمحے وہ بڑی دقت سے خود کو یہاں بیٹھے رہنے پر راضی کر سکا تھا، ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر وہ کمرہ چھوڑ جائے۔

"تو کیا کروں لالہ! آپ کا خیال ہے، میں پری چہرہ اور شیرباز جیسے بے غیرت لوگوں کی بیٹی کو وہ عزت و احترام دوں گا، جس کی ایک بیوی مستحق ہوتی ہے۔ نو لالہ! نو۔ ایسا تیمور علی جاہ کے لیے ممکن نہیں۔"

لالہ لمحے بھر کے لیے اس کی شدید غیض و غضب سے بھری آنکھوں میں دیکھتے رہے اور پھر انہیں بھی اس کی ہٹ دھرمی اور سرکشی پر بے حد تاؤ آ گیا۔

"اول بات تو یہ ہے کہ تمہاری مجرم پری چہرہ تھی،

UrduPhoto.com

خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سمجھے لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی ہے جب ہی کئی بار ہیلو ہیلو پکارا۔

"ہاں ہاں سعادت میں ہوں لائن پر۔ شاید کچھ گڑبڑ ہے میری آواز پہنچ نہیں سکی تم تک۔" گلریز نے گویا سنبھل کر کہا تھا۔

انہیں اس وقت سب یاد آ رہا تھا۔ یقیناً گلریز جانتا تھا تیمور اور زرمینے کے بارے میں اور جب بعد میں انہوں نے بر سبیل تذکرہ آغا جان کا پوچھا تو اس نے زرمینے اور شہباز خان کا قصہ سنا دیا تھا تاہم یہ بات وہ حذف کر گیا کہ نکاح کس سے ہوا۔ نہ ہی انہیں کوئی کرید ہوئی۔ یوں بھی ایک آدھ مختصر بات کے بعد گلریز نے قصداً "موضوع بدل دیا تھا۔

گلریز کی گفتگو یاد کر کے ایک لمحے کو ان کا دل ٹھہر سا گیا۔ نشاء کی شادی پر بھی جب وہ آیا تھا تو اس نے بطور خاص زرمینے کو دیکھ کر اس کے بارے میں پوچھا تھا اور چونکہ ان دنوں سب ہی اس کے بارے میں سوال کرتے تھے تو انہیں اچنبھا بھی نہیں ہوا۔ یوں بھی وہ اپنے اطالوی نقش و نگار کی وجہ سے سب میں ممتاز نظر آتی تھی۔

اس وقت انہیں گلریز کے چہرے کے تاثرات یاد آئے تو لمحے بھر کے لیے وہ سناٹے میں آ گئے اگر جو وہ سمجھ رہے تھے تو گویا گھر میں طوفان آنے ہی والا تھا۔

جس روز تیمور، زرمینے کو گھر لایا تھا اس روز سے اب تک اس کے برگشتہ موڈ اور ہمہ وقت تیوریاں چڑھائے رہنے کی وجہ انہیں اب سمجھ میں آئی تھی۔ کئی بار انہیں ایسا محسوس ہوا کہ زرمینے کو لے تو آیا ہے مگر جیسے کسی کے زبردستی کرنے پر۔ مارے باندھے وہ کبھی کبھار ہی اس سے بات کرتا تھا۔ خود زرمینے بھی کیسی سہمی سہمی رہتی تھی اس کے سامنے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ اس سے چھپی پھرتی تھی مگر یہ سب دیکھتے ہوئے لاشعوری طور پر چونکتے ہوئے بھی وہ یہ ہی سوچ لیتے کہ شاید تیمور نشاء کے جانے سے اپ سیٹ ہے۔

مگر آج جب ایک ایک بات یاد آنے پر کڑی سے کڑی جڑ رہی تھی تو ان کا تفکر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ یک دم گھڑی نے دس بجے کا گھنٹہ بجایا تو وہ چونکے۔ اس وقت انہوں نے تیمور کو یہاں اسٹڈی میں بلایا تھا اور ابھی تک وہ آیا نہیں تھا۔

اماں ابھی تک اپنے کمرے میں بند تھیں۔ زاہدہ بھابھی اور ان کی پیہم کوششوں کے باوجود نہ اماں نے دروازہ کھولا تھا نہ کھانا کھایا تھا اور یہ ان کی پرانی عادت تھی شدید غصے یا ناراضی کی صورت میں اماں ہمیشہ اپنا کمرہ لاک کر لیا کرتی تھیں۔

چند ثانیے کے لیے ان کا دھیان اماں کی طرف مڑ گیا۔

یہ سب سوچتے ہوئے ان کی نظریں دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں کہ اتنے میں تیمور آتا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں اس وقت سرخ ہو رہی تھیں۔ سعادت لالہ نے اسے بغور دیکھا وہ اس لمحے شدید اعصابی تناؤ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ ذہنی و دلی خلفشار اس کے پورے وجود سے مترشح تھا۔

"بیٹھو۔" اس کے خاموشی سے آ کر کھڑے ہو جانے پر انہوں نے کہا اور خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے۔

"کہیے لالہ! آپ نے مجھے بلایا تھا۔" ایک گہری سانس بھر کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"دیکھو تیمور! میں نے بابا کے انتقال کے بعد ہمیشہ یہی کوشش کی کہ اماں اور تمہیں ہر طرح کا ذہنی اور جسمانی سکون دوں۔ اس کوشش میں، میں کہاں تک کامیاب رہا اس کا تم دونوں کو اندازہ ہو گا۔ جو کچھ ماضی میں تمہارے ساتھ ہوا اس کا دکھ ہم سب کو ہے۔"

لالہ نجانے کیا کہنا چاہتے تھے، ان کی تمہید پر تیمور کی آنکھوں میں کئی سوال در آئے۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں تیمور! کہ تم کھل کر مجھ سے بات کر سکتے ہو، بلکہ کر سکتے تھے۔ گلریز نے مجھے میرے پوچھنے پر آغا جان اور شیر باز کی بیٹی کے بارے میں بتایا تو تھا مگر جب اسے احساس ہوا میں اس تمام معاملے سے یکسر لاعلم ہوں تو اس نے غالباً "بہت سی باتیں مجھ سے

چھپا لیں اور اب میں وہ ہی سب تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے اسے نظروں کی گرفت میں لے لیا۔

تیمور کے چہرے پر ایک لمحے کو بہت سے رنگ ابھرے جن میں سب سے نمایاں بے زاری کا رنگ تھا۔

"کیا کہوں لالہ! آپ نے سب جان تو لیا ہے۔" اس نے یوں کہا جیسے اس موضوع پر بات کرنے سے اسے کوئی روحانی تکلیف پہنچ رہی ہو۔

"سب سے تمہاری کیا مراد ہے۔ پہلے تم یہ کلیئر کرو۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا زرمینے کو تم نے محض اس گھر میں پناہ دی ہے یا اسے اپنی زندگی میں بھی۔۔۔"

"پلیز لالہ! پلیز۔۔۔" اس نے ان کی بات قطع کرتے ہوئے یکدم بپھر کر کہا۔

"میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اور نہ کرنے کا ارادہ ہے۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہی کیوں، کیا شیر باز اور پری چہرہ سے بدلہ لینے کے لیے؟" لہجے میں خفگی اور قدرے غصہ تھا۔ "میں نہیں سمجھتا تیمور! کہ کسی مردہ انسان سے انتقام لینے کے لیے تم ایک جیتی جاگتی زندگی کو یوں ضائع بھی کر سکتے ہو؟"

ملامتی لہجے میں کہتے ہوئے وہ قدرے متاسف نظر آ رہے تھے۔

"ایسی بات نہیں ہے لالہ! جو کچھ ہوا، اس میں میری رضا شامل ضرور تھی مگر اس کا محرک صرف اور صرف آغا جان کی امیدیں اور ان کا وہ یقین جو کہ ان کو مجھ پر ہے اور بس، میں انہیں اس وقت شدید پریشانی اور بے بسی کے عالم میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ شہباز خان نے ان کو دھمکی دی تھی اور وہ اپنی یہ دھمکی پوری کرنے اس شام آ بھی رہا تھا۔" اپنے شدید غصے کو قابو میں کیے وہ دھیرے دھیرے انہیں ساری بات بتا گیا۔ یہ بھی کہ اس نے نکاح کن حالات میں کس دباؤ میں کیا اور یہ بھی کہ اس نکاح کو روکنے کے لیے اس نے آغا جان کو کتنا سمجھایا تھا۔

"ہوں۔" ساری تفصیل سن کر سعادت لالہ کے لبوں سے گہری "ہوں" نکلی۔ کمرے میں کافی دیر خاموشی طاری رہی جسے بالآخر سعادت لالہ نے ہی توڑا۔ "پھر اب کیا سوچا ہے آگے کے لیے۔ میرا مطلب ہے آخر تم اس نکاح کو کب تک چھپاؤ گے؟" انہوں نے وہ ہی سوال کر ڈالا، جس کا جواب خود اس کے پاس نہیں تھا۔

"میں نے اس بارے میں فی الحال کچھ نہیں سوچا۔" اس کے انداز میں لالہ کو ہٹ دھرمی سی محسوس ہوئی۔

"تو سوچو، آخر کب سوچو گے تم۔ دیکھو تیمور! تمہارا عمل برا ہے نہ تمہارا جذبہ غلط تھا مگر اب سچ یہ ہے کہ خواہ آغا جان کی محبت اور ہمدردی میں ہی سہی، ایک لڑکی سے تم نے نکاح کر لیا ہے۔ وہ بھی ایسی لڑکی ہے جسے نہ خود تم نے دل سے قبول کیا ہے اور نہ ہی شاید اماں اس رشتے کو تسلیم کریں گی، بلکہ اماں کی بات تو تم رہنے ہی دو۔ خود تم نے بغیر سوچے سمجھے بنا خلوص کے اپنی رضا سے دستخط کیے۔ تم کو اب اس بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ کرنا ہی ہو گا۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں، ساری عمر کا سوال ہے۔" سعادت لالہ قدرے نرمی سے اسے سمجھانے لگے۔ مبادا وہ بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ جائے، اس لمحے وہ بڑی دقت سے خود کو یہاں بیٹھے رہنے پر راضی کر سکا تھا، ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر وہ کمرہ چھوڑ جائے۔

"تو کیا کروں لالہ! آپ کا خیال ہے، میں پری چہرہ اور شیر باز جیسے بے غیرت لوگوں کی بیٹی کو وہ عزت و احترام دوں گا، جس کی ایک بیوی مستحق ہوتی ہے۔ نو لالہ! نو وے۔ ایسا تیمور علی جاہ کے لیے ممکن نہیں۔"

لالہ لمحے بھر کے لیے اس کی شدید غیظ و غضب سے بھری آنکھوں میں دیکھتے رہے اور پھر انہیں بھی اس کی ہٹ دھرمی اور سرکشی پر بے حد تاؤ آ گیا۔

"اول بات تو یہ ہے کہ تمہاری مجرم پری چہرہ تھی،

UrduPhoto.com

شیر باز نہیں۔ تمہارے رشتے کو پری چہرہ نے توڑا ہے نہ کہ شیر باز نے اور دوسری بات یہ کہ زرمینے ٗشیر باز کی اٹالین بیوی کی اولاد ہے اور جب اس کا پری چہرہ سے کوئی رشتہ ہی نہیں تو اس سے نفرت کرنے یا دشمنی اور بیر باندھ کر پری چہرہ کی بے وفائی کا انتقام لینا کم سے کم تم جیسے کلچرڈ اور ایجوکیٹڈ بندے کو سوٹ نہیں کرتا تیمور! اور اگر مان لو کہ پری چہرہ اور شیر باز کے گناہوں کا کفارہ اگر زرمینے کو ہی ادا کرنا ہے تو اس کا فیصلہ کرنے والے تم کون ہوتے ہو۔ کیا اسی مان اور یقین کے بھروسے آغا جان نے تمہیں اس بھلی لڑکی کا ہاتھ دیا تھا" سعادت لالہ جب غصے میں بولے تو جیسے شدید تند و تیز طوفان کا ریلا تھا ان کے لہجے میں۔ انتہائی غضب ان کے سرخ چہرے سے عیاں تھا۔ تیمور کے لیے ان کا اس طرح پھٹ پڑنا غیر متوقع تھا۔ وہ جیسے چپ سادھ گیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ ہم سب اس ظلم میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ نہیں تیمور! ہرگز نہیں۔ تمہیں ہر صورت فیصلہ کرنا ہوگا۔ آر یا پار۔"

"کیا مطلب لالہ!" وہ متحیر سا رہ گیا۔ شاید وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کی نفرت اتنی منطقی ہے کہ گھر کے تمام افراد اسی کا ساتھ دیں گے مگر اس وقت سعادت لالہ نے جو لہجہ اور انداز اپنایا ہوا تھا' اس نے اسے متذبذب کر ڈالا تھا۔

"میرا مطلب صاف ہے تیمور! یا تو تم نے جو رشتہ بنایا ہے اسے نبھاؤ' پوری دنیا کے سامنے اپنے نکاح کو اوپن کر دیا پھر...."

"یا پھر....؟" وہ بھونچکا سا رہ گیا۔

"یا پھر یہ رشتہ ہی توڑ ڈالو۔" سعادت لالہ نے قدرے توقف کر کے صاف صاف کہہ ڈالا۔ ان کا حملہ اچانک تھا کہ وہ ششدر رہ گیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے لالہ! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ ہماری روایت کبھی نہیں رہی۔" خود کو کمپوز کر کے اس نے بالآخر کہا۔ لہجہ قدرے پست اور آواز نسبتاً ہلکی تھی۔

"تو اب تک جو کچھ تم کر چکے ہو یہ کب ہوا ہے ہمارے یہاں۔ چوری چھپے نکاح کر لیا تم نے اور آج تک اسے کسی گناہ کی طرح چھپائے ہوئے ہو۔ ایک بے قصور لڑکی کو مصلوب کر رکھا ہے اور بات کرتے ہو روایت کی۔ کیا ہم پہاڑوں کے بیٹوں کی یہی روایات ہیں؟" انہوں نے رک کر اس کے شدت ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"جب تم اپنی منگ سے دستبردار ہو سکتے ہو تو اس لڑکی سے کیوں نہیں' جس سے تمہاری کوئی قلبی لگاؤ بھی نہیں۔"

"فرق ہے لالہ! پری چہرہ میری منگ تھی اور یہ یہ...." وہ جیسے جھجک گیا۔

"اور یہ منکوحہ ہے۔" لالہ نے رسانیت سے اس کا جملہ مکمل کیا تو وہ نظریں جھکا گیا۔

"منکوحہ کا مطلب سمجھتے ہو تیمور! اس رشتے کی اہمیت اور نزاکت کا اندازہ ہے تمہیں؟"

"میں اسے کیسے اپنا لوں جسے میری پوری فیملی قبول نہیں کرے گی۔" جھنجلاہٹ کے باعث وہ بری طرح چیخ اٹھا۔

"یہ سب تو تمہیں جب سوچنا چاہیے تھا جب تم نے آغا جان کے کہنے پر سر جھکایا۔ اس وقت تمہیں اماں اور ہم سب کی ناراضی یا ناپسندیدگی کا خیال نہیں آیا؟" سعادت لالہ نے صاف گوئی کی انتہا کر دی۔

"لالہ! میں نے آپ کو بتایا تو ہے نا کہ اس وقت حالات کیا تھے' مجبور تھا میں۔" سعادت لالہ اسے جیسے زچ کر رہے تھے۔

"اور اب؟ اب کیا حالات ہیں کچھ اندازہ ہے تمہیں۔ اس وقت تم مجبور تھے اور اس وقت ایک لڑکی مجبور ہے جسے تم تین بولوں کے عوض اپنے ساتھ یہاں لے آئے ہو اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس پر اپنا اتنا حق سمجھتے ہو کہ اسے تاعمر بے ثمر رکھنے پر کسی کی نصیحت تک برداشت نہیں کر پا رہے۔" سعادت لالہ اسے مسلسل لتاڑ رہے تھے۔

"کیا آپ کو میرے نکاح کر لینے کا افسوس ہے لالہ۔" کچھ جھجکتے ہوئے لہجے میں اس نے

UrduPhoto.com

پوچھا۔ تاہم ان کی طرف سے نظریں ہٹالیں۔ وہ اس لمحے ان کی ملامتی اور متاسف آنکھوں میں جھانک نہیں سکا۔

"نہیں، کیونکہ میں اماں اور تمہاری طرح دشمنی اور سوتیلے رشتوں کو دل کا ناسور نہیں بناتا۔ اماں کو ساری عمر سوتیلے پن کا دکھ رہا اور تم نے بے وفائی کرنے والی کو دشمن تصور کرلیا۔ میں نے نہ کبھی اس طرح سوچا نہ کبھی حالات کو اس طرح ڈیل کیا ہے۔ تم پہلے بھی جذباتی تھے، آج بھی ہو مگر اس قدر شدت پسند اور انتہاپسند بھی ہو جاؤ گے یہ میرے گمان میں بھی نہ تھا۔" اسے شرمندہ دیکھ کر سعادت لالہ کچھ افسردگی سے کہنے لگے۔

"اگر تم آغاجان کی عزت اور ان کے مان کی خاطر زرمینے سے نکاح کرکے اسے یہاں لاتے اور اماں سے ہم سب سے اسے قبول کرنے کی استدعا کرتے تو میں سمجھتا تم نے واقعی نیکی کی ہے، ایک مظلوم لڑکی کو ظلم اور ناانصافی سے بچایا ہے، مگر جس طرح تم نے اسے لاکر کسی مجرم کے گناہ کی طرح چھپایا بلکہ اسے بھی ہرٹ کیا۔ اپنی بے جواز نفرت اور دشمنی کے انتقام کے لیے زرمینے سے نکاح کیا ہے اس بات سے مجھے دکھ پہنچا۔ جب ہی نہ اسے بسانا چاہتے ہو اور نہ چھوڑنا چاہتے ہو۔" انہوں نے کھلے لفظوں میں اس کا محاسبہ کر ڈالا۔

"ایسا نہیں ہے لالہ! آپ میرے ساتھ زیادتی کررہے ہیں۔ بالکل غلط سمجھا ہے آپ نے اس سارے سلسلے کو۔"

"تو صحیح کیا ہے، تم بتاؤ، تم ہی کہو کیا سچ ہے۔ وہ جو میں نے کہا یا وہ جو تم مجھے باور کرارہے ہو؟"

"سچ وہی ہے جو میں نے کہا ہے لالہ! آغاجان کی خاطر میں نے ایک کڑوا گھونٹ پیا تھا اور ایسا کرتے کرتے میرے سامنے صرف آغاجان اور ان کی مجبوریاں تھیں اور بس۔"

"اس سلسلے کا صرف ایک ہی حل ہے تیمور! یا تو تم زرمینے کو باقاعدہ اپنالو یا پھر اسے طلاق دے دو۔ دیکھو تیمور! جس طرح کسی کو اس نکاح کا نہیں پتا اسی طرح اس طلاق کا بھی پتا نہیں چلنے گا۔ رہ گئے آغاجان تو انہیں ہم مل کر سمجھالیں گے اور کسی اچھے سے لڑکے سے زرمینے کا نکاح کرکے رخصت کردیں گے، ساری زندگی احساس جرم میں کاٹنے سے بہتر ہے کہ تم اعلا ظرفی کا مظاہرہ کرو۔ معاف کردینا سب سے بڑا انتقام ہے۔"

سعادت لالہ اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے۔ اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے انہوں نے اسے بالکل کسی ناسمجھ بچے کی طرح سمجھایا۔

"میں دو بیٹیوں کا باپ ہوں تیمور! اور ایک باپ کی اپنی بیٹی کے لیے فکر اور محبت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ سوچو ذرا، مرتے ہوئے شیرباز نے کس دل سے آغاجان کے کمزور بازوؤں میں اپنی نازک سی بیٹی دی ہوگی اور کیسی آسودگی آغاجان کو نصیب ہوئی ہوگی جب انہوں نے تمہارے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیا ہوگا۔ ہم پہاڑوں کے لوگوں ہیں، ہمارے گھر اگر دشمن بھی پناہ لے تو ہم اسے معاف کردیتے ہیں۔ زرمینے تو پھر تمہاری منکوحہ ہے۔ اچھی طرح سوچ لو، میں تمہیں ایک ہفتہ دے رہا ہوں سوچ بچار کے لیے۔ اس کے بعد..." لمحے بھر کا توقف کرکے وہ اس کے کندھے پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولے۔

"اس کے بعد بھی اگر تم نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو میں خود زرمینے کو آغاجان کے پاس چھوڑ آؤں گا اور تم جانتے ہو میں ایسا کر بھی سکتا ہوں۔"

سعادت لالہ نے تو جیسے دھماکہ کرڈالا۔ تیمور جہاں کا تہاں بیٹھا رہ گیا اور وہ باہر نکل گئے۔

تیمور نے تلملاتے ہوئے میز پر سارا غصہ اتارا۔ کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا، بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ آخر اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔

اب اس کے پاس کوئی راہ فرار نہیں تھی۔ وہ اس معاملے کو اب زیادہ دیر لٹکا نہیں سکتا۔ یوں بھی اس عالم برزخ میں رہ کر وہ خود بھی کون سا خوش تھا۔ بلکہ پچھلے کئی دنوں سے عزمی کی زرمینے میں بڑھتی ہوئی

دلچسپی نے اسے کافی پریشان کردیا تھا جس کا اظہار وہ کر بھی نہیں پاتا تھا۔

اگر نکاح کا بندھن نہ ہوتا تو شاید وہ زرمینے کا خاندان بھلا کر عزمی کا ساتھ دینے کی کوشش کرتا مگر اب یہ ناممکن تھا۔

تاہم اس لمحے عزمی کی طرف سے سکون ہوگیا کہ کم از کم لالہ تو سب جان چکے تھے اور اب عزمی کو روکنا ان کا کام تھا مگر یہ سب سوچنے کے باوجود اسے اطمینان نہیں ہوا۔ بھابھی ——— معمول کے مطابق چائے لے کر اس کے پاس ہی چلی آئی تھیں۔

"مونا اور عزمی واپس آجائیں تو اس لڑکی سے کہیے گا تیار رہے، صبح ٹھیک سات بجے میں گھر سے نکل جاؤں گا۔" زرمینے کا ذکر بڑے زہرخند انداز میں کیا اس نے۔ زاہدہ بھابھی نے پہلے تو بغور اسے دیکھا پھر اس کے سامنے پڑے صوفے پر آبیٹھیں۔

"گھر سے نکال رہے ہو اسے؟" ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

"نہیں بھئی! اسے اس کے گھر چھوڑنے جارہا ہوں، آغاجان کے پاس ناران۔ اب اسے وہاں کوئی خطرہ نہیں۔ شہباز خان حراست میں ہے اور اس کے بیٹے بھی۔"

"تو گویا زری! اور ہمارا تعلق ختم، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" بھابھی کچھ زیادہ ہی دکھی ہورہی تھیں۔

"وہ یہاں مجبوراً آئی تھی بھابھی! محض اپنی جان و آبرو بچانے کی خاطر اور اب چونکہ اسے کوئی خطرہ نہیں تو اس کا یہاں رہنا بھی بلاجواز ہے۔ ایک نہ ایک دن تو اسے اپنے گھر جانا ہی تھا نا۔" انہیں دلگرفتہ دیکھ کر اس نے قدرے نرمی سے جواب دیا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ایک بات پوچھوں تیمور؟"

تیمور کو اندازہ تھا کیا پوچھیں گی جب ہی چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے نظر چرالی۔

"پلیز بھابھی! کچھ نہ پوچھیں، میرے پاس شاید آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں۔" اس کے انداز میں بے بسی سی تھی۔ زاہدہ بھابھی سرہلاتے ہوئے اٹھ گئیں اور شب بخیر کہہ کر کھلے دروازے سے باہر نکل گئیں۔

"اب کہاں خیر بھابھی! اب تو نہ شب بخیر ہوگی نہ دن۔" وہ اماں کے ممکنہ ردعمل کا سوچ کر بہت اپ سیٹ ہورہا تھا۔ ان کا غصہ تو وہ برداشت کرسکتا تھا مگر ان کی ناراضی ہرگز نہیں۔

☼ ☼ ☼

رات کے ڈھائی بج رہے تھے جب وہ لوگ گھر واپس لوٹے۔ وہ بھی زرمینے کے بصد اصرار پر، ورنہ کنسرٹ ادھورا چھوڑ کر کبھی واپس نہ آئے تھے۔

جس وقت اس نے گاڑی سے قدم باہر رکھا تیمور کے کمرے کی کھڑکی سے باہر آتی روشنی دیکھ کر کچھ حیرت سی ہوئی۔ اتنی رات گئے وہ کم ہی جاگتا تھا۔ نجانے کس احساس کے تحت دل دھڑک اٹھا۔ وہ خوف جسے وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے شکست دینے کی کوشش کررہی تھی یکدم پھر سے طاری ہوگیا۔

ابھی وہ دونوں چینج کرکے فارغ ہی ہوئی تھیں کہ زاہدہ بھابھی چلی آئیں۔

"ارے مما! آپ جاگ رہی ہیں ابھی تک؟" مونا نے بغور انہیں دیکھا۔

"ہوں، بس ایسے ہی نیند نہیں آئی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی گہری نظروں نے زرد کرتے شلوار میں ملبوس زرمینے کا جائزہ لیا۔ سب کچھ جاننے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ واقعی وہ اپنی اٹالین ماں کی یورپین نقش و نگار رکھنے کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کا حسن بھی چرائے ہوئے ہے۔ اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔

"زری بیٹا! تم تیار رہنا، صبح سات بجے نکلنا ہے۔ وقت کا خیال رکھنا تیمور کا تو تمہیں تو پتا ہے ٹائم کا کتنا پابند ہے۔"

بہت سے سوال اور بہت سے خیالات کا گلا گھونٹتے ہوئے وہ اسے نارمل سے انداز میں ہدایت دے رہی تھیں پھر مونا کو بھی جلدی سونے کی تلقین کرتے

UrduPhoto.com

ہوئے باہر نکل گئیں۔
وہ تو چلی گئیں مگر زرمینے کے حساس دل کو ان کا اس نئی نظر سے دیکھنا کچھ کھٹک سا گیا۔
"شاید وہم ہے میرا۔" اس نے خود کو ٹالا اور بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔
صبح حسب معمول چھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی تھی' کچھ تو رات دیر سے سونے کی وجہ سے اور کچھ ذہنی انتشار کے باعث اس وقت سر بہت بھاری ہو رہا تھا' جی میں آئی سر لپیٹ کر سو رہے مگر تیمور کا خیال ہر شے پر حاوی تھا' سو اسے اٹھنا ہی پڑا۔
واش روم سے نہا کر جب وہ باہر نکلی تو زاہدہ بھابھی ناشتے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اسے سخت اچنبھا ہوا۔
"لو شروع کرو بیٹا!" زاہدہ بھابھی نے پلیٹ میں قیمہ پراٹھا اور آملیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ جھجکتے ہوئے ان کے سامنے آبیٹھی۔ پلیٹ ان سے لے کر میز پر رکھی اور کچھ دیر اپنے ناخنوں سے کھیلتی رہی۔
"کیا ہوا ہے آنٹی! سب ٹھیک تو ہے نا؟"
"ہاں بیٹا! سب کرم ہے اللہ کا۔ کیا ہونا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ بس تم اتنے عرصے ساتھ رہی ہو نا تو اب تمہارے جانے کو سب ہی محسوس کر رہے ہیں۔"
چائے کپ میں انڈیلتی وہ خود کو خاصا مصروف ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگیں۔
اس نے گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیا۔ یقیناً وہ کچھ چھپا رہی تھیں مگر لبوں پر دھرے انکار نے اسے مزید کچھ استفسار کرنے نہیں دیا۔
اس دوران مونا کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاید نہ اٹھتی مگر آج وہ جا رہی تھی' سو اسے سی آف کرنے اٹھ گئی۔
"اوہو بھئی' خیریت تو ہے۔ آج تو زرمینے کے بڑے لاڈ اٹھائے جا رہے ہیں۔ اس قدر پروٹوکول کیوں دے رہی ہیں مما! کوئی خاص بات ہے کیا' سوائے ان موصوفہ کی روانگی کے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کیا کرو مونا! جاؤ جا کر منہ دھو کر آؤ۔" زاہدہ بھابھی نے بیٹی کو آنکھیں دکھائیں اور چونکہ وہ سمجھی نہیں تھی' اس لیے کندھے اچکا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔
چند گھنٹوں کے بعد وہ اسلام آباد کرامت کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور کا ارادہ یہاں کچھ دیر رک کر پھر آگے کا سفر جیپ سے طے کرنے کا تھا۔ اس ذہنی خلفشار میں وہ صرف کرامت سے ہی مشورہ کر سکتا تھا۔
"اور سناؤ یار! سعادت لالہ کیسے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں آج کل۔" اس کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد کرامت اس سے پوچھنے لگا۔
"ٹھیک ہیں بالکل' وہی اخروٹ کی لکڑی کے فرنیچر کا بزنس کر رہے ہیں۔ کراچی میں تو اور بھی بڑی مارکیٹ ہے' ماشاء اللہ سیٹ ہو رہے ہیں آہستہ آہستہ۔"
"اور عزمی کہاں ہوتا ہے آج کل' کچھ کر رہا ہے یا فارغ ہے؟"
"عزمی ماسٹرز کر رہا ہے' ساتھ ہی لالہ کے بزنس میں انٹرسٹ ڈویلپ ہو گیا ہے اس کا۔ بزی رہتا ہے آج کل۔" کرامت نے محسوس کیا' وہ بہت ڈسٹرب ہے جب ہی اندر سے اپنی وائف کو بلایا۔
"یہ شہلا ہیں' میری وائف اور یہ تیمور کی رشتہ دار ہیں......؟" تعارف کراتے ہوئے وہ نام جاننے کے لیے تیمور کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا' جب ہی وہ خود بولی۔
"زرمینے۔" لہجہ جھجکا اور سہما ہوا تھا۔
"ہوں۔ بڑا اچھا نام ہے۔" شہلا اس کے ساتھ ہی آبیٹھی۔ پہلی ہی نظر میں انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ ٹھیک ٹھاک گھبرائی ہوئی ہے۔ تیمور کی کہانی تو انہیں کرامت کے ذریعے پتا چل ہی چکی تھی۔ اس لیے زرمینے کو دیکھنے کا قدرے تجسس بھی تھا۔
"بلکہ تم تو خود بھی بہت پیاری ہو۔" بڑی بے ساختگی سے اس کی تعریف کی تو وہ کچھ سٹپٹا کر نظریں

UrduPhoto.com

جھکا گئی۔ شہلا نے کرامت کی طرف دیکھا تو اس نے زرمینے کو اندر لے جانے کا اشارہ کر دیا۔
"آؤ زرمینے! میں تمہیں اپنا گھر دکھاتی ہوں۔"
اشارہ پاتے ہی وہ اٹھ گئیں۔ زرمینے! سے کہا تو اس نے بے ساختہ تیمور کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا مگر وہ مکمل طور پر لاتعلق سا بیٹھا تھا۔ کرامت نے محسوس کیا تو مروت سے بولا۔
"تکلف مت کریں' یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ میری وائف بڑی سگھڑ ہیں۔ گھر کو بہت اچھے طریقے سے سجایا ہوا ہے۔ کچھ انہیں اپنی تعریفیں کرانے کا شوق ہے' اس لیے جو بھی آتا ہے اسے گھر دکھا کر ستائش و داد وصول کرنا اپنا حق سمجھتی ہیں۔ آپ بھی دیکھ لیں اور وزیٹرز بک میں اپنے تاثرات قلمبند کر دیں۔ بس یہی منشاء ہے ان کی۔"
نرم لہجے میں سادہ سی مسکراہٹ لیے وہ اس کی جھجک مٹانے کو بولا۔ جب ہی شہلا نے مصنوعی خفگی سے شوہر کو دیکھا۔
"ہاں تو آپ کیوں جیلس ہوتے ہیں۔ آپ بھی کوئی کام اچھا کر لیں تو لوگ آپ کی بھی تعریف کریں گے۔"
"بھئی' ہم نے تو ایک ہی کام اچھا کر لیا ہے' آپ سے شادی کر کے۔ کیا یہ کافی نہیں۔" جواباً کرامت نے ایک والہانہ سی نظر اپنی نصف بہتر پر ڈالی جس پر وہ شرمگیں سی مسکراہٹ سجا کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"چلو زرمینے! آؤ میرے ساتھ۔"
اور وہ جو بڑے رشک سے ان دونوں میاں بیوی کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی' کسی معمول کی طرح اٹھ کر شہلا کے پیچھے چل دی۔
"ہاں تو اب بولو' کیا بات ہے۔ اتنے ڈسٹرب اور اپ سیٹ کیوں لگ رہے ہو۔ کہاں جا رہے ہو زرمینے کو لے کر؟" ان لوگوں کے جاتے ہی کرامت ذہن میں مچلتا سوال لبوں پر لے آیا۔
"میں آغا جان کے پاس جا رہا ہوں اسے لے کر۔"

کھولتے ہوئے لہجے میں جواب موصول ہوا۔ لفظ "اسے" کو اتنی نفرت سے ادا کیا گیا کہ کرامت نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ملامتی نظروں سے دیکھا مگر ادھر اثر کہاں تھا۔
"خیریت' کیا ارادے ہیں یار!" کرامت اٹھ کر ساتھ والے صوفے پر آبیٹھا۔
"خیریت ہی تو نہیں ہے کرامت! میں نے اماں کو زرمینے کی اصلیت بتا دی ہے اور اس بات پر وہ اتنی خفا ہیں کہ میری شکل تک نہیں دیکھ رہیں۔ لالہ نے بھی الٹی میٹم دے دیا ہے کہ میں ایک ہفتے کے اندر اندر کوئی بھی حتمی فیصلہ کر لوں۔"
"کیا مطلب' فیصلہ..... کیا ان کو تمہارے نکاح....."
"ہاں میں نے لالہ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔"
"اوہ....." کرامت کو جھٹکا لگا تھا۔ حالات کتنے سنگین ہو گئے ہوں گے' اسے اندازہ تھا۔ "اور آنٹی کا کیا رسپانس ہے' انہوں نے تمہارے نکاح کی خبر کو کس طرح لیا ہے۔ آئی مین' کیا وہ....."
"انہیں نکاح کا تو پتا ہی نہیں۔ کل میں نے صرف زرمینے کے باپ کا نام انہیں بتایا تھا' بس جب سے وہ کمرے میں بند ہیں۔ ہوا یہ کہ....." دھیرے دھیرے اسے تمام تفصیل کہہ سنائی۔ کرامت لب بھینچے سن رہا تھا۔ وہ چپ ہوا تو تردد سے اس کی طرف دیکھا۔
"تو.....؟ اب کیا سوچا ہے تم نے۔ کیا کرو گے تم۔"
"بس ایک اسی سوال کا تو جواب نہیں ہے میرے پاس کرامت! سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ کوئی ایک فیصلہ بھی ایسا نہیں جو مجھ سے منسلک تمام ہستیوں کو دکھ سے بچا سکے۔" وہ جیسے سوچ سوچ کر تھک گیا۔
"باقی سب کو چھوڑو' صرف اپنی بات کرو تیمور! پہلے خود کو ٹٹولو کہ آخر تم اور تمہارا دل کیا چاہتا ہے؟"
"میں اور میرا دل....." اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر گہری سانس لی۔
"ہاں تم اور تمہارا دل۔ کیونکہ تم جیسے جذباتی لوگ دل سے ہی تو سوچتے ہو' دماغ کو زحمت دینے کی بھی

کوشش کرتے تو شاید حالات آج اس نہج پر نہ پہنچتے۔" یہ کرامت کی ہی جرات تھی' جو اس سے اتنی بڑی بات وہ اس قدر آسانی سے کہہ گیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے' یہ سب میں نے قصداً" کیا ہے؟" وہ جھنجلا کر بولا۔ "اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟"

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو بھی ایسا احمقانہ کام کبھی نہ کرتا' نہ ہی حالات کو اس رخ پر لاتا کہ مجھے یہ سب بھگتنا پڑے۔ میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں تیمور! تم ہمیشہ سے جذباتی رہے ہو۔ پری چہرہ کی محبت میں تم شدت پسند تو تھے ہی اس کی نفرت میں انتہا پسند بھی ہو جاؤ گے اس کا یقین نہیں تھا۔" کرامت قطعی صاف گوئی سے بولا۔

"دیکھو میں تمہارا دوست ہوں اور ایک اچھا اور مخلص دوست وہ ہوتا ہے جو انسان کی خامیاں اسے بتائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکے۔ تم خود انصاف کی نظر سے ایک بار اپنا محاسبہ تو کرو' خود ہی سمجھ جاؤ گے کہ غلطی کہاں سے شروع ہوئی۔"

"جب تم نے اتنا کچھ کہہ دیا ہے تو کیا غلطی ہوئی ہے مجھ سے' وہ بھی بتا دو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خیر ایک غلطی تم سے جب ہوئی جب پری چہرہ نے تمہیں چھوڑا اور تم نے اس کے نام کا جوگ لیا۔ آخر تم نے ہمیشہ اپنی محبت ہی کو کیوں اہمیت دی' ہمیشہ اپنے دل اور دکھ کے متعلق ہی کیوں سوچا؟ کبھی یہ خیال بھی آیا تمہارے دل میں کہ پری چہرہ کس سے محبت کرتی ہے' وہ کسے چاہتی ہے؟ نہیں' کبھی نہیں سوچا تم نے۔ کیونکہ تم ایک خود پرست مرد ہو' اپنی ذات سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تم۔" لمحہ بھر کے لیے اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا کر پھر سر جھٹک کر بولا۔

"تمہاری بے وقوفی یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ تم پری چہرہ کی محبت کا داغ دل میں سجائے بن باس لے بیٹھے' اپنے گھر والوں کو جدائی کا دکھ دیا اور جب واپس آئے تو بھی اپنی بنجر زندگی کو ان کے دلوں کا ناسور بنائے ہوئے ہو۔ پری چہرہ کی بے وفائی کا انتقام آخر تم کب تک دوسروں سے لو گے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ تم جیسا ایجوکیٹڈ شخص اتنا تنگ نظر' تنگ دل اور قدامت پرست ہے۔"

کرامت نجانے کب سے بھرا بیٹھا تھا' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کہنے کا وہ ہمیشہ سے سوچا کرتا تھا مگر تیمور برا نہ مان جائے' یہ سوچ کر چپ رہتا' مگر آج ایک بے قصور کی زندگی کا معاملہ تھا۔

"یہ سب تم اس لیے کہہ رہے ہو کرامت کہ تم اس کرب سے گزرے نہیں جس سے میں گزرا ہوں' پری چہرہ اور....."

"فار گاڈ سیک تیمور! اب دفن کر دو اس قصے کو۔ پری چہرہ اب مر چکی ہے۔ شی از ڈیڈ اور اس عورت سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں جو شیر باز کی منکوحہ اور اس کی محبوبہ تھی۔"

"اس سے پہلے وہ میری منگ تھی کرامت! میری غیرت تھی وہ۔ اس نے میری دستار قدموں میں رول دی' میرا شملہ نیچے کر دیا اور تم کہتے ہو کہ میں بھول جاؤں۔" وہ چیخ کر بولا جس پر کرامت نے اسے ملامتی نظروں سے گھورا۔

"اور وہ جو تمہاری منکوحہ ہے' کیا وہ تمہاری عزت نہیں' کیا وہ تمہاری غیرت نہیں' حالانکہ اس نے تمہاری عزت رکھی' تمہارے گھر والوں کے سامنے تمہارا بھرم رکھا۔ آخر یہ سب تمہیں نظر کیوں نہیں آتا۔ زرمینے کو ہرٹ کرتے ہوئے تمہیں افسوس کیوں نہیں ہوتا۔ تم تو پری چہرہ سے بھی گئے گزرے ہو کہ اس نے تو محض منگنی توڑی تھی' جس کی نہ کوئی قانونی حیثیت ہے' نہ مذہبی۔ جبکہ تم تو ایک ایسی دینی دستاویز سے منکر ہو رہے ہو جسے دنیا کا ہر مذہب اور ہر قانون مانتا ہے۔"

اس کے تھمتے ہی تیرہ سال پرانے قصے پر کرامت کو ٹھیک ٹھاک تاؤ آ گیا۔

اس نے بات ہی ایسی کہی تھی کہ تیمور لاجواب

ہو گیا۔ سو یکدم اٹھ کر باہر جانے لگا۔ کرامت نے برق کی سی تیزی سے اٹھ کر اسے روکا۔

"ناراض ہو گئے حالانکہ تم تو کہتے ہو کہ تم سقراط ہو' سچ کا زہر پی سکتے ہو۔" ہلکی سی مسکراہٹ لیے کرامت نے اسے چھیڑا۔

"تمہارے پاس میں اپنی خامیوں کا قصہ سننے نہیں آیا تھا کرامت! آج کل میرا ذہن اتنا منتشر ہے کہ میں بتا نہیں سکتا' بمشکل خود کو کمپوز کر کے تم تک آیا ہوں کہ شاید تم کچھ مدد کر سکو۔ کوئی ایسا مشورہ دے سکو جو مجھے اس دلدل سے باہر نکالنے میں معاون ہو' مگر تمہیں تو ناصح بننے کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ جو ہو گیا اس پر بہو نہیں چاہیے مجھے پلیز....." کرامت کے معذرتی لہجے پر اس نے خود کو ٹھنڈا کیا تو کرامت نے اسے دونوں کندھے تھام کر بٹھا دیا۔

"سوری یار! میں تھوڑا جذباتی ہو گیا تھا' سچ کہوں' تمہارے ساتھ زرمینے کو دیکھ کر لمحے بھر کے لیے میں بہت خوش ہو گیا تھا۔ کچھ اور سمجھا تھا میں کہ تم شاید اسلام آباد گھومنے پھرنے آئے ہو۔ ایسے میں بالکل برعکس حالات کا سن کر تھوڑا غصہ آ گیا۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری فار دیٹ۔"

☼ ☼ ☼

"خاصا بورنگ دن رہا آج۔ تمہارا ٹائم کیسے گزرا عزی!" رات کو وہ عزمی کے ساتھ واک کر رہی تھی' جب پورے دن کی چھائی ہوئی بوریت کا سوچ کر اس سے پوچھا۔

"ہوں' کچھ ایسا خاص نہیں۔ یونیورسٹی میں تو بہت کام تھا' بہت بزی رہا۔ ہاں البتہ آج آفس میں پاپا کے ساتھ بالکل مزہ نہیں آیا۔ وہ کافی اپ سیٹ لگ رہے تھے۔ صبح چاچو کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کیا تم نے کچھ محسوس کیا' گھر میں ٹینشن سی ہے نا؟"

"پتا نہیں' کل رات تک تو سب ٹھیک تھا۔ ہاں البتہ آج صبح سے اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' شاید اس لیے چاچو اور پاپا پریشان ہیں۔ ماما بھی کچھ گم صم سی ہیں۔"

"نہیں' صرف یہی بات نہیں ہے۔ کچھ اور بھی ہے پس پردہ۔" عزمی کا انداز سوچتا ہوا سا تھا۔ مونا نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مثلاً"؟"

"میں وثوق سے تو کچھ کہہ نہیں سکتا لگتا ہے بات کچھ سیریس ہے۔" اس کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ مونا نے محسوس کیا جیسے وہ بہت کچھ جانتا تو ہے مگر کہنا نہیں چاہتا۔

"مثلاً" کیا بات سیریس ہے' کس کی بات کر رہے ہو تم؟" الجھ کر سوال کیا تھا اس نے۔

"کیا تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ تمہارے ساتھ تو رہتی ہے زرمینے پھر بھی کبھی تم نے محسوس نہیں کیا کچھ۔ حیرت ہے تم پر مونا۔" عزمی نے بغور اسے دیکھا۔

"زری.....؟ زری کا کیا تعلق ہے گھر کے ماحول سے یا پاپا اور چاچو کی ٹینشن سے اور بھلا میں کیا محسوس کرنے لگی۔ پلیز عزمی! تم ذرا کھل کر تو بات کرو۔" مونا کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

"کھل کر کیا کہوں' بس مجھے ایسا لگتا ہے کہ جو بات بھی ہے زرمینے کی ہے کیونکہ جس طرح صبح وہ ڈری ڈری سی تھی اور چاچو خفا خفا سے موڈ میں تھے۔ اس سے تو یہی لگتا ہے کہ ان کا ہی کوئی مسئلہ ہے۔"

"اچھا۔" مونا کچھ بے یقین سی تھی۔ "لیکن ان سب باتوں سے ماما اور پاپا کی ٹینشن کا کیا تعلق؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔"

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔" عزمی نے گویا سر پیٹا۔

"پلیز عزمی! آخر یہ کون سی مسٹری ہے۔ تم نے تو میرے لیے سسپنس کری ایٹ کر دیا ہے۔ اب تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔" مونا یکدم بے تابی سے بولنے لگی۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ارے بابا بس کچھ محسوس کیا ہے جو تم سے کہہ

UrduPhoto.com

دیا اور رہ گئی اماں کی بات تو اماں کا بھی اس معاملے میں بڑا گہرا رول ہے۔"

"کیا مطلب۔ اماں کا گہرا رول....؟" وہ متعجب ہوئی۔

"ہوں! کیا تم نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ زرمینے کی ہمارے گھر میں انٹری خاصے ڈرامائی انداز میں ہوئی۔ خاص طور سے چاچو کا رویہ کیسا رہا اس کے ساتھ۔ کیا تم نے کبھی نوٹ نہیں کیا۔ حالانکہ زرمینے کو لانے والے وہ خود تھے مگر ان کا رویہ ہمیشہ ایسا رہا جیسے زرمینے کو زبردستی کسی نے ان سے باندھ کر یہاں بھیج دیا۔"

عزمی کے انداز میں خاصی حیرت تھی۔ مونا کا اس طرح متعجب ہونا اس کے لیے کسی حد تک حیرانی لیے ہوئے تھا۔

"ہوں۔ ایسا تو خیر ہم سب ہی محسوس کرتے تھے' مگر چاچو سے کچھ کہنے یا پوچھنے کی کبھی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ یوں بھی ان کا مزاج ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے۔ وہ اور لوگوں سے بھی کہاں ملتے جلتے ہیں۔ اتنے کم تو ان کے فرینڈز ہیں۔ بس یہ کرامت بھائی ہی سے بنتی ہے ان کی۔ شاید اس دوستی کے سبب چاچو کو انہوں نے زبردستی کنونس کیا ہو زری کو یہاں لانے پر....." مونا کا انداز کچھ کچھ سوچتا ہوا تھا۔ تاہم ابھی بھی وہ تیمور کی طرفداری ہی کر رہی تھی۔

"مگر میرے اندازے کے مطابق زری کا کرامت بھائی سے کوئی تعلق کوئی رشتے داری نہیں۔" عزمی نے جیسے یکدم دھماکہ سا کر دیا تھا۔ مونا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ زری' کرامت بھائی کی کزن ہے؟"

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہی ہو ڈیئر سسٹر! کہ تم نے زری کے موبائل کا بل نہیں دیکھا۔ زری اپنے جن نانا کو فون کرتی ہے وہ تاران میں رہتے ہیں اور کرامت بھائی کا بیرونِ شہر میں کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"

مونا کے لیے یہ مزید حیران کن اطلاع تھی وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اوہ... تو پھر زری کون ہے؟"

"ہاں یہ ہی تو اصل سوال ہے' اصل گتھی ہے جو مجھ سے اب تک نہیں سلجھی۔" عزمی اب چہل قدمی چھوڑ کر لان کی چیئرز پر جا بیٹھا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ کون ہو سکتی ہے زرمینے؟ اور کیا تعلق ہو سکتا ہے اس کا؟" مونا بھی کچھ گھبراہٹ لیے اس کے پاس ہی آ بیٹھی تھی آواز جیسے سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔

"جو فون نمبر اس کے موبائل کے بل میں لکھا ہوا ہے وہ آغا جان کا نمبر ہے اور یہی وہ تعلق ہے جس کی بنا پر چاچو نے اماں سے غلط بیانی کی اور ہم سب سے بھی۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آغا جان کی کیا رشتے داری ہے زرمینے سے اور آخر چاچو کو کیا پرخاش ہے اس سے۔" بالآخر عزمی نے اسے سب کچھ دھیرے دھیرے بتا ہی ڈالا۔

مونا کے لیے اس کا ہر لفظ حیرت انگیز تھا۔

"اف عزمی! تم کو یہ سب کیسے پتا چلا۔ ہم نے تو کبھی محسوس بھی نہیں کیا یہ سب۔"

"بس ذرا آنکھیں کھلی رکھنے کی عادت جو ہے اس لیے۔" عزمی سنجیدگی سے بولا۔

"اور شاید زرمینے کا ہی راز کھل گیا ہے کل۔ جبھی اماں ناراض ہیں اور باقی سب بھی اپ سیٹ ہیں۔" وہ خود نتیجے تک جا پہنچا تھا۔

"مگر یہ راز کھل کیسے سکتا تھا جب تک کہ چاچو نہ بتاتے اور وہ بھلا کیوں بتانے لگے اماں کو یہ سب؟" مونا نے نکتہ اٹھایا۔

"ہوں... یہ تو ہے..."

"شاید یہ سب نشاء کی وجہ سے ہوا ہے۔" کچھ سوچتے ہوئے مونا نے ہی قیاس کیا۔

"کیا مطلب۔ نشاء کی وجہ سے کیوں۔"

"کل نشاء کا فون آیا تھا اس کے اِن لاز میں سے کسی نے زری کو پسند کیا ہے اس کے بارے میں بات کی تھی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اس نے مما سے۔ شاید اسی بارے میں اماں نے بات کی ہو چاچو سے اور مجبوراً ان کو سچ بتانا پڑا ہو۔" عزمی نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ پھر سر جھٹک کر بولا۔ "بہرحال یہ پنڈورا باکس تو ایک دن کھلنا ہی تھا تو اچھا ہوا کہ جلد کھل گیا۔"

"سو تو ہے۔ ورنہ شاید بعد میں اور بھی مشکلات پیدا ہو جائیں۔" مونا نے پر سوچ انداز میں کہا۔

درحقیقت جب سے اس نے عزمی کے حوالے سے زرمینے کو دیکھنا شروع کیا تھا' بہت سے ارمان آپ ہی آپ دل میں براجمان ہو گئے تھے اور وہ جانتی تھی کہ عزمی کبھی بھی اس بارے میں دل کی بات زبان پر نہیں لائے گا' تاہم اس کے دل میں جو کچھ زری کے لیے تھا وہ اس کا اندازہ ضرور کر سکتی تھی جب ہی اس وقت اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا عزمی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔" لہجے میں اعتماد تھا۔

"کیا مطلب....؟" عزمی کچھ متحیر سا رہ گیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے دل کی بات نہیں سمجھتی۔" اس کے اس طرح انجان بننے پر وہ ذرا خفگی ظاہر کرتے ہوئے بولی تو عزمی یکدم ہنس پڑا۔

"اچھا۔ اور میرے دل کی وہ کون سی بات ہے جس کا تمہیں علم ہے اور مجھے نہیں۔" اس کا سر پکڑ کر ہلاتے ہوئے وہ بڑی دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"افوہ عزمی! اب زیادہ بنو مت۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں' زری میں تمہارے انٹرسٹ کی بات کر رہی ہوں۔"

"واٹ...!" وہ جیسے چونکا پھر یکدم قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "او مائی سویٹ لٹل سسٹر۔ یہ جو انسان کی آنکھیں ہوتی ہیں نا وہ صرف دیکھنے کی طاقت رکھتی ہیں سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دماغ بھی عطا کیا ہے۔ ضروری نہیں کہ جو تمہیں نظر آ رہا ہے ویسا ہو بھی۔ کچھ حقائق پس پردہ بھی ہوتے ہیں۔" کہتے کہتے وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

وہ اسے گھور رہی تھی جب ہی وہ متبسم سا ہو کر بولا۔

"زری بہت اچھی ہے مونا! مگر میری ٹائپ کی نہیں۔ ساری زندگی بچوں کی طرح انگلی پکڑ کر چلانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ مجھے تو ایسا پارٹنر چاہیے جو قدم سے قدم ملا کر چل سکے' سمجھیں۔"

"تو پھر تمہاری وہ سب ہمدردیاں' اس کے لیے اتنا کنسرن اور کیئرنگ ہونا۔ وہ سب کیا تھا کیا تم فلرٹ کر رہے تھے اس سے۔" اسے کسی بھی طرح عزمی کی یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"دیکھو ڈیئر! میں ٹھہرا ابن آدم اور ابن آدم کو بنت حوا سے ہمدردی تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ کچھ یہ بھی تھا کہ وہ اتنی ڈری سہمی رہتی تھی کہ میں نے اسے اپنائیت دے کر پر اعتماد بنانے کی کوشش کی۔ کچھ غلط تو نہیں کیا میں نے....؟ اب اس سارے پراسس میں اگر تمہیں یہ غلط فہمی ہو گئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"میری فکر تو تم چھوڑو۔ ذرا یہ سوچو کہ اگر زری کو بھی ایسی غلط فہمی ہو گئی تو کیا کرو گے؟" وہ دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

عزمی نے ٹھٹھک کر اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا کچھ محسوس کیا تھا یا خود تم نے ہی اسے ایسا کوئی عندیہ دے دیا ہے....؟" اب اس کے تیور قدرے کڑے ہو گئے۔ مونا کیا کہتی منہ بنا کر چپ سی ہو گئی۔

سچ تو یہ تھا کہ عزمی کے بارے میں غلط فہمی ہونے کے باعث وہ اکثر ہی زری سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی تھی اور ایسے میں زری کے چہرے پر اس قدر بدحواسیاں چھا جاتی تھیں کہ وہ کچھ بھی اخذ نہ کر پاتی۔

"اف۔ ایک تو تم لڑکیاں.... اس قدر جلد باز ہوتی ہو کہ بس۔ خود دیکھا خود سوچا اور بنا پرکھے مفروضہ گڑھ لیا۔ اونہہ۔ اب خود ہی سنبھالنا اس سارے معاملے کو سمجھیں۔" وہ چڑ کر کہتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

اور مونا وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ آج اتنی ساری حقیقتیں ایک ساتھ پتا چلی تھیں کہ وہ سوچتی چلی جا رہی

تھی۔ آخر میں اسے نشاء کا خیال آیا تو اسے سب بتانے کو بے تاب سی ہو کر وہ بھی اندر چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

"مسئلہ یہ ہے تیمور! کہ تم اور تم سے وابستہ سب لوگوں کی خواہشیں اور خوشیاں ایک نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نہ کسی کو تو مایوس ہونا ہی ہے۔ ایک طرف آغاجان ہیں جو زر مینے سے محبت کرتے ہیں اور اسے تمہارے ساتھ بسا نا چاہتے ہیں اور کسی حد تک انہوں نے ایسا کر بھی دیا ہے۔ مگر دوسری طرف تم اور آنٹی ہو جو زر سے شدید نفرت کرتے ہو۔ تم لوگ اسے اپنے دل میں تو کیا گھر میں بھی جگہ دینے کو تیار نہیں۔"

وہ بستر پر آڑا ترچھا لیٹا چھت کو گھور رہا تھا جب کرامت اس خبر کے ساتھ اندر آیا کہ زر مینے، شہلا کے پاس سو چکی ہے۔ رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا اس نے، کرامت اس کے لیے دوبارہ سے ٹرے سجا کر لایا تھا۔ پاس بیٹھا تو اس کے چہرے پر بکھری سنجیدگی اور پریشانی پڑھ کر کہنے لگا۔

"لہٰذا آغاجان کو صاف صاف تو بتانا ہی پڑے گا نا۔ اگر مسئلہ محض آنٹی کا ہوتا تو میں تمہیں ہی مشورہ دیتا کہ زر مینے کو لے کر الگ ہو جاؤ آنٹی کبھی نہ کبھی تو راضی ہو ہی جائیں گی، مگر سب سے بنیادی پرابلم تمہارا ہے کہ تم خود اسے بسانا نہیں چاہتے۔ اب رہ گیا اسے آزاد کرنے کا معاملہ تو تم اس سے بھی گریزاں ہو۔ ورنہ کوئی اور اچھا سا شخص ڈھونڈ کر اس کو بیاہ دیتے اور اس سلسلے میں، میں تمہارا بھرپور ساتھ دیتا۔ لہٰذا اب تو ایک ہی طریقہ رہ جاتا کہ وہ لڑکی خود ہی خودکشی کر کے تمہاری مشکل آسان کر دے۔ سچ بڑا سکون ہو جائے گا تمہاری زندگی میں۔ آغاجان سے کہہ دینا ہم یہاں ہنی مون کے لیے آئے تھے حادثہ ہو گیا جبکہ گھر والوں کو یہ بتا دینا کہ اسے اس کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آئے ہو۔ خس کم جہاں پاک۔"

سنجیدگی سے کہتے کہتے کرامت یک دم ہی طنز پر اتر آیا۔

تیمور نے اسے سلگتی نظروں سے گھورا۔ درحقیقت تو اس وقت کرامت کی بات پر وہ اندر ہی اندر یک دم سہم سا گیا تھا۔ خیال آیا کہیں واقعتاً زر مینے ایسا نہ کر گزرے۔

"سچ کہہ رہا ہوں تیمور! مجھے تو حیرت ہوتی ہے اس لڑکی پر کس طرح زندہ ہے وہ۔ ایک کورٹ سے دوسرے کورٹ میں کس قدر سنگدلی سے پھینکا جا رہا ہے اسے اور وہ مہر بہ لب ہے۔ کبھی چہرہ دیکھا ہے اس کا۔ یوں سفید رہتا ہے جیسے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ تمہیں ترس نہیں آتا اس پر؟"

آخر میں رک کر بڑی عاجزی سے پوچھا تو اس نے نظر چرا لی اور یکدم سوال کر ڈالا۔

"کھانا کھا لیا تھا اس نے۔" پتا نہیں کیا سوچ کر پوچھا تھا کرامت نے طنزیہ نظروں سے گھورا۔

"بے فکر رہو۔ تمہارے شکار کو اتنی آسانی سے مرنے نہیں دینے والا میں۔ جب تک اپنے ترکش کا آخری تیر نہ گھونپ دو اسے۔ میں تمہارا ساتھ دیتا رہوں گا۔"

تیمور کے چہرے پر شرمندگی اور بے بسی کا سایہ سا آ کر گزر گیا۔

"تم اسے آزاد کر دو تیمور۔" کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی۔

"کرامت تم۔۔۔"

"پلیز میری بات تو سن لو پوری۔ تم اسے طلاق دے دو۔ جس طرح خاموشی سے نکاح ہوا تھا اسی طرح خاموشی سے آزاد کر دو اسے۔ پھر کسی اچھے سے لڑکے سے رشتہ طے کرنے کے بعد ہم دونوں خود آغاجان کے پاس جا کر انہیں صورتحال بتا دیں گے۔ وہ زر مینے کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں یقیناً خوش بھی ہوں گے کہ تمہارے ساتھ نہ سہی کسی اور کے ساتھ وہ سکھی تو ہے اور خود تم بھی احساسِ جرم کا شکار ہوئے بغیر سکون سے زندگی گزار سکو گے۔" کرامت نے اسے قائل کرنے کے لیے قدرے عاجزی سے کہا۔

وہ کیا کہتا، کتنی ہی دیر بستر سے اٹھ کر ٹہلتا رہا۔ کرامت نے اسے بغور دیکھا، جس کی سبز مائل بھوری آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں کھانا پڑا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

"اتنا کیا سوچ رہے ہو تیمور! تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے یار! تم آنٹی اور آغاجان دونوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہو نا تو اس صورت میں یہی طریقہ قابلِ عمل ہے میرے بھائی۔ رہ گئی بات زر مینے کی، جس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت کی شمعیں جلتی دیکھی ہیں میں نے، وہ شاید تمہاری تاریک زندگی میں اجالا نہیں کر سکتیں۔ پتا نہیں یہ تمہاری بدقسمتی ہے یا اس کی۔"

اسے گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر، کرامت خاموشی سے کمرہ چھوڑ گیا۔

"سچ کہتا ہے کرامت۔ نجانے میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔"

دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پھیلا کر دیکھتے ہوئے اس نے ایک فیصلہ کر ہی ڈالا اور فیصلہ تو آخر کار اسے کرنا ہی تھا نا۔

☼ ☼ ☼

"اسی لیے سخت خلاف تھی میں تیمور کے آغاجان سے ملنے پر۔ دیکھ لیا نتیجہ، آخر کو انہوں نے پھر گلے ڈال دی نا مصیبت تیمور کے۔" اماں کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"اماں پلیز۔۔۔! تیمور نے بتایا تو ہے کہ کیا مسائل تھے زر مینے کے۔ ایسے میں آغاجان نے اس پر بھروسہ کیا۔ درحقیقت ان کا یہ اعتماد ایک طرح کا اعزاز ہے ہمارے لیے۔" سعادت لالہ نے قدرے دھیمے لہجے میں انہیں سمجھانا چاہا۔

"خاک اعزاز ہے۔ ارے ایسا ہی ایک اعزاز انہوں نے پری چہرہ کی شکل میں بھی بخشا تھا سالوں پہلے۔ سر میں خاک ڈلوا دی تھی اس اعزاز نے۔ آج پھر اسی پری چہرہ کی سوتیلی بیٹی پکڑا دی انہوں نے۔ ارے میں کہتی ہوں سارے جہاں میں انہیں ایک تیمور ہی نظر آیا تھا۔" اماں ذرا متاثر نہ ہوئی تھیں۔ سعادت لالہ شرمندہ سے ہو گئے۔

"مگر اس میں سارا قصور آغاجان کا تو نہیں اماں، آخر زر مینے کو یہاں لانے کا فیصلہ تو خود تیمور نے ہی کیا تھا۔"

"ہاں بیٹا! وہ تو ہے۔ ایک تو اس تیمور کے دل میں بھی نجانے کتنے خانے ہیں۔ پرت در پرت شخصیت ہے اس کی۔ خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں تو وہ پری چہرہ سے اس قدر نفرت کرتا تھا کہ اس کا نام سننا گوارا نہ تھا اور کہاں اس کی بیٹی کو اٹھا لایا۔"

"خیر وہ پری چہرہ کی بیٹی تو نہیں ہے۔ وہ شیر باز خان کی بیٹی تھی اماں! اور کم از کم پری چہرہ سے تو ہزار درجے بہتر لڑکی ہے۔ اتنی اچھی نہ ہوتی تو آپ اسے اپنی بہو بنانے کا کیسے سوچتیں۔" انہوں نے اماں کی بات کاٹ کر قصداً "یہ بات چھیڑی۔

"بہو" بنانے کا ذکر ان کے چہرے پر سوچ کے سائے بکھرا گیا۔

"ہاں۔ میری قسمت میں شاید تیمور کی دلہن دیکھنا لکھا ہی نہیں ہے۔" کچھ دیر نجانے کیا سوچتے رہنے کے بعد انہوں نے بڑی گہری سانس بھر کر کہا۔

"کیوں اماں! مایوس کیوں ہوتی ہیں۔ کیا آپ محض اس لیے کہ زر مینے، شیر باز خان کی بیٹی ہے آپ نے اس کو بہو بنانے کے جو خواب دیکھے ہیں ان سے دستبردار ہو جائیں گی؟ کیا وہ اب ایک شریف، خوبصورت اور سمجھ دار لڑکی نہیں رہی آپ کی نظر میں۔۔۔؟"

سعادت لالہ انہیں ٹٹول رہے تھے۔ لہجہ سرسری سا تھا مگر آنکھوں میں کھوج تھی۔

"وہ واقعی بہترین لڑکی ہے بیٹا! مگر اب وہ بات نہیں رہی۔ شیر باز خان کا نام۔۔۔"

"پلیز اماں! کم از کم آپ تو تیمور کی طرح مت سوچیں۔ وہ تو جذباتی ہے بے وقوف ہے مگر آپ تو جہاندیدہ ہیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ تیمور کے مزاج

UrduPhoto.com

اور اس کی فطرت کے لحاظ سے زرمینے کس قدر موزوں ہے اس کے لیے۔"

قطع کلام کرتے ہوئے لالہ نے پھر سے انہیں لاجواب کردیا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا! میں مانتی ہوں کہ کروڑوں میں نہ سہی لاکھوں میں ایک ہے زرمینے! مگر آخر ہے تو وہ شیر باز خان کی اولاد نا اور یہ بات تیمور کبھی برداشت نہیں کرسکے گا کیونکہ......"

"آپ تیمور کو چھوڑیں صرف اپنی بات کریں۔ کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ لڑکی تو دشمن کی بھی عزت والی ہوتی ہے اور جو عزت والی ہے اسے اپنی عزت بنانے میں کیا عذر مانع ہے؟"

سعادت لالہ نے اماں کو جیسے لاجواب سا کردیا تھا۔ لمحے بھر کے لیے وہ چپ سی ہوگئیں۔ تاہم دل تو ان کا بھی نہیں مان رہا تھا مگر لاکھ انہوں نے چاہا کہ برسوں پرانی رنجش کو بنیاد بنا کر بیٹے سے بحث کرسکیں مگر سعادت لالہ کی مدلل باتوں نے بالآخر انہیں قائل کر ہی لیا۔ البتہ اب بھی وہ شش و پنج میں تھیں۔

"اماں! تیمور تو جذباتی ہے مگر آپ بھی یوں سوچتی ہوں گی یہ میرے کبھی گمان تک میں نہ تھا۔"

انہوں نے جیسے آخری ضرب لگائی تھی۔ اماں جیسے تڑپ ہی تو اٹھیں۔

"نہیں بیٹا! تم بالکل غلط سوچ رہے ہو، میرے تذبذب کی وجہ زر کا پس منظر نہیں ہے بیٹا! بلکہ تیمور کی نفرت ہے، جو یہ سب نہیں ہونے دے گی۔ جو ہم سب چاہتے ہیں۔"

"تیمور کی نفرت کو بھی ہم لوگوں نے ہی مضبوط کیا اماں! اگر شروع میں ہی آپ پری چہرہ کی غلطی کو نظر انداز کرتے ہوئے آغاجان سے بائیکاٹ نہ کرتیں تو تیمور کو بھی یہی سبق ملتا کہ فردِ واحد کی گناہ کی سزا پورے خاندان کو نہیں دی جاتی۔ مگر جب آپ نے بھی اس کا ساتھ دیتے ہوئے سب سے لاتعلقی اختیار کرلی، جبکہ غلطی تو صرف پری چہرہ کی تھی بلکہ غلطی بھی کیا، ہر انسان کو اپنا شریک سفر چننے کا اختیار تو ہمارا مذہب بھی دیتا ہے۔ وہ ہی اس نے بھی کیا۔ مگر اس کی اس حرکت پر آپ کے ساتھ دینے سے تیمور نے بھی اپنے اندر پلتے غم و غصے کو شدید نفرت میں تبدیل کرلیا۔ لہٰذا اب اس کو سدھارنا بھی ہمارا کام ہے اور میں یہ کام اب کرکے رہوں گا۔"

وہ یک دم فیصلہ کن لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو اماں قائل ہوکر چپ کرگئیں۔

☆ ☆ ☆

عزمی کی باتیں اس کی نیند اڑائے ہوئے تھیں اس لیے پہلی فرصت میں ماما سے تفصیل جاننے کے لیے اس نے انہیں جالیا۔

"ہاں یہ سب ٹھیک ہے بیٹا! زرمینے کا تعلق واقعی ناران سے ہے۔"

"اوہ..." وہ ایک لمحے کے لیے جیسے ساکت سی رہ گئی۔

"تو پھر آغاجان سے کیا رشتہ ہے اس کا؟"

"وہ پری چہرہ کے شوہر شیر باز خان کی بیٹی ہے اس کی اطالوی بیوی سے ہونے والی بیٹی جسے پری چہرہ نے پالا تھا۔"

یہ انکشاف تو اور بھی دہشت ناک تھا۔ دروازے سے اندر آتا عزمی بھی سن سا رہ گیا۔

"کک.... کیا چاچو جانتے تھے یہ بات؟" مونا نے سراسیمگی سے سوال کیا۔

"ہاں...." زاہدہ بیگم کا جواب ان دونوں کو خاموش کرگیا۔ اب پوچھنے کے لیے رہ ہی کیا گیا تھا۔ زاہدہ بیگم نے ان کو شروع سے آخر تک کی تمام تفصیل کہہ سنائی تو وہ متحیر سے رہ گئے۔

"تو اب چاچو اسے کہاں لے گئے ہیں؟" عزمی نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"شاید آغاجان کے پاس۔ واپس غالباً ہمیشہ کے لیے۔" انہوں نے جواباً آہستگی سے کہا۔

"کیا...." مونا جیسے چیخ ہی اٹھی۔ "مگر کیوں ماما! وہاں اس کے لیے کیا ہے۔ ٹھیک ہے اب اس کے چچا

UrduPhoto.com

پولیس کسٹڈی میں ہیں مگر پھر بھی۔ وہ یہاں پڑھائی شروع کر چکی تھی اور نشاء نے بھی تو اتنا اچھا پرپوزل بتایا تھا اس کے لیے۔"

"پتا نہیں بیٹا! پرسوں رات تمہارے پاپا اور تیمور اسٹڈی میں کافی دیر باتیں کرتے رہے تھے اور صبح تیمور اسے لے کر چلا گیا۔" وہ خود لاعلم تھیں اسے کیا جواب دیتیں۔

"چچ چچ...... بہت برا کیا چاچو نے۔ کاش ہم اسے یہاں رکھ سکتے اپنے پاس۔"

"ہوں۔ اماں تو زرمینے کو تیمور سے منسوب کرنے کا سوچ رہی تھیں۔ مگر اب یہ سب بات کھلنے کے بعد تو کچھ بھی ممکن نہیں۔"

زاہدہ بیگم پُرسوچ انداز میں گویا ہوئیں۔ عزمی خاموشی سے دونوں ماں بیٹی کی باتیں سن رہا تھا۔ اماں کی خواہش سن کر اسے خاصا اچنبھا ہوا۔ مونا نے بھی حیرانی سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"مگر ماما! زرمینے تو چاچو سے کافی ینگ ہے۔" مونا نے بے چینی سے بھائی کی طرف دیکھا۔ عزمی اس کی نظریں خود پر مرتکز محسوس کر کے جھنجلا سا گیا۔

"تو کیا ہوا۔ یوں بھی تمہارے چاچو جیسے بندے کے لیے زرمینے بہت اچھی رہے گی۔ ورنہ ان کے مزاج کے اپس اینڈ ڈاؤنز کو برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔"

عزمی نے اپنی جھنجلاہٹ چھپا کر سنجیدگی سے کہا تو مونا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ جبکہ زاہدہ بیگم کا ذہن کسی اور بات میں الجھا ہوا تھا۔ شام کو نشاء آ رہی تھی کامران کے ساتھ اسے بھی جواب دینا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ سعادت خود سمجھا لیں گے داماد اور بیٹی کو۔ میں ان سے ہی کہہ دیتی ہوں یہ سب۔ کم از کم میرے ذہن سے تو بوجھ ہٹے گا۔" وہ بالآخر فیصلہ کر کے اٹھ گئیں۔

☆☆☆

کرامت نے جیپ کا انتظام کر دیا تھا، دوسری صبح وہ زرمینے کو لے کر سفر پر گامزن ہوا تو ذہن بری طرح منتشر تھا۔ ابھی تک اس نے یہ طے نہیں کیا تھا کہ آغا جان سے کیا کہے گا۔

طویل تھکا دینے والے اس سفر میں آج دوسری بار وہ ساتھ تھی اور پہلے سے بھی زیادہ خاموش۔ اس پر تو جیسے کسی سنگی بُت کا گمان ہو رہا تھا۔ حالانکہ اتنے عرصے بعد آغا جان سے ملنے کی خوشی نے تو اسے دیوانہ کر ڈالا ہوتا، اگر جو تیمور علی جاہ کی نفرت اور اس کے عزائم اس سے پوشیدہ ہوتے راستے میں کئی بار رک کر تیمور نے جیپ کو ٹھنڈا کیا، کچھ کھانے پینے کے لیے بھی لیا مگر وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی۔ تیمور نے بلا ارادہ اسے دیکھا قہوہ سے زیادہ وہ اپنے آنسو پی رہی تھی۔

سرما کی زرد زرد کمزور دھوپ اس کے سنہرے چہرے کو اور بھی حزن آمیز بنا رہی تھی۔ آج پھر کئی دن بعد تیمور کو خود سے نظر چرانا پڑی۔ کبھی کبھی اپنا ناروا سلوک اسے خود پشیمان کر دیتا تھا۔

"چلیں....." ساری سوچیں جھٹک کر وہ جیپ کے پاس چلا آیا تھا۔ بے ساختہ ہی کہہ اٹھا تو زرمینے نے بے حد چونک کر اسے دیکھا۔

کچھ تھا اس کی نگاہوں میں کہ تیمور تاب نہ لا سکا۔

کچھ دیر بعد ان کی جیپ بالاکوٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سڑک کے ساتھ ساتھ دریائے کنہار اپنی پوری آب و تاب سے بہہ رہا تھا۔ دریائے کنہار کے آس پاس سبزے کی فراوانی تھی، اور موسمی پھل درختوں سے جھول رہے تھے جبکہ دائیں بائیں پہاڑ سبزے سے مکمل طور پر ڈھکے ہوئے تھے اور ان پہاڑوں سے اُبلتے چشمے حد نگاہ سفید چادر سی تانے ہوئے تھے۔

سڑک سے گزرتے ہوئے مسجد سید احمد شہید صاف نظر آ رہی تھی۔ ہوا میں اچھی خاصی نمی اور خنکی تھی۔ زرمینے گرے سوٹ پر بلیک کارڈیگن پہنے اور گرے اونی شال اوڑھے بیٹھی تھی۔

پتا نہیں اس کے دل میں کیا سمائی اس نے جیپ کا رخ ہوٹل کی جانب کر لیا تھا۔ سبزے اور پیڑ کے

درختوں میں گھری سفید ہوٹل کی عمارت صاف ستھری لگ رہی تھی۔ زرمینے نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"بارش ہونے والی ہے ایسے میں سفر ٹھیک نہیں رہے گا۔" اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ بولا۔

زرمینے نے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا سرمئی بادل گھرے ہوئے تھے اور پھر واقعی تیمور کا کہنا ٹھیک ہی رہا۔ استقبالیہ تک پہنچتے پہنچتے بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

"اوہ اب کیا ہوگا۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "اب ناران کیسے پہنچیں گے ہم۔" یخ ٹھنڈے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے اس نے بے حد پریشانی سے کہا۔

"پہنچ جائیں گے۔" تیمور کے لہجے اور انداز میں بے پروائی تھی۔

"پتا نہیں اب کیا ٹھان لی ہے انہوں نے۔ ایک تو ان کا مزاج بھی عجیب ہے کسی بھی بات کا پتا نہیں چلتا۔" اس کی طرف تفکر سے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

"چلو اندر چلو یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔" وہ کہتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گیا تو اسے بھی آنا پڑا۔ ریسپشن کے کاؤنٹر کے سامنے بڑے سے ہال میں صوفے لگے ہوئے تھے۔

"وہاں بیٹھو، میں آتا ہوں....." سامنے صوفوں کی طرف اشارہ کر کے وہ آگے بڑھ گیا تو وہ اس طرف چلی گئی۔ جہاں پہلے سے بھی کچھ لوگ مشروبات پیتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"اُف یہ تم ہو نا زرمینے؟" اچانک ہی کسی کی پُرجوش آواز کانوں سے ٹکرائی تو اس نے تیزی سے گردن گھمائی تو سامنے ہی نادیہ کھڑی تھی۔

"نادیہ تم....." وہ ایسے تڑپ کر ملی جیسے اپنی پچھلی زندگی کی خوشیوں سے مل رہی ہو۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہو نادیہ۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا کہ یہ تم ہو۔ کتنا بدل گئی ہو تم۔ بہت کمزور لگ رہی ہو۔ لگتا ہے جیسے برسوں سے کھانے کو نہ ملا ہو تمہیں۔" نادیہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"نہیں۔ نہیں۔ ایسی بات نہیں بس۔ آج کل فلو چل رہا ہے اس لیے۔" اس نے نظر چرائیں۔

"میں مانتی ہوں یار! آنٹی انکل کی ٹریجڈی بہت بڑی تھی مگر تمہیں ہمت سے کام لینا تھا نا۔ کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا۔ تین سال سے خط تک نہیں لکھا مجھے۔ حالانکہ کتنا اچھا وقت گزارا تھا ہم نے لاہور میں، سب بھول گئیں تم....." نادیہ اسے ساتھ لے کر وہیں بیٹھ گئی۔

"نہیں میں کچھ نہیں بھولی۔ بس ناران میں ہی سب کے ایڈریس رہ گئے۔"

"تو آج کل کہاں ہو تم؟"

"کراچی میں....."

"اوہو۔ تو یہ مزے ہیں۔ ویسے بائی داوے تم آئی کس کے ساتھ ہو یہاں۔" نادیہ نے قدرے شوخ انداز میں دریافت کیا تو اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ سامنے سے ہی تیمور آتا دکھائی دیا۔

"ان کے ساتھ۔" اس کے قریب آنے پر اسے آہستگی سے کہا۔

"آہم..... یہ حضرت کون ہیں۔ یہ کس کے ساتھ گھومتی پھر رہی ہو تم؟" نادیہ نے گو کہ شوخی سے دریافت کیا تھا مگر وہ اپنی حرمت کے بارے میں بڑی حساس تھی بے اختیار بولی۔

"یہ تیمور ہیں۔ ان سے میرا نکاح ہوا ہے۔"

"کیا.....؟" وہ بری طرح چلائی۔ تیمور نے ایک نظر الجھے ہوئے انداز میں دونوں کو دیکھا۔ "بے مروّت لڑکی! تم نے شادی بھی کر لی اور مجھے خبر تک نہ کی۔"

نادیہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دو کرارے ہاتھ اسے رسید کیے۔ وہ گڑبڑا سی گئی۔ تیمور کے سامنے اس قسم کی گفتگو پسینے کے قطرے اس کے ماتھے پر چمکنے لگے۔

"صرف نکاح ہوا تھا نادیہ! اور اب تو بہت جلد....."

"بہت جلد رخصتی ہے۔ ہے نا۔ یہی اطلاع دینی

تھی نا تم نے۔ دیکھ لیجیے تیمور بھائی! آپ کی منکوحہ کس قدر بے مروت ہے۔ سالوں کی دوستی تھی ہماری۔ روم میٹ تھے ہم ایک دوسرے کے۔ پھر یہ چلی گئی اور ساتھ ہی سارے تعلق بھی ختم کر لیے۔ اب دیکھیے نا آپ لوگوں کے نکاح کی خبر بھی مجھے آج مل رہی ہے۔"

اس سے بات کرتے کرتے نادیہ نے بڑی بے تکلفی سے تیمور کو مخاطب کیا۔

زرمینے کی صورت دیکھنے والی تھی، شرم کی سرخی اور گھبراہٹ سے برا حال تھا۔ تیمور نے جواباً "بڑی سنجیدگی سے نادیہ کی طرف دیکھا۔

"آپ کی تعریف....."

"اوہ۔ دیکھیں نا کس قدر بے مروت ہے یہ کہ میرا تعارف تک نہیں کرایا اس نے آپ سے۔ حالانکہ میں سمجھ رہی تھی کہ آپ مجھے غائبانہ جانتے ہوں گے۔" زرمینے کو کینہ توز نظروں سے گھورنے کے بعد نادیہ نے سلسلۂ کلام پھر سے جوڑا۔

"مجھے نادیہ اکرام کہتے ہیں، آپ کی منکوحہ کی کبھی بیسٹ فرینڈ ہوا کرتی تھی۔ مگر اب شاید سب کچھ آپ ہی ہیں۔ جب ہی اس نے مجھے بھلا دیا۔"

"نہیں، میرا نہیں خیال کہ انہوں نے کسی کو بھلایا ہے۔ بس کبھی کبھی زندگی کے جھمیلے بندے کو الجھا لیتے ہیں۔" وہ متانت سے گویا ہوا اور زرمینے متحیر تھی کہ کیا واقعی یہ تیمور ہے۔

"ہوں۔ ویسے جھمیلا اگر آپ کی طرح "اسمارٹ" ہو تو بندہ واقعی بنا مزاحمت کے بھی الجھ جاتا ہوگا۔" وہ نہ صرف بے تکلف تھی بلکہ حد سے زیادہ بولڈ بھی۔

تیمور کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی۔

"اینی وے اب کہاں کی تیاری ہے آپ لوگوں کی۔ ویسے قریب ہی شوگران میں میرے ماموں کا فارم ہاؤس ہے۔ بڑی ہی رومانٹک جگہ ہے، میرے ساتھ چلیں۔" اس نے دعوت دی۔

"تھینکس فار دی انویٹیشن۔ مگر ہمیں ناران پہنچنا ہے جلد از جلد۔"

"لگتا ہے بہت جلدی ہے رخصتی کی آپ کو....." وہ پھر سے کھلکھلائی تھی اور اس تمام عرصے میں وہ زرمینے کی گھورتی آنکھوں اور مسلسل دیے جانے والے ٹھوکے کو بڑی صفائی سے نظرانداز کر رہی تھی۔

"ہر بندے کو اپنی منزل تک پہنچنے کی جلدی ہوا ہی کرتی ہے۔" ان دونوں سے پرے نجانے کہاں دیکھتے ہوئے تیمور نے آہستگی سے کہا۔ کچھ تھا اس کے لہجے میں نادیہ کچھ ٹھٹھک سی گئی۔

"بندہ تو بہت اوکھا ہے۔ ساری عمر سیاپا ہی رہے گا۔" جھک کر زرمینے کے کانوں میں تبصرہ انڈیلا۔ جواباً "ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر کر رہ گئی۔

"یہ میرا اسلام آباد کا نیا ایڈریس ہے۔ تم وہاں آؤ تو ضرور آنا ملنے۔ بلکہ تیمور بھائی! یہ آپ کی ذمہ داری رہی کہ زری کو مجھ سے ملانے ضرور لائیں گے اسلام آباد۔"

اس سے کہتے کہتے نادیہ نے قصداً "تیمور کو متوجہ کر لیا تھا۔ جواباً "اس نے محض اک نظر زرمینے کو دیکھا جو خوفزدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی نجانے اب وہ کیا کہہ دے۔

"اسلام آباد آنا جانا تو رہتا ہے مگر میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ بشرطِ زندگی پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔" یکدم ہی وہ مڑ گیا۔ زرمینے بھی بدحواس سی اس کے پیچھے لپکی پھر نادیہ کا خیال آیا تو پلٹ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"چلتی ہوں نادیہ۔"

"سب ٹھیک تو ہے نا زری! یہ تمہارے شرلاک ہومز میری سمجھ سے تو بالاتر ہی رہے۔" نادیہ کچھ کھٹک گئی تھی۔

"سب ٹھیک ہے یار! موقع ملتے ہی تمہیں فون کروں گی۔ تفصیل سے بات ہوگی۔ او کے اب چلتی ہوں۔"

اس سے رخصت لے کر جب وہ باہر آئی تو بارش تھم چکی تھی اور تیمور جیپ میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ہلکی ہلکی پھوار پھر سے پڑنا شروع ہو گئی تھی۔

گھنٹہ بھر گزر بھی گیا اور اسے پتا بھی نہ چلا نادیہ سے ملاقات کے بعد پچھلے دن کچھ اس تسلسل سے یاد آنے لگے وہ سب کچھ فراموش کر گئی اور خیالات کا سلسلہ یکدم تیمور کے حالیہ رویے پر آ کر رک گیا۔

پچھلے چند گھنٹوں میں اس کا حلاوت آمیز سلوک اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا وہ بظاہر ڈرائیونگ میں منہمک تھا مگر اس کی چوری پکڑتے ہوئے یکدم ہی اس کی طرف نگاہ پھیری تھی۔

"کیا ہوا؟" اس کے بوکھلانے پر اس نے پوچھا وہ حیرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ اس کی نرم رویے کے باعث دل چاہا بہت کچھ کہہ دے، اس سے بہت کچھ پوچھ لے۔ کم از کم اتنا ہی جان لے کہ آخر تیمور نے اس کے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو.....؟" جیپ کی خاموشی میں پھر سے تیمور کی بھاری آواز گونجی وہ جانچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"دیکھو میں تمہیں آغاجان کے پاس چھوڑنے جا رہا ہوں اور....."

"چھوڑنے جا رہے ہیں، ہمیشہ کے لیے چھوڑ تو نہیں دیں گے نا؟"

بالکل اچانک بے اختیارانہ اس نے پوچھ لیا۔ تیمور اس کے سوال کا پس منظر سمجھ رہا تھا۔

"کیا یہ دونوں ایک بات نہیں؟"

"نہیں، کچھ دن کے لیے چھوڑ جانے اور ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے میں تو فرق ہے۔" اس کی آواز مدھم تھی۔

کتنا عجیب سا لگتا ہے نا کسی دوسرے سے اپنی زندگی کا فیصلہ مانگنا۔ وہ بھی ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں اسے اپنے لیے اپنی ہی ذات کی بھیک مانگنا تھی۔

"دیکھو۔ ہماری زندگی کوئی افسانہ یا کہانی نہیں کہ اسے اپنی مرضی سے موڑ دے لیں۔ ساری عمر بے ثمر راستے پر چلنے سے بہتر ہے کہ انسان راہ بدل لے، منزل کا یقین کر لے۔" نجانے آج سورج کہاں سے طلوع ہوا تھا۔ تیمور اور اس سے اس لہجے میں بات کرے۔

"یہ راستہ آپ کے لیے بے ثمر ہوگا میرے لیے نہیں۔ میری منزل مجھے معلوم ہے۔"

"چلو بے ثمر، بے منزل نہ سہی، یہ راہ غلط تو ہو سکتی ہے نا۔"

"نہیں۔ نہ ہی راہ غلط ہے نہ بے منزل۔ جو راستہ آغاجان نے میرے لیے چنا وہ غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ میرے بزرگ ہیں اور ہمارے بڑے کبھی ہمارا برا تو نہیں چاہ سکتے۔"

موقع ملا تھا سو اس نے بھی جی کڑا کر کے اپنی بات کہہ دی۔ تیمور نے ایک لمحے کے لیے رک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا یہاں اعتماد اور محبت صاف نظر آ رہی تھی۔

"تو کیا ہمارے بزرگ غلطی نہیں کر سکتے۔ آخر کو وہ بھی تو انسان ہیں۔ بندہ بشر خطا کا پتلا ہے۔"

"تو پھر دوسروں کی غلطی کی سزا آپ مجھے کیوں دینا چاہتے ہیں۔ آخر میرا کیا قصور ہے اس میں۔" ضبط کا دامن ہاتھ سے چھٹ رہا تھا۔ آنسو تیزی سے اس کے رخسار بھگونے لگے۔

تیمور کے ہونٹ یکدم بھنچ گئے تھے اسٹیئرنگ پر انگلیوں کی گرفت سخت پڑ گئی۔ اس نے زرمینے کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا اور وہ بھی اس خاموشی کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، اور جب کافی دیر تک وہ کچھ نہ بولا تو اس نے بے بسی سے اپنے آنسو صاف کر لیے۔

پھر باقی وقت دونوں کے مابین خاموشی رہی اور جیپ کی چھت پر بوندوں کی ٹپاٹپ چلتی رہی۔ کچھ ہی دیر بعد ناران کی گلیاں اپنی باہیں پھیلائے ان کا استقبال کرنے لگیں۔

آغاجان کو ان کی آمد کی اطلاع نہیں تھی ان کی متوقع خوشی کا تصور کر کے اس نے خود کو آسودہ محسوس کیا۔ ذرا دیر بعد ہی وہ کھلے دروازے سے اندر داخل

ہو رہے تھے۔ زرمینے پہلے ہی اتر گئی۔ دالان کراس کرتے ہی اسے کشمالے نظر آ گئی تھی۔

"اوہ زری بی بی! آپ..." کشمالے دوڑی چلی آئی۔

"ہوں... میں... کیسی ہو تم؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟ تیمور صاحب نہیں آئے آپ کے ساتھ۔" کشمالے بڑی محبت سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ بھی آئے ہیں۔ آغا جان جاگ رہے ہیں نا۔" وہ اندر بڑھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں بی بی! اسلام آباد گئے ہیں۔"

"کیا؟ اسلام آباد... مگر..." اس کے لہجے میں گھبراہٹ اتر آئی۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟" تیمور اس دوران لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان سے آملا۔

"وہ بخار تھا بہت زیادہ خان بابا دو دن ہوئے انہیں اسلام آباد لے گئے ہیں' اسپتال کا نام وغیرہ سب لکھ کر دے دیا تھا مجھے کہ میں فون کرلوں۔"

"آپ لوگ بیٹھیں تو۔ کتنا لمبا سفر کرکے آئے ہیں۔" کشمالے نے فکرمندی سے ایک چٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ خان بابا کی یہ سب سے چھوٹی بیٹی تھی' جو آج کل آغا جان کی دیکھ بھال وغیرہ کے لیے ادھر ہی آ گئی۔

"نہیں' میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

"پلیز مجھے بھی لے چلیں۔ میں سخت پریشان رہوں گی یہاں۔" وہ بھی تیار تھی تیمور نے جواباً اسے منع کرنا چاہا مگر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

"آپ لوگ کھانا تو کھالیں۔" کشمالے ان کے پیچھے آئی۔

"نہیں کشمالے۔ بھوک نہیں۔ بس آغا جان سے مل لیں سب ٹھیک ہو جائے گا تم فکر مت کرنا۔ ہم ٹھیک ہیں۔"

"بابا سے کہیے گا مجھے فون تو کر دیں۔"

"میں خود کر دوں گی تم پریشان مت ہو۔ ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ۔"

اسے تسلیاں دیتے ہوئے وہ خود از حد اپ سیٹ ہو رہی تھی۔ محض بخار کی وجہ سے ہاسپٹل جانے کی تک ان دونوں کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ یقیناً بات کچھ اور تھی۔

"کمال ہے' خان بابا نے مجھے انفارم تک نہیں کیا۔ دو دن ہو گئے انہیں اسلام آباد گئے۔" تیمور پورے راستے الجھتا رہا۔ وہ کیا کہتی بس آغا جان کی صحت اور سلامتی کی دعائیں کرتی رہی۔

واپسی کا سفر اور بھی تھکا دینے والا تھا' موسم کے تیور مزید خراب ہو گئے تھے۔ تیمور نے اسپیڈ ممکنہ حد تک تیز رکھی تھی' تاہم پھر بھی اسلام آباد پہنچتے پہنچتے انہیں دیر ہو گئی۔

وہ دونوں سیدھے ہاسپٹل پہنچے۔ خان بابا کاریڈور میں ہی ایک بینچ پر بیٹھے نظر آ گئے۔

"السلام علیکم خان بابا!" وہ ان کے قریب جاکر بولا۔

"او۔ تم۔ شکر ہے تیمور تم آ گئے اور زری بیٹا کو بھی لے آئے۔" خان بابا' تیمور کو سینے سے لگا کر بولے۔ اس کے آنے سے وہ بہت پرسکون دکھائی دے رہے تھے۔

"آغا جان کیسے ہیں بابا! کیا ہوا ہے انہیں؟ کیا ہم مل سکتے ہیں ان سے؟" زرمینے نے بے صبری سے پوچھا۔

"ابھی تو وہ سو رہا ہے۔ ڈاکٹر نے آرام کرنے کو بولا ہے۔"

"مگر انہیں ہوا کیا تھا؟"

"پتا نہیں۔ بس تین چار دنوں سے سخت بخار آ رہا تھا۔ پر تم کو تو معلوم ہے وہ منہ سے کبھی کچھ نہیں کہتا۔ دو دن ہوئے ہم نے ہی دیکھا تو زبردستی کرکے ادھر لے آیا۔ یہاں آکر پتا چلا کہ جگر میں سوجن ہے اور سینے میں بھی جکڑن ہے۔ نمونیے کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ کل رات تک بہت بری حالت تھی۔ نہ بخار اتر رہا تھا نہ

ہی سانس آ رہی تھی۔ آکسیجن بھی لگی تھی تین چار بار۔"

"اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود آپ نے مجھے مطلع تک نہ کیا۔"

"کیا تھا بیٹا! کل سے تم کو اور ادھر نازان کشمالے کو فون کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کسی کا نمبر نہیں مل رہا تھا۔" خان بابا بے بسی سے بولے تو زرمینے بے اختیار رو پڑی۔

اپنے والدین کے بعد ایک آغا جان ہی تو اس کا واحد سہارا رہ گئے تھے۔ ان کی زندگی بہت قیمتی تھی اس کے لیے۔ خان بابا نے اسے روتے دیکھا تو تسلی کے لیے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیٹا! اللہ پر بھروسہ رکھو اور دعا کرو۔"

"میں ذرا ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔" تیمور نے محض اک نظر اسے دیکھا تھا نہ کچھ کہا نہ دلاسہ دیا مگر اس کی آنکھوں میں نرمی تھی۔

قرآنی سورتوں اور دعاؤں کا ورد کرتے ہوئے وہ مسلسل تیمور کی واپسی کی منتظر تھی اور جونہی وہ آیا تیزی سے اٹھ کر وہ اس کے پاس آئی۔

"کیا بتایا ڈاکٹر نے۔ کیا ہوا ہے انہیں؟" وہ بے قراری سے گویا ہوئی۔

"میرا خیال ہے تم کھانا کھالو۔ کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا تم نے۔" تیمور نے اس کے سوال سے قطع نظر اس سے کہا۔

"پلیز مجھے بھوک نہیں۔ آپ بتائیے نا کیا ہوا ہے آغا جان کو..." وہ مزید متوحش ہو گئی۔

جواباً تیمور نے چہرہ اس کی طرف پھیرا تو اسے احساس ہوا ڈاکٹر نے یقیناً کچھ ایسا کہہ دیا ہے' جس سے تیمور جیسے مضبوط شخص کے چہرے پر بھی یاسیت اور خوف چھا گیا ہے۔

"کک... کیا ہوا ہے۔ سب ٹھیک تو ہے نا۔" بے اختیار وہ دو قدم آگے بڑھ آئی تھی۔

"آغا جان کا لیور فیل ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر کے خیال میں بہت سے بہت ایک ہفتہ۔"

"نہیں..." بری طرح دہل کر اس نے تیمور کا مضبوط بازو تھام لیا۔ "پلیز تیمور! کہہ دیں کہ یہ جھوٹ ہے پلیز..." وہ بے اختیار بلک اٹھی تھی۔ "آغا جان میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ نہیں جا سکتے وہ اس طرح۔"

"زرمینے... زرمینے..."

تیمور نے کچھ گھبرا کر اسے شانوں سے تھام کر ہلکے سے جھنجھوڑ دیا۔ مگر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔

"نہیں تیمور! آغا جان ایسا نہیں کر سکتے۔ انہیں ٹھیک ہونا ہو گا۔ ورنہ اس بھری دنیا میں' میں بے یار و مددگار رہ جاؤں گی اور جو یہ ٹھیک نہیں ہو سکے تو میں جی کر کیا کروں گی۔ مجھے بھی ان کے ساتھ ہی مر جانے دیں۔"

"ہوش میں آؤ۔" تیمور کی گھبراہٹ قدرے غصے میں تبدیل ہونے لگی۔ خان بابا بھی گھبرا کر اندر آ گئے۔

"صبر کرو بیٹا! صبر کرو۔" ان کی آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

مگر اس لمحے صبر اور ہمت اس کی پہنچ سے کوسوں دور تھی۔ سو وہ بلکنے لگی۔

"مایوس مت ہو بچے! اللہ بڑا کارساز ہے۔" خان بابا خود تیمور کے چہرے پر چھائے مایوسی کے بادل دیکھ کر دلگرفتہ ہو رہے تھے۔

صورتحال ہی ایسی تھی کہ تیمور زیادہ دیر ان کے پاس ٹھہر نہ سکا۔ خود اس کا دل ڈوب رہا تھا' ایک عجیب سی انسیت تھی اسے آغا جان سے۔ یکدم اس کا دل چاہا وہ کسی مہربان کے کندھے پہ سر رکھ کر دل کا غبار نکال ڈالے۔

بے اختیار کرامت اور سعادت لالہ کا خیال اسے جکڑ سا گیا۔ بڑی ہمت کرکے اس نے موبائل پر دونوں کے نمبر ملائے اور یہ خوش نصیبی ہی تھی کہ نمبر مل بھی گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو تیمور! یہ سب کیسے ہوا؟" سعادت لالہ بری طرح گھبرا گئے۔

UrduPhoto.com

"یہ سب میں نہیں جانتا لالہ! مگر مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" یکدم وہ بکھر گیا۔

"ہمت کرو تیمور! میں آرہا ہوں۔" سعادت لالہ کی بھاری آواز محبت اور تفکر سے لبریز تھی۔

مگر ہمت کہاں سے آتی۔ اس نے اگلے چند گھنٹوں میں ہسپتال کے سارے ڈاکٹروں سے ملاقات کرلی۔ ہر امکان پر نظر دوڑالی مگر ڈاکٹرز کے پاس صرف دلاسے اور تسلیاں ہی رہ گئے تھے۔ آغاجان علاج کی حد سے دور جاچکے تھے۔

تیمور کی حالت خود اس قدر مخدوش تھی کہ وہ زرمینے کے سامنے آنے سے بھی گریزاں تھا۔ ہر بار وہ بہت سے سوال آنکھوں میں لیے اسے دیکھتی تھی جن کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

پورا دن اسی امید و بیم کی کیفیت میں گزر گیا اگلی صبح سعادت لالہ' اماں اور زاہدہ بھابھی کے ساتھ آپہنچے۔ جن کو دیکھ کر زرمینے اور تیمور دونوں ہی خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ گزرے تمام واقعات بھلا کر زرمینے دوڑتی ہوئی جاکر زاہدہ بھابھی سے لپٹ گئی۔

"میں اکیلی رہ گئی بھابھی! میں اکیلی رہ گئی۔"

اس لمحے وہ یہ بھی بھول گئی کہ آغاجان اور اس کے درمیان موجود رشتے پر پھر اماں کے کیا تاثرات ہوں گے۔ اماں نے بڑی ہمدردی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔ متورم آنکھوں میں یکدم خوف کی پرچھائیاں چھاگئیں۔

"وہ... میں... آغاجان..." اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنا دفاع کس طرح کرے۔ تیمور اس وقت سب کچھ بھلائے سعادت لالہ کے کندھے سے لگا اپنی سرخ آنکھوں میں اترتی نمی خود میں جذب کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"اماں! آغاجان کے بغیر ادھورا رہ جاؤں گا میں۔ پلیز مجھے معاف کردیں۔ ان کی خاطر آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے۔" وہ بے اختیار ہورہا تھا۔

اماں کوئی پتھر کی تو نہ بنی تھیں... بے اختیار رودیں۔

"ایسے نہ کہو تیمور! تم نے جو کچھ کیا خدا! تمہیں اس کا اجر دے گا۔ بلکہ خطاوار تو میں ہوں کہ گھر کے بزرگ سے فیض نہ اٹھاسکی۔"

نجانے کیا کچھ ماضی کے جھروکوں سے جھانک جھانک کر انہیں شرمندہ کررہا تھا۔ آغاجان سے منسوب ساری شکایات سارے شکوے اس وقت بہت ہیچ نظر آرہے تھے۔

تیمور کے دل پر بہت بوجھ آگرا تھا۔ ان کی آخری خواہش صرف یہ تھی کہ وہ زرمینے کو اس کے ساتھ ہنستا بستا دیکھنا چاہتے تھے مگر وہ ان کی زندگی میں ان کو یہ خوشی بھی نہ دے سکا۔ شاید ان کے وجدان نے انہیں آگاہی دے دی تھی کہ وہ کس نیت سے زرمینے کو لے کر ان کے پاس آنے والا ہے جب ہی تو وہ اس لمحے کا سامنا کرنے سے پہلے ہی چلے گئے۔

ڈاکٹرز کی تین دن کی شدید کوششوں کے باوجود ان سب کی بہت سی دعاؤں کے باوجود بھی آغاجان چلے گئے۔

زرمینے کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا سو وہ بھی نہ رہا تھا۔

آغاجان کو ان کے آبائی شہر تاران میں ہی سپردِ خاک کیا گیا۔

زاہدہ بھابھی' موتا اور نشاء مسلسل اس کے ساتھ تھیں۔ خاص طور سے اماں بھی اسے دلاسہ دے رہی تھیں۔ اس وقت بھی وہ قرآن پاک پڑھتے پڑھتے اچانک ہی پھوٹ پھوٹ رو پڑی تو انہوں نے اسے بے اختیار سینے سے لگالیا۔

"نہ بیٹا! تین دن گزر چکے ہیں۔ اب نہ روؤ۔ مرحوم کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔" ان کے لہجے میں محض ہمدردی ہی نہیں محبت بھی تھی جسے محسوس کرکے اس کے آنسو خود بخود تھم گئے آہستگی سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"تمہارے ساتھ اب کوئی برا سلوک نہیں کرے گا بچے! تم ڈھارس رکھو۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ ہم سب ہیں تمہارے ساتھ۔"

ٹھہرے ہوئے لہجے میں انہوں نے کہا تو وہ محض سر جھکا کر رہ گئی۔ مایوسی اس حد تک اس کے اندر گھر بناچکی تھی کہ اماں کے اس "مژدۂ جانفزا" جیسے جملے کو سن کر بھی اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔

ہفتہ بھر اسی طرح گزر گیا۔ نشاء دو دن رک کر چلی گئی۔ سعادت لالہ اور عزمی بھی چلے گئے تھے۔ تاہم ابھی موتا اور تیمور اماں سمیت موجود تھے۔ آج زاہدہ بھابھی بھی جارہی تھیں۔

"تم بھی سامان باندھ لو زری! چالیسویں کے بعد تم کراچی آجانا..." جاتے جاتے وہ تاکید کرگئی تھیں۔ اس نے جواب نہیں دیا کہ اب اس کے پاس کوئی جواب تھا ہی نہیں۔

"یوں بھی اوّل و آخر تو تمہیں وہیں آنا ہے نا۔ کچھ دن گزر جائیں تو تمہاری رخصتی کے بارے..."

"بھابھی! آپ چائے پئیں گی۔" یکدم اس نے گھبرا کر بات کاٹ دی تھی۔ اماں سامنے ہی موجود تھیں اور اس وقت یہ موضوع ان کے صبر و ضبط کا امتحان بھی لے سکتا تھا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ فی الوقت اپنی ساری نفرت کو بھلا کر ازراہِ ہمدردی سہی اماں جو شفقت اس پر لٹارہی ہیں۔ آغاجان کے فیصلے کو یاد کرکے کہیں پھر سے وہ زہر اگلنے لگیں۔

"نہیں۔ تم یہاں بیٹھو اور میری بات کا جواب دو... تم کراچی آؤ گی نا...؟" وہ اٹھنا چاہتی تھی مگر زاہدہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا سوال ایسا تھا کہ وہ متذبذب سی ہوگئی۔

بستر کی پھولدار چادر کے ڈیزائن پر انگلیاں پھیرتی وہ خاموش سی ہوگئی تھی۔

"بولو زرمینے! میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے...؟" ایک بار پھر سوال ہوا۔ گہری سانس لے کر اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں تاسف کے گہرے رنگ موجود تھے۔

"اب میں وہاں آکر کیا کروں گی بھابھی! آغاجان کی خوشی کی خاطر انہوں نے ایک کڑوا گھونٹ لیا تھا۔ مگر اب ایسی کوئی مجبوری نہیں۔" تیمور کا نام لینے سے قصداً گریز کرتے ہوئے وہ بولی۔

"میں جتنے دن بھی آپ سب کے ساتھ رہی آپ لوگوں کے حسن سلوک کے باعث بہت قدر کرتی ہوں آپ سب کی۔ رہ گئی وہاں آنے کی بات تو میرا ایسا کوئی حق نہیں ہے۔ آغاجان چلے گئے ان کے ساتھ ہی وہ مجبوری کا سودا بھی ختم ہوگیا۔ میں جانتی ہوں کہ بابا اور بی بی (شیرباز اور پری چہرہ) کی وجہ سے آپ کی فیملی کو کافی دکھ اٹھانے پڑے ہیں جس کے لیے میں شرمندہ ہوں اور اب آپ سب کو مزید کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتی۔" اس کی آواز جتنی ہلکی تھی لہجہ اتنا ہی مستحکم تھا۔

"مگر زری...! اماں! آپ کچھ کہیں نا..." زاہدہ بھابھی اس کے صاف کورے جواب پر کچھ سٹپٹاسی گئیں۔

اس نے اماں کی طرف نظر اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ اگر ان کو دیکھ لیتی تو شاید دل پر چھائے غلط فہمی کے بادل چھٹ جاتے۔

"پلیز بھابھی! میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سب نے اتنے دن مجھے برداشت کیا۔ بس اب اور نہیں۔ اپنے محسنوں کے ساتھ کم از کم اتنا تو کرہی سکتی ہوں نا۔"

کہتے کہتے گلا رُندھنے لگا تو وہ کسی کے کچھ اور بولنے سے پہلے ہی کمرہ چھوڑ گئی۔

"تم اسے سمجھاؤ موتا! تم سے تو دوستی بھی ہے۔" اماں کی خاموشی کو تائید پر محمول کرتے ہوئے زاہدہ بیگم نے موتا کو قریب بلالیا۔

"ہم میں سے کسی کے بھی کہنے سے کچھ نہیں ہوگا مما! جو کچھ چاچو نے اس کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہمارے ساتھ جائے گی۔ چاچو کی بے زاری ہم سے زیادہ اس پر عیاں ہے۔ آغاجان کی خاطر اس نے کافی کچھ سہہ لیا ہے' اب مشکل ہے۔ ہاں اگر چاچو خود سے چاہیں تو یا پھر اماں آپ کچھ کریں۔" شانے اچکا کر موتا خاموش ہوگئی تھی۔ زاہدہ بیگم نے اماں کی طرف نگاہ اٹھائی جو کسی گہری سوچ میں

UrduPhoto.com

مستغرق تھیں۔

☼ ☼ ☼

چالیسواں گزر چکا تھا۔ اس دوران مونا جس قدر اسے راضی کرنے سعی کر سکتی تھی اس نے کی مگر زرمینے ہر بار عاجزی سے اس کے ہاتھ پکڑ لیتی تھی۔

"پلیز مونا! مجھے شرمندہ مت کرو۔ میں کسی کے ذہن پر ناگوار بوجھ کی طرح سوار نہیں رہنا چاہتی۔ آخر تھوڑی بہت عزتِ نفس تو میری بھی ہے نا۔ مونا بے بس سی لاجواب ہو کر رہ جاتی اور یوں ان سب نے رختِ سفر باندھ لیا۔

اس عرصے میں تیمور بہت کم گھر پر رہا۔ عام طور سے اس کا وقت آغاجان کے ادھورے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل میں صرف ہوا تھا۔ دوبارہ وہ کراچی جا کر بھی آ چکا تھا۔

تاہم زری اور اس کا سامنا بہت کم ہوا۔ دونوں ہی قصداً" گریزاں تھے اور یہ بات سب نے محسوس کی خاص طور سے اماں نے۔ دوسری صبح ان سب کو جانا تھا سو اماں نے تیمور کو بلا بھیجا۔

"جی اماں! آپ نے بلوایا تھا مجھے؟" وہ خاصا تھکا ہوا اندر داخل ہوا۔

"ہوں..." وہ نجانے کس گہری سوچ میں گم تھیں اس کی آواز پر چونکیں۔ "آؤ بیٹھو تیمور..."

"جی۔" وہ سامنے کاؤچ پر ڈھیلے سے انداز میں بیٹھ گیا مگر جب کافی دیر تک اماں کچھ نہ بولیں تو اس نے قدرے اچنبھے سے ان کی طرف دیکھا۔

"خیریت تو ہے اماں! کیا سوچ رہی ہیں آپ۔ کوئی پریشانی ہے کیا؟"

"تمہارے خیال سے کیا کوئی پریشانی ہو سکتی ہے مجھے...؟" اس کی سوالیہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اماں نے براہ راست پوچھا۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا تو لہجہ شرمساری کے تمام رنگ لیے ہوئے تھا۔

"میں جانتا ہوں اماں! آپ کو ہرٹ کیا ہے میں نے۔ مگر کیا کروں اس وقت آغاجان کے ضعیف چہرے پر چھائی امید کو ختم کرنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔"

"میں نے کوئی شکایت کی ہے کیا...؟" اماں کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔

"آپ کی خاموشی کسی شکایت سے کم ہے کیا؟ کیا میں جانتا نہیں آپ کو؟ آپ ماں ہیں میری..."

"شاباش ہے بیٹے! خوب جانتے ہو تم مجھے، واقعی بڑی اچھی طرح سمجھتے ہو تم اپنی ماں کو..." وہ شاکی ہوئیں۔ تیمور نے نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"آئی ایم سوری اماں! میں نے کہا نا کہ میں مجبور تھا اور..."

"بس ختم کرو بچے! اپنی نیکی یوں برباد نہ کرو۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں تم سے۔" انہوں نے اس کی بات کاٹ دی تو وہ متحیر سا انہیں دیکھنے لگا۔

"اب یہ سوچو کہ گھر کب جانا ہے مطلب کل یا پرسوں؟" اماں کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ مزید اپنے نکاح کے تذکرے کو جاری نہ رکھ سکا۔

"پرسوں صبح نکلتے ہیں۔ میں نے سب کام مکمل کر لیے ہیں سارا انتظام خان بابا کے ہاتھ میں دے دیا۔ مکتب اور چھوٹی سی ڈسپنسری کے لیے کرامت نے ایک شخص کا انتظام کر دیا ہے۔ کبھی کبھار وہ خود بھی چکر لگایا کرے گا۔ رہ گیا گھر کا معاملہ تو خان بابا کو میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ یہیں رہائش رکھیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آغاجان کا گھر ویران رہے۔ باقی جائیداد وغیرہ کے سلسلے میں آغاجان کی وصیت کے مطابق وکیل صاحب خود فیصلہ کر لیں گے۔ آپ الماری کی چابیاں خان بابا کو دے جایئے گا۔" اس نے تفصیل سناتے ہوئے کہا تو اماں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"چابیاں تو سب میں نے زرمینے کے حوالے کر دی ہیں۔ وہ خود دیکھ بھال کر لے گی۔" اپنے جملے کا اثر دیکھنے کی خاطر وہ اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

"کیا مطلب؟ کیا وہ ساتھ نہیں جا رہی...؟" یک دم اس کا لہجہ بے حد سخت ہو گیا۔

"نہیں..."

"مگر کیوں...؟" وہ جھنجھلا سا گیا۔

"اس کا کہنا ہے کہ آغاجان کی خاطر اس نے بھی سمجھوتہ کیا تھا لہٰذا اب ہمارے ساتھ جانے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔"

"یہ فیصلہ کرنے والی وہ کون ہوتی ہے...؟" تیمور کے چہرے پر اب جلال پوری طرح چھا چکا تھا۔

"آغاجان اس کے سرپرست تھے، اب ان کے بعد وہ اپنے فیصلے خود کر سکتی ہے؟" اماں کا لہجہ کرید تا ہوا کچھ کھوجتا ہوا سا تھا۔ تیمور تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب اس کی سرپرست آپ ہیں اماں!"

"میں...؟" اماں نے قدرے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "میں کس حیثیت سے اس کی سرپرست ہوں بچے..."

"اماں! وہ میری منکوحہ ہے اور اس تعلق سے آپ..." وہ نہ چاہتے ہوئے بھی قدرے توقف سے کہہ گیا۔

اماں کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

"کمال ہے بیٹا! جس لڑکی کا نام تمہاری زبان لینا گوارا نہیں کرتی وہ کاغذی طور پر تمہاری منکوحہ سہی دلی طور پر تو تم اسے اپنے خاندان کا فرد تک گرداننے سے انکاری ہو۔ کہاں کہ نکاحی بیوی کا رشتہ! پھر بھلا میں کیسے سرپرست ہو گئی اس کی۔ میرا تو خیال ہے تم بھی تین حرف کہہ کر فارغ کرو اسے۔ یہاں اس کی خالہ ہے نازک پری۔ وہ خود سنبھال لے گی اسے۔"

اماں کے اس بے دردی سے کہنے پر اس نے جیسے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

"یہ ممکن نہیں ہے اماں!" بولا تو لہجے میں چٹانوں کی سختی تھی۔

"تو پھر میری بھی سن لو تیمور! میں اسے اس طرح ساتھ نہیں لے کر جاؤں گی۔ تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ کیا تماشہ بنے گا وہاں جا کر۔ لوگ کیسی کیسی باتیں کریں گے اس کے بارے میں۔ عزی جیسا جوان لڑکا بھی موجود ہے گھر میں لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملے گا۔ کئی لوگ پہلے بھی اشاروں میں اور کچھ نے تو صاف کہا کہ میں عزی کی بات ٹھہرا دوں اس سے۔ مگر میں یہ سوچ کر خاموش رہی کہ جب اس کے گھر کے حالات ٹھیک ہوں گے تو تمہارے لیے مانگوں گی اسے..."

اماں کہہ رہی تھیں، تیمور نے قدرے اچنبھے سے ان کی بات سنی۔

"لیکن اس سے پہلے کہ میں ایسا کچھ کرتی یہ سب ہو گیا۔ تمہیں احساس ہے کہ تم نے کس قدر غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے۔ نکاح جیسے تعلق کو اس طرح چھپا کر رکھنے سے جانتے ہو کیا ہونے والا تھا۔ نشاء کے سسرال تک سے پیغام آیا ہے زرمینے کے لیے۔ تم کس کمال اطمینان سے ایک جوان لڑکی گھر میں لا کر بھول گئے یہ بھی نہ سوچا کہ کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔ ایسی پیاری لڑکی بھلا کسی کی نظر سے چھپ سکتی تھی۔ نشاء کی شادی میں ہی — لوگوں میں چہ مہ گوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔"

اماں نے اس کی ٹھیک ٹھاک مزاج پرسی کی۔ وہ شرمندگی سے سر جھکائے سب سن رہا تھا کہ غلط تو وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔ تاہم ان کی باتوں سے خون کی گردش تیز ہوئی جا رہی تھی۔

"لہٰذا اب صاف سن لو تیمور! یا تو تم اسے آزاد کر دو۔ وہ بہت کم عمر ہے ایک لمبی زندگی پڑی ہے اس کے سامنے کاٹے نہیں کٹے گی بغیر ہم سفر کے۔ تم اسے یرغمال کی طرح نہیں رکھ سکتے۔ میں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہ دوں گی۔ تم اس سے نفرت کر سکتے ہو، مگر اسے ساری زندگی ناکردہ گناہ کی سزا میں پابہ زنجیر رکھنا سفاکیت ہے اور یہ میں تمہیں کرنے نہیں دوں گی۔ کئی لوگ طلب گار ہیں اس کے۔ میں کہیں اور رشتہ طے کر دوں گی اس کا۔ یتیم بچی ہے۔ آہ نہیں لینی اس کی۔ اسے چھوڑ دو تم یا پھر..."

ایک لمحے کا توقف کرتے ہوئے اماں نے اس کے

UrduPhoto.com

چہرے پر پھیلتے جلال کو بغور دیکھا اور پھر اس سے بھی زیادہ قطعی لہجے میں بولیں۔

"یا پھر اسے اپنی بیوی کے روپ میں قبول کرو۔ تب ہی ساتھ جائے گی وہ ہمارے۔ نہیں تو میرے گھر کی دہلیز نہیں چڑھے گی وہ۔ میں نے فیصلہ سنا دیا ہے۔ اب تم سوچ لو۔"

"مگر اماں۔" اماں کے برملا اور حتمی فیصلے پر وہ جھنجلا سا گیا۔

"اگر مگر کچھ نہیں بیٹا! جس طرح میری بے جواز نفرت نے تمہارے آغاجان کو حقیقی رشتوں اور محبتوں سے محروم کر دیا اس طرح میں تمہاری نفرت کے باعث زرمینے کی زندگی بنجر نہیں دیکھنا چاہتی۔ اب تم جاؤ اچھی طرح سوچ کر صبح مجھے اپنے ارادے سے مطلع کرنا۔ شب بخیر۔" کمبل پیروں پر پھیلاتے ہوئے انہوں نے گویا مزید کچھ نہ سننے کا اشارہ دے دیا۔

تیمور چند ثانیے تذبذب میں گھرا انہیں دیکھتا رہا مگر جب اماں نے نوٹس نہیں لیا تو کمرے سے نکل گیا۔

"اللہ تمہیں حکمت بھرا فیصلہ کرنے کی توفیق دے میرے بچے۔" اماں کے دل سے بے ساختہ دعا نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

دوسری صبح اماں سمیت سب نے اس کا ناشتے پر انتظار کیا مگر خان بابا سے پتا چلا وہ فجر کے بعد سے ہی گھر سے نکلا ہوا ہے۔ زرمینے شرمندہ سی دسترخوان سے اٹھ گئی۔

"اماں! آپ نے کچھ کہا تھا چاچو سے؟" اس کے یوں چلے جانے پر مونا نے استفسار کیا۔

"ہوں..." اماں گہری سوچ میں تھیں۔

"اوہ۔" مونا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"شاید ناراض ہو گیا ہے۔ بہرحال تم تیاری کر لو۔ کل صبح نکلنا ہے۔ کہہ گیا ہے وہ۔" مونا بے تاب سی ہو گئی۔

"اور زری؟ اس کا کیا ہو گا؟ کیا وہ نہیں جائے گی ہمارے ساتھ؟"

"پتا نہیں بیٹا! میں نے تیمور کو صاف فیصلہ سنا دیا ہے۔ اگر وہ دل سے زری کو اپنانے کے لیے تیار ہے تب تو میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ نہیں تو میں بھی زری کے فیصلے کی حامی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ بھی اٹھ گئیں تو ناشتے کے دسترخوان پر مونا افسردہ اکیلی بیٹھی رہ گئی۔ جسے آج پہلی بار چاچو سے سخت شکایت ہو رہی تھی۔

بقیہ دن سب ایک دوسرے سے نظر چراتے رہے۔ تیمور شام کو لوٹا بھی تو جا کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ تاہم آدھی رات تک اس کے کمرے کی لائٹ جلتی رہی اور ادھر اندھیرے کمرے کے دبیز بستر پر لیٹی زرمینے کا تکیہ بھی بھیگتا رہا۔

☼ ☼ ☼

گئے دنوں کی عزیز باتیں
نگار صبحیں گلاب راتیں
بساطِ دل بھی عجیب شے ہے
ہزار جیتیں ہزار ماتیں
جدائیوں کی ہوائیں لمحوں کی
خشک مٹی اڑا رہی ہیں
گئی رتوں کا ملال کب تک
چلو کہ شاخیں تو ٹوٹتی ہیں
چلو کہ قبروں پہ خون رونے سے
اپنی آنکھیں ہی پھوٹتی ہیں

"میں بھی نفرتوں کو آخر کب تک اوڑھنا بچھونا بناتا۔ آخر تھک گیا۔ اماں کی شرط سے نہیں اپنے دل سے ہارا تھا میں۔ زرمینے کے سامنے۔ وہ اطالوی نقوش والی سادہ سی حسین لڑکی کا حسن میری نفرت کو تو نہ توڑ سکا البتہ اس کی محبت کے سامنے میرا دل ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

ناراں کی اس آخری رات کے آخری پہر جب میری آنکھ لگے کچھ ہی دیر گزری تھی۔ اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ اور کپڑوں کی سرسراہٹ نے میری نیند کو توڑ ڈالا تھا۔ میں برق کی سی تیزی سے اٹھا اور سائیڈ لیمپ آن کرتے ہی بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سائے کے سامنے جا ڈٹا۔

"تم...؟"

زرمینے کو بڑی سی چادر میں لپٹا اپنے کمرے میں پا کر میں ششدر سا رہ گیا اس نے اپنے ہاتھوں میں کچھ چھپا رکھا تھا۔ میرے نیند سے جاگ جانے پر وہ بھی متوحش ہو گئی تھی۔ بے ساختہ دونوں ہاتھ اس نے چادر میں چھپانے کی کوشش کی تو میں نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی دبوچ لی جواب بھی چادر میں چھپی ہوئی تھی۔

"کیا لینے آئی تھیں تم؟ ہاں۔ کیا چرایا ہے بولو... جواب دو..."

اس غیر متوقع صورتحال نے مجھے کچھ زیادہ ہی تاؤ دلا دیا۔

"بولو، میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟" اس کی خاموشی جھکی ہوئی نظروں اور لرزتے وجود نے مجھے اور بھی برانگیختہ کر ڈالا۔ میری قہر بھری نظروں نے اور بھی ستم کیا تو وہ بے آواز رونے لگی تھی۔

"بند کرو ڈرامہ۔ دکھاؤ کیا چرایا ہے تم نے۔" میں نے لفظوں سے ہی اسے رگید ڈالا۔ غصے میں آ کر میں نے اس کی چادر کھینچ کر دور پھینک ڈالی اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے سامنے کیے تو ششدر سا رہ گیا۔ میرا براؤن مفلر اس کی نم ہتھیلیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

"یہ... یہ..." میں سٹپٹا سا گیا۔

"آپ کا مفلر ہے۔ آپ جا رہے تھے تو میں نشانی..."

اس نے گلوگیر لہجے میں جملہ مکمل کرنا چاہا مگر کر نہ سکی اور بے اختیار رو پڑی۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں اس کے لیے اتنی اہمیت رکھتا ہوں۔ یہ محبت کی عجیب شکل تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

اور اس ایک لمحے میں اس کے آنسو میری آنکھوں کی نفرت بھی بہا لے گئے۔ مجھے نہیں معلوم مجھے کیا ہوا تھا۔ سر تا پیر جیسے ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ میں نے بے اختیار جیسے خود فراموشی کی حالت میں کھینچ کر اسے خود سے لگا لیا۔

وہ بھی اس حرکت کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے کٹے ہوئے شہتیر کی طرح میری بانہوں میں آ گری۔ تاہم اگلے ہی لمحے اس کے حواس لوٹ آئے تھے۔

اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑانا چاہا مگر یہ سعی لا حاصل رہی۔ میرا حصار اتنا کمزور نہیں تھا جتنا کہ اس وقت میرا دل کمزور ہوا جا رہا تھا۔

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔" میری آواز میں خمار آپ ہی آپ گھل گیا تھا اور ادھر زرمینے جیسے پگھلی جا رہی تھی۔

"مجھے جانے دیں پلیز..." وہ گھٹے گھٹے لہجے میں بولی۔

"تم نے مجھے جانے دیا ہے جو میں ایسا کروں۔" میرے لہجے میں در آئی شگفتگی خود میرے لیے اس قدر اجنبی و حیران کن تھی کہ میں نہ صرف اپنے آپ سے بلکہ زرمینے سے بھی شرمسار ہو گیا۔ زرمینے لاجواب سی ہو گئی تھی تاہم اس کے ضدی وجود نے آزاد ہونے کی جدوجہد مسلسل جاری رکھی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ مجھے اس پر ترس آ گیا اور اس نے گرفت ڈھیلی کر دی۔

اسے تو جیسے زنداں سے رہائی ملی تیر کی طرح وہ دروازے کی طرف لپکی۔

"سنو یہ مفلر تو لیتی جاؤ۔" میں نے پیچھے سے اسے پکارا تو وہ دروازے تک پہنچ کر بنا پیچھے مڑے ایک لحظے کو رکی۔ "صبح اپنے سامان کے ساتھ اسے بھی پیک کر لینا۔"

میں اسے چھیڑ رہا ہوں یہ احساس پاتے ہی وہ جھپاک سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

کئی سالوں بعد میرے لبوں پر واقعی ایک پرسکون طمانیت بھری مسکراہٹ بکھری تھی اور دل جیسے پروں کی طرح ہلکا محسوس ہوا تھا۔

میں نے سرشاری کے احساس سے مخمور ہو کر بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کیں تو آغاجان کا مسکراتا چہرہ ذہن کے پردے پر ابھر آیا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"معاف کیجیے گا آغاجان! آپ کی زندگی میں تو نہ کرسکا مگر آپ کے جانے کے بعد آپ کی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کر رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے ابھی چلنے کی بجائے دوپہر تک نکلتے ہیں اماں! جب تک زرمینے اپنا سامان بھی پیک کرلے گی اور یہاں ناران سے اگر آپ کسی کو انوائٹ کرنا چاہیں تو کرلیں۔ تاہم زیادہ شور شرابہ نہیں۔ میرا خیال ہے ولیمہ کی تقریب بس سادگی سے ہی ہونی چاہیے۔"

ناشتے کی میز پر آتے ہی میں نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اپنے معمول کے سنجیدہ اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کچھ اس طرح یہ سب کہا کہ جو جہاں تھا وہیں رک گیا۔

مونا چائے کا گھونٹ بھرتے بھرتے رہ گئی۔ جبکہ اماں نے انڈے کی پلیٹ میری طرف کھسکانے کی بجائے واپس میز پر رکھ دی۔

زرمینے کی حالت تو ناگفتہ بہ تھی بڑی مشکل سے مونا کے اصرار پر وہ خود کو نارمل کرکے میز تک آئی تھی۔ کل کے واقعے نے ابھی تک حواس سلب کر رکھے تھے۔

چہرے پر حیا کی اور آنکھوں میں رت جگے کی سرخی کل کی رات کا فسانہ سنا رہی تھی۔ فطری طور پر سب کو جھٹکا لگا۔

"چاچو یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" مونا نے چہک کر بے انتہا خوشی سے استفسار کیا تو لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"جو تم نے سنا ہے وہی کہا ہے بھئی اور اب ذرا جلدی کرو زرمینے کے ساتھ مل کر اس کا سامان پیک کرواؤ اور میری چیزیں بھی دھیان سے رکھ لینا کہیں ادھر ادھر نہ ہو جائیں۔ کل سے میرا براؤن مفلر نہیں مل رہا۔" میرا چہکتا لہجہ اور معنی خیز جملہ ایسا تھا کہ زرمینے سر پر پیر رکھ کر بھاگی پیچھے پیچھے مونا بھی لپکی کہ اب ساری کہانی تو اسی سے پتا چلنا تھی ظاہر ہے میں نے تو ایک لفظ نہ بتانا تھا اس کایا پلٹ کا۔

"یہ سب کیا ہے تیمور بیٹے؟" اماں ابھی تک بے یقین تھیں۔

"اسے آپ فرمانبرداری یا تابعداری بھی کہہ سکتی ہیں اماں! اور میرے دل کی خوشی بھی۔" ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ میں نے صاف گوئی سے کہا تو اماں نے آگے بڑھ کر میرا ماتھا چوم لیا۔

"ماں صدقے۔ خدا تمہیں زمانے بھر کی خوشیاں عطا کرے میرے بچے! آج تو نے ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہے۔"

ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی آج کئی سالوں بعد مجھے اس طرح مسکراتا دیکھ کر کیسے دل کھل اٹھا تھا اماں کا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ پوری دنیا کو اپنی خوشی میں شریک کرلیں۔

"خدا نظر بد سے بچائے۔" فوراً ہی کئی نوٹ انہوں نے مجھ پر سے وار دیے تھے۔ میری شادی کا ارمان تو ہمیشہ سے تھا ہی مگر اب تو اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی خواہش نے بھی انہیں بے چین کر رکھا تھا۔

"تو یہ ہے سارا قصہ۔۔۔"

کرامت اس کے منہ سے ساری کتھا سن کر آخر جیسے چٹخارہ بھر کر بولا تھا۔ تیمور نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

"ہاں یہ تھا سارا قصہ۔ اب تم اٹھو اور مجھے تیار ہونے دو۔ دس بجے سارے مہمان ہوٹل پہنچ جائیں گے اور سعادت لالہ کا حکم ہے کہ ولیمے والے دن کپل ہی میزبان ہوتا ہے سو اسے پہلے سے وہاں موجود ہونا چاہیے۔"

اس کی شوخ اور معنی خیز نظریں ابھی تک خود پر مرکوز پاکر تیمور نے قصداً خود کو لاپروا ظاہر کرکے اٹھتے ہوئے کہا۔

"واہ واہ کیا شوق ہے دلہا بننے کا۔ ایمان سے یقین نہیں آتا کہ یہ تو ہی ہے تیمور علی جاہ۔ کہاں تو نفرتوں کا بپھرتا سمندر اور کہاں اب محبت کا ابر بن کر برس رہا ہے۔"

شوخی سے کہتے کہتے کرامت کا لہجہ سنجیدہ ہوگیا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

"نہ برستا تو کیا کرتا، تم لوگوں نے نصیحتیں کر کرکے سر کھا دیا تھا میرا۔ اب جان چھڑانے کو کوئی فیصلہ تو کرنا تھا نا۔" جیٹ بلیک کلر کا ڈنر سوٹ ہینگر سے نکالتے ہوئے اس نے مسکراہٹ دبا کر کہا تو کرامت کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"جان چھڑانے کو یا جان۔۔۔"

"بس بس۔ اب زیادہ فضول گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہے مجھے بہت Experienced شادی شدہ ہو تم۔"

کرامت ہنستے ہوئے کہنے لگا "جلدی سے تیار ہو جاؤ نہیں تو اب سعادت لالہ نے جان لے لینی ہے۔"

کلون اسپرے کرکے جس وقت وہ باہر نکلا۔ زرمینے پارلر سے اسی وقت گھر پہنچی تھی لاؤنج میں ایک لمحہ تھمی تھی اور گرین کلر کے مغلئی طرز والے برائیڈل سوٹ میں زرمینے غضب ڈھا رہی تھی۔ اس کی نظریں اس طرف اٹھیں تو پلٹ نہ سکیں۔ مونا، نشاء اور بھابھی اس کے ہمراہ تھیں۔

"بس کریں چاچو! باقی کا کوٹہ راستے میں پورا کرلیجیے گا۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے انہوں نے واپس اسی گھر میں آنا ہے۔"

اس کے کندھے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھ کر عزمی نے اسے شرمندہ کرنے کی غرض سے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ وہ واقعی جھینپ سا گیا تاہم ظاہر نہ ہونے دیا۔

"بکو مت۔ یہ بتاؤ تم تھے کہاں ابھی تک؟"

"آپ کی مسز کو ہی لیے لیے یہاں سے وہاں دوڑتا پھر رہا تھا۔ ابھی ابھی گاڑی ڈیکوریٹ کرا کے لایا ہوں اور ہاں۔ آپ کے ساتھ میں اور صبا بیٹھیں گے۔"

اس نے نزدیک ہوتے ہوئے رازداری سے کہا تو تیمور نے مصنوعی تعجب سے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ یہ صبا کون ذات شریف ہیں؟"

"ہیں، کوئی۔ بس آپ اس مونا سے میری جان چھڑا دیں ذرا۔ اسے ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا میں۔"

اس کے انداز میں لاپروائی سمیت اصرار بھی تھا۔ تیمور کے ذہن میں کھٹکتا کوئی کانٹا جیسے یکدم نکلا۔

"بری بات۔ بہن ہے وہ تمہاری، بہرحال اسے میں سمجھا دوں گا۔ ویسے تم نے کبھی ذکر نہیں کیا ان محترمہ کا۔" وہ دوستانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا تاہم نظریں اب بھی بھٹک بھٹک کر زرمینے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"کیسے کرتا۔ کہا تو تھا میں نے کہ پہلے آپ تو راستے سے ہٹیں، اب آئی ہے نا میری فائل اوپر، تو اب کیس بھی کھلے گا۔"

وہ قدرے جھینپ کر ہنسا تو تیمور بھی مسکرا دیا۔

زرمینے اور وہ جس کار میں بیٹھے اسے عزمی نے ہی ڈرائیو کیا۔ ساتھ میں صبا بھی جو قدرے شرمائی اور گھبرائی ہوئی سی تھی۔

"ہاں تو صبا! یہ ہیں ہماری چچی، مسز تیمور علی جاہ تم ان سے پہلے مل تو چکی ہو، مگر اب صحیح معنوں میں تعارف ہوا ہے تم سے۔ ویسے چاچو! میں تو ان محترمہ کو چچی نہیں کہوں گا۔ ہاں اگر صبا کہنا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔ کیا خیال ہے صبا؟"

وہ پوچھ رہا تھا۔ صبا اس سوال کے لیے تیار نہیں تھی سٹپٹا سی گئی۔

"تم دونوں ہی زری کہہ لینا۔ اجازت ہے تم دونوں کو۔"

تیمور نے بھی شگفتگی سے کہا تو گاڑی میں عزمی کا قہقہہ گونج گیا۔

زرمینے نے چور نظروں سے تیمور کو دیکھا آج وہ کس قدر فریش نظر آ رہا تھا۔ جیسے اپنی من چاہی منزل پالی ہو۔

"شکر ہے اللہ تعالیٰ۔ تو نے مجھے بے ثمر ہونے سے بچالیا۔ دل کی اس بساط پر ہارنے سے بچالیا۔"

بچالیا۔ دل کی اس بساط پر ہارنے سے بچالیا۔"

اس کا روم روم سجدۂ شکر میں جھکا ہوا تھا اور قدم جیسے ستاروں کو چھو رہے تھے۔

(ختم شد)

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com